ہر گھر کی ضرورت

ماھنامہ

حنا

جلد 39 شمارہ 7
جولائی 2017ء
قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

عید سروے

سلسلہ وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

☆☆☆

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ

اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جولائی 2017ء کا شمارہ بطور ''عید نمبر'' پیش خدمت ہے۔

عید الفطر خوشیوں کی نوید ہے۔ ماہ رمضان کے اختتام پر روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواجر ملتا ہے۔ اس کی خوشی مسلمان عید الفطر کی صورت میں مناتے ہیں۔ اس عید پر پاکستانی قوم کو پاکستان کرکٹ ٹیم کی جانب سے چیمپئنز ٹرافی کا تحفہ دیا گیا ہے۔ چیمپئنز ٹرافی جب شروع ہوئی تو پاکستان ٹیم عالمی درجہ بندی میں آٹھویں نمبر پر تھی اور کسی کو بھی گمان نہیں تھا کہ یہ ٹیم ٹورنامنٹ جیت سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم اور کھلاڑیوں کی محنت کی وجہ سے پاکستان فائنل میں پہنچ گیا۔ جہاں روایتی حریف بھارت سے مقابلہ تھا۔ ٹیم کے میدان میں اترنے سے پہلے ہی یہ کہا جا رہا تھا کہ شکست پاکستان کا مقدر ہوگی، میچ فادرز ڈے کے موقع پر تھا اور انڈین بڑھکیں مار رہے تھے کہ وہ بتادیں گے کہ ''فادر'' کون ہے۔ پھر وقت آیا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہوم گراؤنڈ پر انٹرنیشنل کرکٹ سے محروم ٹیم تمام تر پیشن گوئیوں کو غلط ثابت کرتے ہوئے چیمپئن بن گئی۔

اب ویوین رچرڈ، ایان چیپل اور برائن لارا جیسے عظیم کرکٹر بھی کہہ رہے ہیں کہ پاکستان میں انٹرنیشنل کرکٹ بحال ہونی چاہیے۔ اب آئی سی سی کو بھی چاہیے کہ پاکستان کو انٹرنیشنل کرکٹ کا تحفہ دے ڈالے۔ فادرز ڈے پر پاکستانی قوم کو عید کا تحفہ دینے پر پاکستانی کرکٹ ٹیم کا شکریہ۔

اس شمارے میں:۔ عید سروے، فرح طاہر، فصیحہ آصف اور ثناء کنول کے مکمل ناول، سعدیہ عابد، حنا اصغر اور حنا بشریٰ کے ناولٹ، قرۃ العین رائے اور شبانہ شوکت کے افسانے، اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

ہم نے اس قوت موہوم کو دیکھا نہ سنا
ہم نے اس گوہر نادیدہ کو پرکھا نہ چنا

اک سواری کہ شناسانہ تھی گھر پر اتری
اک تجلی تھی کہ تہذیب نظر پر اتری

جلوے دیکھے جو کبھی شامل ایماں بھی نہ تھے
اور ہم ایسے تن آساں تھے کہ حیران بھی نہ تھے

دل کی آغوش میں اک نور دمکتا آیا
ایک لمحہ کئی صدیوں پہ چمکتا آیا

وہم و تشکیک سے الہام شعاری نہ رکی
شب سے شہزادہ خاور کی سواری نہ رکی

پتھروں کے صدف تیرہ سے ہیرے ابھرے
بے کراں موج سے جزیرے ابھرے

مصطفیٰ زیدی

اسلام کو دنیا میں ملی شان تمہی سے
بندے کو خدا کی ملی پہچان تمہی سے

آیا جو کبھی زیست میں دشوار سا لمحہ
مشکل ہوئی اک آن میں آسان تمہی سے

دھرتی پہ جہاں بھی ہیں کہیں اولیا اللہ
یزداں کا ملا ہے انہیں عرفان تمہی سے

ہر پھول کے چہرے پر ترے حسن کا جلوہ
کلیوں کو ملی نکہت و مسکان تمہی سے

اس جگہ میں جہاں یاس کے چھائے ہیں اندھیرے
جینے کا ملا ہے وہاں سامان تمہی سے

میں اور وفا کا کوئی مفہوم نہ جانوں
وابستہ رہے دیں میرا ایمان تمہی سے

گلہائے عقیدت جو نذر کرتا ہے اعجاز
اس صنف میں اس کو ملا فیضان تمہی سے

بشیر اعجاز

ادارہ

قرض اچھے طریقے سے ادا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے زیادہ بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔"

دعا

حضرت عبداللہ بن ابو ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے غزوہ حنین کے موقع پر تیس ہزار یا چالیس ہزار قرض لیا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (غزوہ سے واپس) تشریف لائے تو انہیں قرض ادا کر دیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تیرے گھر بار میں اور تیرے مال میں برکت عطا فرمائے، ادھار کا بدلہ (قرض کی ادائیگی اور شکریہ ادا کرنا ہے۔"

فوائد و مسائل:۔

ضرورت کے وقت قرض لینا جائز ہے۔

اچھے طریقے سے ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ بروقت ادائیگی کی جائے۔

جیسی چیز لی ہو، اس سے بہتر ادا کرنا بھی حسن اخلاق میں شامل ہے، لیکن اگر یہ پہلے سے طے ہو اور قرض خواہ اس کا مطالبہ کرے تو یہ سود ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

قرض ادا کرتے وقت قرض خواہ کو دعائیں دینا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بھی اچھے طریقے سے ادائیگی میں شامل ہے۔

قرض خواہ کو (سخت بات کہنے کا حق ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرض واپس مانگنے آیا، یا کسی اور مالی حق کا مطالبہ کرنے آیا، اس نے کچھ (نامناسب) الفاظ کہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تادیب کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"رک جاؤ، قرض والے کو اپنے ساتھی (مقروض) پر اختیار ہوتا ہے، جب تک وہ ادائیگی نہ کر دے۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ایک بدو (اعرابی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے کسی قرض کا تقاضا کرنے آیا جو آپ کے ذمے تھا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت لہجے میں بات کی، حتیٰ کہ یہاں تک کہہ دیا، اگر آپ ادا نہیں کریں گے تو میں آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کروں گا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ڈانٹا اور کہا۔

"تجھ پہ افسوس! کیا تجھے معلوم نہیں تو کس سے مخاطب ہے؟"

اس نے کہا۔

"میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا؟“
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پیغام بھیجا۔
”اگر تمہارے پاس کھجوریں ہیں تو ہمیں قرض دے دو، ہماری کھجوریں آئیں گی تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔“
انہوں نے کہا۔
”میرے ماں باپ آپ پر قربان، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حکم کی تعمیل کروں گی۔“
انہوں نے آپ کو (کھجوریں) قرض دے دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کا قرض ادا کیا اور اسے کھانا کھلایا۔
اس نے کہا۔
”آپ نے مجھے پورا حق دے دیا، اللہ آپ کو پورا دے۔“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”ایسے لوگ بہترین ہوتے ہیں، وہ قوم پاک نہیں ہوتی، جس میں کمزور کو پریشان کیے بغیر اس کا حق نہ دیا جائے۔“
فوائد و مسائل:۔
قرض خواہ کو سختی کا حق حاصل ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ تقاضا کرنے میں بھی نرمی کی جائے اور مقروض کو مناسب مہلت دے دی جائے۔
جاہلوں کے غلط رویے کا جواب سختی سے نہ دیا جائے بلکہ برداشت کیا جائے۔
حق دار کو اس کا حق اور قرض خواہ کو اس کا قرض بن مانگے ادا کرنا چاہیے، یہ انتظار نہ کیا جائے کہ وہ جب مانگے گا تب دے دیں گے۔

قرض (کی عدم ادائیگی) کی وجہ سے قید کرنا اور ساتھ رہنا

حضرت عمرو بن شرید رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”ادائیگی کی طاقت رکھنے والا ٹال مٹول کرے تو اس کی بے عزتی کرنا اور اسے سزا دینا جائز ہو جاتا ہے۔“
(امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ کے استاد) علی بن محمد طنافسی رحمتہ اللہ نے فرمایا۔
بے عزتی کرنے سے مراد اس کی شکایت کرنا اور سزا سے مراد قید کرنا ہے۔
فوائد و مسائل:۔
قرض بروقت ادا کرنا ضروری ہے، معقول عذر کے بغیر تاخیر جائز نہیں۔
اگر مقروض وقت پر قرض ادا نہ کرے تو اس کے خلاف حکمران یا قاضی سے شکایت کی جا سکتی ہے، حاکم اور قاضی کا فرض ہے کہ حق دار کو اس کا حق دلوائیں۔
اگر مقروض واقعی قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مزید مہلت دی جائے یا قرض معاف کر دیا جائے یا بیت المال سے اس کی مدد کی جائے، بیت المال کا نظام موجود نہ ہونے کی صورت میں دوسرے لوگوں کا فرض ہے کہ زکوۃ صدقات کے ذریعے سے اس کی مدد کریں۔
جن جرائم میں حد نہیں ان میں مجرم کو تعزیر کے طور پر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔

مقروض

حضرت ہرماس بن حبیب رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت حبیب بن ثعلبہ) سے اور وہ ہرماس کے دادا (حضرت ثعلبہ تمیمی عنبری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا۔
میں اپنے ایک مقروض کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا۔
"(یہ جہاں جائے) اس کے ساتھ رہو۔"
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے وقت میرے پاس سے گزرے تو فرمایا۔
"اے بنی تمیم کے بھائی! تمہارے قیدی کا کیا بنا؟"
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد میں حضرت عبداللہ بن ابوحدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے ذمے اپنے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا، ان کی آوازیں بلند ہو گئیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر میں ان کی آوازیں سن لیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکل کر ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی، انہوں نے کہا۔
"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں حاضر ہوں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اپنے قرض میں سے اتنا معاف کر دو۔"
اور ہاتھ سے نصف کا اشارہ کیا (آدھا قرض چھوڑ دو)
انہوں نے کہا۔
"میں نے معاف کیا۔"
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ابن ابو حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) فرمایا۔
"اٹھو اس کا قرض ادا کرو۔"
فوائد و مسائل:۔
قرض خواہ مقروض سے قرض کی واپسی کا تقاضا کر سکتا ہے۔
دو آدمیوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو صلح کرا دینی چاہیے، خاص طور پر وہ شخص جس کو جھگڑنے والوں پر کسی قسم کی فضیلت حاصل ہو اور اس کی بات مانی جاتی ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ جھگڑا ختم کرائے۔
صلح کے لئے صاحب حق اپنا کچھ حق چھوڑ دے تو بہت ثواب کی بات ہے۔

قرض دینا

حضرت قیس بن رومی رحمتہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، حضرت سلیمان بن اذنان رحمتہ اللہ نے حضرت علقمہ رحمتہ اللہ کو ان کا وظیفہ (تنخواہ) ملنے تک کی مدت کے لئے ایک ہزار درہم قرض دیا، جب انہیں وظیفہ ملا تو انہوں (سلیمان) نے ان سے سختی سے (قرض کی واپسی کا) تقاضا کیا۔
علقمہ رحمتہ اللہ نے ادائیگی کر دی لیکن انہیں ناراضی محسوس ہوئی (کہ اتنی سختی سے تقاضا کیا ہے) چند ماہ ٹھہر کر وہ (پھر) ان کے پاس آئے اور کہا۔
"مجھے تنخواہ ملنے تک ایک ہزار درہم قرض دے دیں۔"
انہوں نے کہا۔
"ہاں (میں بڑی خوشی سے آپ کا) احترام کرتے ہوئے (آپ کو قرض دیتا ہوں، پھر اپنی بیوی سے کہا) اے ام عتبہ! تمہارے پاس جو مہر بند تھیلی ہے، وہ لے آؤ، وہ لے آئیں تو (علقمہ سے) کہا کہ قسم ہے اللہ کی! یہ آپ کے وہی درہم ہیں، جو آپ نے مجھے ادا کیے تھے، میں نے ان میں سے ایک درہم بھی اِدھر اُدھر نہیں کیا۔"
علقمہ رحمتہ اللہ نے کہا۔

"کیا خوب! آپ نے مجھ سے جو سلوک کیا، اس کی کیا وجہ؟"

انہوں نے کہا۔

"(اس کی وجہ یہ حدیث تھی) جو میں نے آپ سے سنی، انہوں نے کہا، آپ نے مجھ سے کون سی حدیث سنی؟ سلیمان نے کہا، میں نے آپ (علقمہ) کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو مسلمان دوسرے مسلمان کو دوبارہ قرض دیتا ہے، وہ ایک بار اتنا صدقہ کرنے کے برابر ہو جاتا ہے۔"

علقمہ رحمتہ اللہ نے فرمایا مجھے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (واقعی) اسی طرح حدیث سنائی تھی۔

قرض کا ثواب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"معراج کی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا، صدقے کا ثواب دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا۔" میں نے کہا۔

"اے جبرئیل! کیا وجہ ہے کہ قرض، صدقے سے بھی زیادہ فضیلت کا حامل ہے؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ سائل (بعض اوقات) سوال کرتا ہے، حالانکہ اس کے پاس (اس کی ضرورت کا مال) موجود ہوتا ہے جبکہ قرض لینے والا ضرورت (اور مجبوری) کی حالت ہی میں قرض لیتا ہے (کیونکہ قرض کی واپسی تو ضروری ہے، اس لئے مجبوری کے وقت ہی لیا جاتا ہے۔")

حضرت یحییٰ بن ابو اسحاق ہنائی رحمتہ اللہ روایت ہے، انہوں نے فرمایا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔

ایک آدمی اپنے بھائی کو مال بطور قرض دیتا ہے، پھر وہ (مقروض) اسے کچھ تحفہ دے دیتا ہے (کیا یہ مناسب ہے؟)

انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے کوئی شخص جب (کسی کو) قرض دے، پھر (مقروض) اسے تحفہ دے یا سواری کے لئے جانور پیش کرے تو (قرض خواہ کو چاہیے کہ) وہ اس پر سواری نہ کرے اور نہ وہ (تحفہ) قبول کرے، سوائے اس کے کہ ان دونوں میں پہلے سے (تحفے تحائف کا) یہ سلسلہ جاری ہو۔"

فوت شدہ کی طرف سے قرض کی ادائیگی

حضرت سعد بن اطول جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا بھائی فوت ہو گیا، اس نے تین سو درہم (ترکہ) چھوڑا اور بال بچے بھی چھوڑے، میں نے چاہا کہ یہ مال اس کے بیوی بچوں پر خرچ کر دوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے قید ہے، اس لئے اس کا قرض ادا کرو۔"

تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اس کا (سارا) قرض ادا کر دیا ہے، سوائے دو دینار کے، ایک عورت ان کا دعوا کرتی ہے لیکن اس کے پاس کوئی ثبوت (گواہی وغیرہ) نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اسے دے دو، وہ سچی ہے۔"

ابن انشاء

آج ہمیں ایک بڑا سا جہازی سائز کا کارڈ ڈاک میں ملا ہے، جس کے ایک طرف تو ہمارا پتہ لکھا ہے، مکرمی معظمی وغیرہ القابات کے ساتھ دوسری طرف کارڈ چھاپنے اور بھیجنے والے کا نام ہے۔

خدمت عوام پارٹی (غیر سیاسی)

اس کے نیچے چند سوالات بھی درج ہیں۔

۱۔کیا آپ ادارے یا محکمے کا سامان اسٹیشنری وغیرہ اپنے ذاتی استعمال کے لئے گھر تو نہیں لے جاتے؟

۲۔کیا آپ اپنے دفتری اوقات کو خوش گپیوں یا دوستوں کی خاطر تواضع میں تو ضائع نہیں کرتے؟

۳۔کیا آپ دفتر کا کام ختم ہو جانے سے پہلے کھسک تو نہیں جاتے؟

۴۔کیا آپ اپنے دفتر کا کام جان بوجھ کر تاخیر سے تو نہیں کرتے؟

۵۔کیا آپ کسی عزیز یا محترمہ کو اپنے سرکاری ٹیلی فون سے مفت کال کرنے کی اجازت تو نہیں دیتے؟

۶۔کیا آپ اپنے دفتر میں کام کرنے والی خواتین کو اس نگاہ احترام سے دیکھتے ہیں جیسے اپنی خواتین کو؟

۷۔کیا تنخواہ لیتے وقت آپ کا ضمیر تو کبھی ملامت نہیں کرتا؟

بعض لوگ منفی ذہنیت کے ہوتے ہیں، ہم ان میں سے نہیں ہیں، چنانچہ پہلے پانچ سوالات کی حد تک ہمارا جواب اثبات میں ہے، بے شک اپنے ادارے کی اسٹیشنری لے جاتے ہیں لیکن اس پر ذاتی استعمال کی تہمت نہیں لگا سکتے، ایک تو اس لئے کہ زیادہ تر بچوں کے کام آتی ہے، یا اس پر دھوبی کا حساب لکھتے ہیں، سو دھوبی کی ذات اور ہماری اپنی ذات میں فرق ہے، اگر اس اسٹیشنری سے خطوط لکھتے بھی ہیں تو ہر چند کہ خود لکھتے ہیں لیکن وہ جاتے تو دوسروں کے نام ہیں، دوسرے لوگ ہماری ذات کی تعریف میں کیسے آ سکتے ہیں۔

دوسرے سوال میں لفظ ضائع کے استعمال پر ہمیں اعتراض ہے، بلکہ ہم اس پر احتجاج کرتے ہیں، خوش گپیوں اور دوستوں کے لطف صحبت سے دماغ تازہ ہوتا ہے اور اگلے روز کام کرنے کے لئے آدمی تازہ دم اور مستعد آتا ہے، اگر اگلے روز بھی وہ احباب آ جاتے ہیں تو اس سے اگلے روز سمجھیے۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

تیسرے سوال کا جواب تو اثبات ہی میں ہے، لیکن کھسکنے کا لفظ یہاں بے محل ہے، ایک سینما میں کوئی صاحب فلم دیکھ رہے تھے، وہ تھی کوئی تعمیری قسم کی، چنانچہ خراٹے لینے لگے۔

پاس والے نے بیزار ہو کر ان کو جگایا اور ملامت کی کہ بھلے مانس خراٹے لے کر دوسروں کی نیند میں خلل کیوں ڈالتا ہے، چپکے سے نکل جانے میں بھی کچھ اس قسم کی مصلحت ہے، کوئی دیکھ لے اور پوچھ لے اور باز پرس کرنے لگے تو خود ہی

سوچیے اس میں کتنا وقت ضائع ہوگا اور وہ سرکاری وقت ہی ہوگا۔

چوتھے سوال کا جواب بھی ہاں ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اگر جھٹ پٹ کام کردیا جائے تو پھر دفتر کی ضرورت نہیں رہتی، تاخیر میں کئی فائدے ہیں، ایک آدمی کا کام کرنے کے لئے پانچ آدمی رکھے جاتے ہیں، ملک میں بے روزگاری کم ہوتی ہے، تاخیر کے اسباب معلوم کرنے کے لئے کمیشن بیٹھتا ہے، اس میں نیا عملہ وملہ بھرتی ہوتا ہے اس سے بے روزگاری مزید ختم ہوتی ہے، پانچویں سوال کے جواب میں ہم نہیں گے، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، جب کسی محترمہ کو ہم خود مفت کال کرتے ہیں، اگر وہ خود آ کر مفت کال کرلے تو کیا مضائقہ ہے۔

اب رہا سوال نمبر ۶، دفتر میں کام کرنے والی عورتیں اگر معمولی صورت کی یا مسن ہیں تو اخلاق کے تقاضے سامنے آجاتے ہیں کہ ان کو مائیں، بہنیں، بیٹیاں سمجھا جائے ویسے آج کل گھر گھاٹ یعنی گھر اور دفتر میں چنداں فرق نہیں رہا۔

مغرب میں تو عام بات ہے، کہ اگر کوئی سیکرٹری خوبصورت ہے تو مستقبل قریب میں اپنے افسر کی گھر والی بن جاتی ہے اور گھر اور دفتر کے پردے اٹھ جاتے ہیں، ساتویں سوال کا جواب ہے کہ جی نہیں، ملامت نہیں کرتا، کیا مجال ہے کہ کرے، البتہ تنخواہ نہ لیں تو ضرور ملامت کرتا ہے۔

یہ سوالات تو ضمنی ہیں کچھ اہمیت نہیں رکھتے، اصل چیز خدمت عوام پارٹی ہے، بلکہ اس کا غیر سیاسی ہونا ہے، ویسے۔

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد

ہم نے بہت سی پارٹیوں اور جماعتوں اور تحریکوں کو غیر سیاسی سے شروع ہو کر سیاست کا پنجا پکڑتے دیکھا ہے، خود اس سوالنامے میں سیاست کے جراثیم بہت ہیں، کل انہی لوگوں کے پاؤں جم گئے تو جھنڈا لے کر نکل آئیں گے کہ دفتروں میں کاہلی اور بے ایمانی اور عدم کارکردگی دور کرنے کے لئے ہمیں اپنی صفوں کو منظم کرنا چاہیے اور عوام کی خدمت اور معاشرے کی اصلاح کے لئے اگلے الیکشن میں کھڑا ہونا چاہیے، الیکشن کی بات آئے گی تو دائیں بازو اور بائیں بازو اور اسلام اور سوشلزم کا قضیہ ضرور اٹھے گا، ہم نے تو اس سوالنامے کے بے سوچے سمجھے جواب دے دیے، قارئین کو احتیاط چاہیے کیونکہ بات سے بات نکلتی ہے اور غیر سیاسی سے سیاسی بنتی ہے، سرچشمہ باید گرفتن بہ میل، ایک بزرگ بازار میں جارہے تھے، ایک نوجوان نے انہیں سلام کیا، وہ چپ رہے اور جواب نہ دیا، بزرگ کے ساتھیوں نے کہا۔

''بھلا آپ نے یہ غیر شرعی حرکت کیوں کی سلام کا جواب دینا چاہیے تھا؟''

بولے۔

''تم نہیں سمجھتے میں سلام کا جواب دیتا تو وہ اپنا تعارف کراتا اور کہتا، حاجی صاحب آیئے چائے خانے میں چل کر چائے پیجئے اس کی چائے پی کر اسے چائے پلانا میرا فرض ہو جاتا، اس کی میرے گھر میں آمد ورفت شروع ہو جاتی، میری...... ایک جوان بیٹی ہے میں ایسے اوباش نوجوان کو اپنی بیٹی کا رشتہ ہرگز نہیں دے سکتا۔''

☆☆☆

فوزیہ شفیق

عید رنگوں، خوشیوں اور مسرتوں بھرا تہوار، ایک خوشگوار مہکتا احساس ہے، لفظ ''عید'' سے ہزاروں خوشیاں وابستہ ہوتی ہیں، عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور چاند رات کو تو یہ تیاریاں عروج پر ہوتی ہیں، صبح عید کا تصور ہی جان افزا ہوتا ہے۔

عید مبارک کی صداؤں میں عید کا دن طلوع ہوتا ہے، آرائش زیبائش، رنگ، خوشبو، خوشیاں اور میل ملاقات یہ ہی حسن ہے عید کا تہوار کا۔

عید کی ان سچی خوشیوں کو ہماری پیاری اور قابل فخر مصنفین نے ہمیشہ کی طرح ''عید سروے'' میں شرکت کر کے قارئین کی عید کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا ہے، ہم نے عید سروے کے سوالات کچھ یوں ترتیب دیئے تھے۔

۱۔ آپ کی زندگی میں کون سی اہم ہستی ہے جس سے عید کے دن آپ ملنے کو بے قرار رہتے ہیں؟

۲۔ ہر خوشی کے موقع پر انسانی جذبات اپنی روٹین سے ہٹ کر کوئی انوکھی خواہش کرتا ہے، عید کے خوشیوں بھرے تہوار پر آپ کا دل ایسی کون سی خواہش کرتا ہے؟

۳۔ میٹھی عید کے دن آپ کون سی نمکین ڈش بنانا پسند کرتی ہیں؟

۴۔ عید کا چاند دیکھتے ہی کس چیز کا خیال پہلے آتا ہے، شیر خورمہ، سجنا سنورنا، یا کسی اہم ہستی سے ملنے کا خیال؟

۵۔ اگر آپ کو عید کا دن اپنی مرضی سے گزارنے کا کہا جائے، تو آپ یہ دن کیسے گزاریں گی اور کس کے ساتھ؟

۶۔ جو دل کا مکین ہے اس کے لئے کوئی ایک خوبصورت جملہ یا کوئی شعر؟

ہمیں خوشی ہے کہ مصنفین نے اس سلسلے میں جوش و خروش سے حصہ لیا آیئے دیکھتے ہیں کہ ہماری مصنفین نے سوالات کے جواب کیا دیئے ہیں۔

بشریٰ سیال.........ساہیوال

اللہ پاک کا کرم ہے کہ اس نے ایک بار پھر ہمیں عید کی خوشیاں دیکھنا نصیب کیں۔

پیاری فوزیہ اور قارئین کو عید کی ڈھیروں مبارک باد۔

۱۔ مجھے عید پر ہمیشہ اپنی بہنوں اور بھانجے بھانجیوں سے ملنا بہت اچھا لگتا ہے اور ان سب کا انتظار بھی ہوتا ہے، عید کے دن میں اپنے بھانجے حمزہ سے ملنے کے لئے بہت بے قرار رہتی ہوں، ہم دونوں بیسٹ فرینڈ ہیں اور دونوں مل کر ہمیشہ عید بہت انجوائے کرتے ہیں اور بعد میں بھی اس وقت کو یاد کر کے خوش ہوتے ہیں۔

۲۔ عید کے موقع پر دل چاہتا ہے کہ میں کچھ وقت کسی ٹرسٹ میں بے سہارا اور غریب بچوں کے ساتھ گزاروں، ان میں خوشیاں بانٹوں ان کو اپنائیت کا احساس دلاؤں۔
۳۔ عید پر تو ہمیشہ بہت سے کھانے بنتے ہیں اور الحمدللہ میں ایک بہت اچھی کک بھی ہوں، عید پر بریانی ضرور بناتی ہوں۔
۴۔ عید کا چاند دیکھتے ہی ہمارے گھر میں کھیر بننا شروع ہو جاتی ہے اس کے ساتھ بھانجے بھانجیوں اور بہنوں کے ملنے کا احساس بہت خوش کن لگتا ہے۔
۵۔ عید کا دن تو اپنی مرضی سے ہی گزرتا ہے اللہ پاک کا بڑا کرم ہے کہ تمام فیملی ممبرز ساتھ ہوتے ہیں، امی، ابو، بہن بھائی اور میرے لاڈلے بھانجے بھانجیاں، عید کے دن کی خوشگوار یادیں پورا سال میرے ساتھ رہتی ہیں۔
۶۔ ایک شعر میرے بھانجے بھانجیوں کے نام جو میرے دل کا چین اور سکون ہیں وہی میرے دل کے مکین ہیں۔

تم آؤ تو پھولوں کی ہم برسات کریں گے
موسم کے فرشتوں سے میری بات ہوئی ہے

عید کے موقع پر اپنے اردگرد رہنے والے غربا اور مساکین کا خیال رکھیں روٹھے ہوؤں کو منائیں ایک شعر ہمیشہ عید کے ڈھلتے سورج کو دیکھ کر میرے ذہن میں ابھرتا ہے۔

رشتے رہیں سلامت
عیدیں ہیں ہزار باقی

حنا بشریٰ..................لاہور

۱۔ میرے ابو ہی وہ ہستی ہیں جن سے عید کے دن ملنے کو بے چین و بے قرار رہتی ہوں، جب تک انہیں دیکھ نہ لوں، ان کے سینے کے ساتھ لگ کر عید نہ مل لوں سکون نہیں آتا۔
۲۔ روٹین سے ہٹ کر انوکھی خواہش، عید کے دن ٹھنڈی ٹھنڈی آئس کریم کھانا اور ایک بار نہیں بار بار کھانا۔
۳۔ چکن بریانی بنانا پسند کرتی ہوں میٹھی عید کے دن۔
۴۔ عید کا چاند دیکھتے ہی جس ہستی کو دیکھنے کے لئے دل مچل جاتا ہے وہ میری ''امی'' ہیں۔
۵۔ خوب مزے کی ڈشز کھا کر، آئس کریم کھا کر، وحید مراد، نشو کی کوئی اچھی سی پاکستانی فلم دیکھ کر عید کا دن گزارنا چاہوں گی، اپنی بڑی بہنوں کے ساتھ، اپنے والدین کے ساتھ اور ننھے بھتیجے مشام علی کے ساتھ۔
۶۔ دل کا مکین، ''میری امی''

میری ماں کو لازوال رکھنا
میں رہوں نہ ہوں میری ماں کا خیال رکھنا

حمیرا خان..................لیہ

۱۔ ہم انسان بڑے عجیب ہوتے ہیں کچھ لوگ جو ہمیں بے حد عزیز ہوتے ہیں لیکن پاس رہنے کی وجہ سے ہم ان سے عید ملنا ضروری نہیں سمجھتے (کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ عید دور رہنے والوں سے ملی جاتی ہے) ہمیں اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ لوگ ہم سے بچھڑ جاتے ہیں، ہمیشہ کے لئے بہت دور چلے جاتے ہیں، ایسا ہی ایک انسان ہے جو اس برس بہت دور ہے اس سے عید ملنے کے لئے بیقرار ہوں، کاش مل پاتی۔
۲۔ خواہشیں بہت سی ہیں مگر بیان ممکن نہیں۔
۳۔ عید چاہے کوئی سی بھی ہو ہمارے گھر چاولوں کے بنا عید نہیں ہوتی اس لئے چاول (وہ بھی سبزی یا چنے والے) پکانا پسند کرتی ہوں۔

۴۔ عید کا چاند دیکھتے ہی مجھے تو سب سے پہلے کچھ خاص لوگوں کو عید مبارک کہنے کا خیال آتا ہے اس کے بعد مہندی اور چوڑیوں کا۔

۵۔ اگر مجھے عید کا دن اپنی مرضی سے گزارنے کا موقع ملے تو میں وہ دن اپنی امی، بہن بھائیوں اور Some one special کے ساتھ کسی پہاڑی مقام پر گزارنا پسند کروں گی بہت ساری گیمز کھیلوں گی بہت انجوائے کروں گی اور سب کے ساتھ ڈھیر ساری تصویریں اور وڈیو بناؤں گی۔

۶۔ ارے یہ کیا پوچھ لیا، کیا کیا کہیں؟ صرف ایک جملہ یا شعر کہہ کر آپ نے بچت کروالی ورنہ ہم جیسے پوری کتاب لکھ دیتے (ہاہاہا)، عام طور پر مجھے ڈائیلاگز یاد نہیں رہتے لیکن ایک فلم کا یہ جملہ مجھے ہمیشہ اچھا لگتا ہے، ہم تم میں یہی خرابی ہے، تم کے بنا ہم ادھورے ہیں۔

سب ساتھیوں کو عید مبارک، پلیز دعاؤں میں یاد رکھیئے گا شکریہ۔

سونیا چوہدری.................. گجرات

۱۔ عید کا دن تو ہوتا ہی ملنے ملانے کا ہے عام کیا اور خاص کیا، لیکن میری داستان ذرا سب سے ہٹ کر ہے، میں عید سے پہلے جب عید میں چند روز رہ جائیں، سب فرینڈز کو بولتی ہوں، اس بار میں عید پر آپ کی طرف ضرور آؤں گی، لیکن جونہی عید کا دن آتا ہے پھر میرا کہیں جانے کو دل ہی نہیں کرتا، میں اپنا زیادہ وقت گھر پر اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ ہی گزارتی ہوں، لیکن کہیں جانے کا اگر پلان بن جائے تو خالہ کی طرف جاتی ہوں، کیونکہ مجھے خالہ سے نہیں بلکہ اپنے کیوٹ سے ڈھائی سال کے کزن مائر سے ملنے کی بیقراری ہوتی ہے اور یہ سوال اس وقت کیا جاتا جب میری شادی ہو چکی ہوتی تو میرا جواب ہوتا، اپنی ماما سے ملنے کی بیقراری، لیکن چونکہ ابھی شادی نہیں ہوئی تو میری سب سے خاص ہستی میری امی میرے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور دعا ہے اللہ پاک میرے والدین کا سایہ ہمیشہ میرے سروں پر قائم رکھے آمین۔

۲۔ میٹھی عید پر سب جذبات سب روٹین اور انوکھا پن بھی سائیڈ پر رکھ کر بس ایک ہی خیال رہتا ہے، نئے نئے نوٹوں کو جمع کرنا (ہاہاہا)۔

۳۔ میٹھی عید پر سویاں، شیر خورمہ وغیرہ تو لازمی بنتا ہے لیکن نمکین ڈش مخصوص نہیں ہوتی، اس لئے جس کی جو فرمائش ہو وہی بنا لیا جاتا ہے، میٹھا ہو یا نمکین مجھے تو بس کھانا ہوتا ہے کیونکہ کوکنگ تو امی ہی کرتی ہیں، اب کھانے کے نام سے یہ مت سوچ لیجئے گا کہ سونیا کوئی بہت موٹی سی لڑکی ہے، بالکل نہیں جی میں تو بہت سلم اسمارٹ کیوٹ سی ہوں (ہاہاہا) ویسے اپنے منہ آپ میاں مٹھو بننے کا بھی اپنا ہی مزہ ہے۔

۴۔ عید کا چاند دیکھتے ہی بس موبائل پکڑتی ہوں اور سب کو چاند کی مبارکباد دینے کے بعد مہندی لگانے کا کام شروع ہو جاتا ہے اور دوسروں کو لگانے کے چکر میں اپنے ہاتھ ہمیشہ خالی رہ جاتے ہیں۔

۵۔ دن تو سارے اپنی مرضی سے ہی گزارتی ہوں اور کس کے ساتھ گزاروں گی...... ہوں ذرا سوچ رہی ہوں...... اپنی پرانی فرینڈز عالیہ، نیلم، اسراء، کائنات، ثانیہ کے ساتھ، کیونکہ ان سب کے ساتھ بہت اچھا اور

یادگار وقت گزار ہے تو عید کا دن ان کے ساتھ گزار کر پرانی یادوں کو تازہ کروں گی اور خوب ہلا گلا کریں گے سب مل کر، کیونکہ جب ہم مل بیٹھتے ہیں تو بس ہم من مرضیاں ہی کرتے ہیں۔

۶۔ جو دل کا مکین ہے اس کے لئے کوئی جملہ یا شعر آہاں۔

جملہ، اللہ پاک آپ کو زندگی کے ہر نیک مقصد میں کامیاب کرے آمین۔

صاف شفاف تھی پانی کی طرح نیت دل دیکھنے والوں نے دیکھا اسے گدلا کر کے

آخر میں ایک دعا حنا اور اس کی تمام ٹیم کے لئے اللہ پاک اس ادارے اور اس کے چلانے والوں کو ہمیشہ کامیابیوں سے نوازتا رہے اور آپ سب پر ہمیشہ اللہ پاک کی رحمتیں برستی رہیں، حنا اور تمام ٹیم اور پڑھنے والوں کو عید مبارک۔

ثناء کنول..........لودھراں

۱۔ عید خوشیوں بھری ساعتوں کا نام ہوتا ہے پر صرف ان کے لئے جو خوش ہوں مجھے کبھی عید کا دن خوش نہیں کرتا بلکہ اک نئی اذیت اک نئے کرب سے ہی دوچار کرتا ہے نجانے کتنی ہی پرانی یادیں ذہن کی سطح پر ابھر ابھر کر دکھی کرتی رہتی ہیں میک اپ کپڑے چوڑیاں عیدی کچھ بھی لبوں پہ مسکراہٹ لانے کا باعث نہیں ہوتا، مگر پھر بھی وہ اہم ہستی میری بہن حنا کنول اس کا بیٹا ابراہیم ہے جن کو ملنے کی تڑپ ختم ہی نہیں ہوتی۔

۲۔ سینے میں دل ہو تو خواہش کرے جذبات ہوں تو مچلیں یہاں میرے اندر باہر تو بس صرف خاموشی کا راج ہے تو کوئی خواہش بھلا کہاں ابھرے گی مگر پھر بھی گھومنے پھرنے کا اپنوں کے گھروں میں جانے کا مگر ہائے ری قسمت۔

۳۔ کھانے میں قورمہ پسند ہے۔

۴۔ سب سے پہلے مایوسی اور دکھ گھیر لیتا ہے رمضان کا مہینہ ختم ہونے کا اس کے بعد پھر وہی یادیں باتیں کوئی خاص خوشی نہیں ہوتی پتہ نہیں کیوں؟

۵۔ میں اپنے فیانسی یاسین کے ساتھ خوب باتیں کر کے گھوم پھر کر ہنستے مسکراتے برگر آئس کریم کھاتے خوب رومینٹک باتیں کر کے ہر فکر اندیشے خوف کا ڈر دل سے نکال کر بے فکری سے۔

۶۔ دل کا مکین یسین جملہ اور شعر ساتھ لکھوں گی ہاں۔

سب کہتے ہیں عید آئی ہے
تم ملنے آؤ تو یقین آ جائے

جملہ:۔ پربتوں کی چوٹیوں پہ شگوفے سے کھل اٹھیں، چاند کی چاندنی شرما کر اِدھر اُدھر پتوں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگے جب تم آؤ۔

چلیں جی اب آپ سب کو عید بہت بہت مبارک ہو، ہنستی مسکراتی کھلکھلاتی پر نور عید خدا کرے کہ آپ کی زندگیوں کو روشنیوں سے بھر دے آمین۔

سباس گل..........رحیم یار خان

۱۔

وہ جو ہستی ہے
بہت دور بستی ہے
جس کی دید کو
چشم نم ترستی ہے

لیں جی نظم پر گزارہ کریں ابھی تازہ بہ تازہ آمد ہوئی ہے ویسے ایسی خوش نصیب ہستی

کوئی ہے ہی نہیں جس سے ملنے کو بادولت بے قرار ہوں، الحمد للہ ہماری فیملی ہی ہمارے لئے اہم ہے ہمارے ساتھ ہی ہوتی ہے عید کے دن اللہ پاک کے کرم سے۔

۲۔ جب سے دعا مانگنا سیکھا ہے خواہش کرنا چھوڑ دیا ہے، ہاں ایک بے پرواہ دوست کی فون کال کا انتظار رہتا ہے وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ اس کی کال نہیں آئے گی۔

۳۔ میٹھی عید کے دن نمکین ڈش چکن وائٹ قورمہ اور شامی کباب پکانا کھانا پسند کرتے ہیں ہم۔

۴۔ عید کا چاند دیکھتے ہی ہمیں شیر خورمے کا خیال آتا ہے کہ جلدی سے شیر خورمہ تیار کر لیں اور دوسرا خیال عید کے لباس کا آتا ہے کہ وہ سب افراد خانہ کے استری شدہ ہیں یا نہیں یہ سب کام چاند رات کو مکمل کرتے ہیں تاکہ صبح کوئی پریشانی نہ ہو۔

۵۔ بھئی سیدھی سچی بات ہے، عید کے دن سب دوست احباب مصروف ہوتے ہیں ایک دو گھنٹے سے زیادہ کسی کے سر پہ سوار رہنا وہ بھی عید کے دن ہمیں قطعاً پسند نہیں ہے ہم سب دوستوں کے ساتھ ایک ایک گھنٹہ ہی گزاریں گے تاکہ وہ بھی باقی کا دن اپنے رشتے داروں سے ملنے ملانے میں گزار سکیں، رائٹرز میں ام مریم، فاخرہ گل، عشنا کوثر سردار، امائیہ سردار خان، فصیحہ آصف، فریدہ جاوید فری، شگفتہ شفیق، صدف آصف، قرۃ العین سکندر، مہوش ملک سے ملنا چاہئیں گے۔

۶۔ ہائیں کیا کہہ رہی ہیں؟ جو دل کا مکین ہے اس کے لئے جملہ یا شعر یوں سب کے سامنے کہہ دیں؟ چلیں آپ بھی کیا یاد کریں گی شعر پیش خدمت ہے۔

تم جہاں بھی رہو خوش و خرم رہو
ہے تمہارے لئے بس یہی اک دعا

ٹھنڈی میٹھی عید مبارک۔

مبشرہ انصاری..........لاہور

سب سے پہلے تو تمام قارئین کو السلام علیکم، اس ناچیز کی طرف سے میرے چاہنے اور نہ چاہنے والوں کو دلی عید مبارک، امید کرتی ہوں کہ آپ تمام قارئین کی یہ میٹھی عید بہت سے خوبصورت لمحات سمیٹتے گزر رہی ہوگی، اللہ آپ تمام قارئین کی جھولیاں ایسی بے پناہ خوشیوں سے بھرتا رہے آمین ثم آمین۔

اب آ جاتے ہیں سروے کی جانب جو کہ ہمیشہ سے میرے لئے ایک مشکل ترین ٹاسک رہا ہے، فوزیہ جی بہت مشکل سوال پوچھتی ہیں آپ، اور میری مجبوری یہ کہ میں انکار بھی نہیں کر پاتی، خیر سوالات جتنے بھی مشکل ہوں ان کے آسان جوابات دینے کی بھرپور کوشش کرتی ہوں، آج ایک کوشش اور سہی، کوئی بات بری لگے تو پہلے سے ہی معافی کی طلبگار ہوں۔

۱۔ فی الحال میری فیملی کے سوا ایسی کوئی خاص ہستی نہیں کہ جس سے ملنے کے لئے میں بے تاب رہوں، ہاں البتہ آج کل دل بہت چاہ رہا ہے اسلام آباد کلب جا کر کچھ وقت گزارنے کو میرا، تقریباً پورا بچپن گزرا ہے اسلام آباد کلب میں، ہر ویک اینڈ پر جایا کرتی تھی، مگر اب تقریباً ایک سال ہو گیا وزٹ کیے، اسی لئے بہت دل چاہ رہا ہے وہاں جانے کو، وہاں کے درخت، گارڈن ایریا اور وہاں کا چپا چپا میرے لئے بہت یادگار ہے، چاہے کتنی ہی اداس کیوں نہ

ہوں، اسلام آباد کلب جاتے ہی دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا ہے۔

۲۔ میری عید تو سوتے سوتے ہی گزر جاتی ہے، اس لئے خواہشات کے بارے میں سوچنے کے لئے ٹائم ہی نہیں ملتا۔

۳۔ ہر سال عید کے دن کچوریاں بناتی ہوں جس کی ترکیب پہلے بھی شیئر کر چکی ہوں، چاند رات کو ہی تمام میٹریل تیار کر کے فریز کر دیتی ہوں تا کہ عید کے دن زیادہ محنت نہ کرنا پڑے، جسٹ فرائے کرتی ہوں اور فیملی کے ساتھ بیٹھ کر مزے سے کھاتی ہوں۔

۴۔ میں نے آج تک عید کا چاند دیکھا نہیں ہے، بہت کوشش کرتی ہو دیکھنے کی مگر نظر ہی نہیں آتا، بس پتا چل جاتا ہے کہ کل عید ہے تو فوراً سیلون بھاگ جاتی ہوں مہندی لگوانے، مجھے مہندی اور مہندی کی خوشبو بے حد پسند ہے، بہت شوق سے مہندی لگواتی ہوں۔

۵۔ اگر میں اپنی مرضی سے دن گزارنا چاہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ ہلکی پھلکی رجھم جھم ہو اور میں لانگ ڈرائیو پر نکل جاؤں، دور بہت دور چلی جاؤں، لیکن بدقسمتی سے یہ کہ مجھے ڈرائیونگ فوبیا ہے، بار بار کوشش کے باوجود میں ڈرائیونگ نہیں کر پائی، اپنی ہی گلی میں بے پناہ کوشش کی ڈرائیونگ کی مگر بری طرح سے فیل رہی، سٹیرنگ چھوڑ کر چیخنا شروع کر دیتی ہوں اور پھر بیچ سڑک کا سوچتے ہی سانس تھمنے لگتی ہے۔

No way i can,t drive at all

۶۔

دل سے دل کا ہر رشتہ معتبر دعا سے ہے
دعاؤں میں بسے لوگو جہاں رہو خوش رہو

یہ رہے مشکل سوالات کے آسان جوابات، اجازت چاہتی ہوں، دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، خوش رہیے آباد رہیے اللہ نگہبان۔

قرۃ العین رائے..........شیخوپورہ

۱۔ ایسی کوئی ہستی نہیں ہے کیونکہ الحمدللہ میری تمام عزیز ترین ہستیاں عید کے دن میرے پاس ہوتی ہیں ہاں اللہ جنت نصیب کرے ابو سے ملنے عید کے روز جانا ہوتا تھا کہ وہ میرا انتظار کرتے تھے ان کے جانے کے بعد اس انتظار کی اہمیت اور معنی واضح ہوا مجھ پر اسے مس کرتی ہوں۔

۲۔ ہزاروں خواہشیں ایسی، محبت سے چاہت سے اور اپنائیت بھرے خلوص سے سب رشتہ عید کے رنگ میں سجے ایک دوسرے سے ملے لیکن ہائے رے اس زندگی کی مصروفیات اور اگر اپنے اندر کے بچے کی سنوں تو بچوں کی طرح خوب تیار شیار ہو کر شوپز پر جا کر اپنی عیدی سے رنگ برنگی چیزیں خریدنے کا لطف یہ میں نے کبھی نہیں کیا بچپن میں بھی نہیں۔

۳۔ دہی بھلے، پلاؤ، روسٹ، یا بریانی وغیرہ۔

۴۔ بہت سارے کاموں کا جس میں سرفہرست دعا کو بازو بھر کر مہندی لگانا ہے اف توبہ ہاتھوں پیروں ہر جگہ پر مہندی لگواتی ہے اور ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ دلہنوں جیسی لگاؤ اور میں یا تو لگاتی نہیں یا بہت کم اور اف کورس عید کر تیاریاں وغیرہ۔

۵۔ اب بھی مرضی سے ہی گزارتی ہوں اور ایسے ہی گزارنا پسند ہے سجنا سنورنا، کوکنگ سسرال جانے کی تیاری اور وہاں پر جا کر سب سے ملنا مہمانوں کی خاطر تواضع وغیرہ میکے جانا اپنی خاطر تواضع کروانا وغیرہ اور ظاہری بات

ہے اپنے میاں اور دعا کے ساتھ ہی عید گزارنا پسند ہے اور ہمیشہ اللہ ان کے ساتھ ہی گزارے آمین۔

۶۔ یہ ذرا بے حد سوچ بچار والا سوال ہے دل کے مکین کو شعر و شاعری سے لگاؤ نہیں اس لئے سنا کر ضائع نہیں کی اور جملہ...... ہوں یہی کہ ہینڈسم لگ رہے ہو۔

آخر میں میری دعا ہے کہ عید ہم سب کے لئے رحمت اور خوشیاں لے کر آئے ہر ایک کی عید خوش گوار اور پرسکون گزرے خوشیاں بڑی بڑی خواہشوں میں مت ڈھونڈے چھوٹا سا دیا بھی اندھیرے کو مٹانے کی صلاحیت رکھتا ہے آپ سب کو میری طرف بہت بہت عید مبارک ہو ہاں مجھے اپنے قارئین کے ساتھ سروے کے ذریعے عید کی خوشیاں شیئر کرنا بے حد پسند ہے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، اللہ حافظ، فوزیہ جی آپ سب کو بھی بہت بہت عید مبارک میرے پورے وطن کو عید مبارک۔

تمثیلہ زاہد.............کراچی

۱۔ میرا وہ بھائی جواب اس دنیا میں نہیں۔

۲۔ عید کی خوشی کے دن مجھے اپنے غمگسار چھوٹا بھائی یاد آتا ہے جس کا مسکراتا وجود میں پورے گھر میں محسوس کرتی ہوں دل اسے گلے ملنے کی خواہش کرنا جو کہ اب ممکن نہیں۔

۳۔ بریانی بنانا پسند ہے۔

۴۔ اپنے بھائی کا یہ خیال آتا ہے۔

۵۔ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ گھوم پھر کے۔

۶۔ میرے وجود کو جب سے محبت کا وجدان ملا ہے میرا ہر زخم لفظ بن کر دل میں سے اترا کاغذ پر بکھرنے لگتا ہے۔

کاش تم ہوتے اور پڑھتے ہر ہر حرف میرے

بھائی I miss you

حمیرا نوشین.............منڈی بہاؤالدین

۱۔ عید نام ہے خوشی کا مسرت کا شادمانی کا، مسرور ہو کر لوگوں سے ملنے، تلخیاں بھلانے، فاصلے مٹانے کا، سو عید کے دن تمام رشتے دار احباب سے مل کر خوشی ہی ہوتی ہے مگر ایک ایسی شخصیت جس سے ملنے کو دل بے قرار رہتا ہے وہ ماں ہے دل یہی کرتا ہے کہ گھر آئے مہمان جلد از جلد رخصت ہو اور میکے جا کر میں امی کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو۔

۲۔ شادی شدہ خواتین کا روز عید کچن میں اور کھانوں کو سرو کرنے میں ہی گزرتا ہے، لیکن اس میں خوشی اور اطمینان بھی ہوتا ہے، مگر پھر دل کے کسی کونے سے یہ صدا ضرور آتی ہے کہ مابدولت تیار شیار ہو کر آرام سے بیڈ سے ٹیک لگائے، ریموٹ ہاتھ میں پکڑے اپنے من پسند چینل لگائیں، کچن میں پکوان تیار رکھے ہوں اور ہم مزے سے مہمانوں کے پاس بیٹھ کر ان کی باتوں سے محظوظ ہوں، مگر وائے ری حسرت۔

۳۔ کھانے میں چونکہ مجھے اور میری فیملی کو نمکین چیزیں ہی پسند ہیں، اس لئے تمام ڈشز نمکین ہی بنتی ہیں میری پسندیدہ ڈش بریانی ہے جو میں عید پر لازمی بناتی ہوں، حالانکہ روزن میں روز چاولوں سے دو دو ہاتھ کیے ہوتے ہیں، مگر پھر بھی عید کے روز بریانی ضرور بنتی ہے، وائٹ قورمہ، دہی بڑے اور رولز، زیادہ تر یہی مینیو ہوتا ہے۔

۴۔ اب تو عید کا چاند دیکھ کر گھر کی صفائی ستھرائی کی ہی فکر ہوتی ہے، ویسے تو عید سے تین چار دن پہلے ہی تھوڑی بہت صفائی شروع ہو

ہی جاتی ہے تاکہ چاند رات کو کاموں کا بوجھ نہ ہو اور میں اطمینان سے اپنی چاند رات کی عبادت مکمل کروں۔

۵۔ عید کا دن اپنی فیملی کے ساتھ گزارنا پسند ہے کہ ان کے بغیر سب رونقیں پھیکی ہیں۔

۶۔ شادی شدہ خواتین کے دل کا مکین ایک ہی ہوتا ہے، ایک عرصہ پہلے ایک نظم میں نے اس شخصیت کے نام لکھی تھی آپ سے شیئر کر رہی ہوں۔

اپنے وقت پہ ناز کیوں نہ کروں میں
کہ محبت کے اس قحط زدہ دور میں
جہاں سچی رفاقت ومحبت
ناپید ہوتی جارہی ہے
خوشیاں ریت کی مانند
ہاتھوں سے پھسلتی جارہی ہے
تو ایسے بے رنگ موسموں میں
تمہاری بے پایاں چاہت
میری زندگی و دل کی بنی ہے راحت
خواہشیں جو میرے دل میں جنم لے
کہنے سے قبل ہی پوری کردے
غلطیوں کو میری نظر انداز کردے
لہجے کو اپنے اک ساز کردے
روٹھوں گر میں تو مجھے منائے
رو پڑھوں تو مجھے ہنسائے
تو ایسے ہمسفر کو پا کے
کیوں نہ شکر ادا کروں میں
اپنے بخت پر ناز کیوں نہ کروں میں
یاالٰہی
محبت کے یہ راگ
تاعمر سنتی رہوں میں
سدا پھول چاہتوں کے
چنتی رہوں میں

مصباح علی سید.............سرگودھا

السلام علیکم پیارے قارئین اور کیسے ہیں آپ سب، سب سے پہلے حنا کی اور آپ کی خیریت نہ پوچھی تو ہر بات ادھوری اور کھوکھلی رہ جائے گی۔

تو کیسا ہے ہمارا پیارا حنا یقیناً اب تو آپ کی شبانہ روز محنت سے بھاگنے لگا ہے۔

ہاں تو قارئین فوزیہ نے اتنی پیاری آواز میں حکم دیا بی بی ابھی کے ابھی سروے میں شرکت کرو ورنہ جو دستر خوان پر تم نے طوفان برپا کیا ہے تمام کا تمام تمہارے پیٹ میں منتقل بھی ہو سکتا ہے تو بھی مجھ معصوم سی نمانی کو اپنے پیٹ سے بڑا ہی پیار ہے فوراً لائن پر آ گئی اس بات کی گواہی تو میری امی بھی دیتی ہیں۔

''اس کو تو اپنے پیٹ سے اس قدر پیار ہے کم بخت میں کچھ ٹھہراتی ہی نہیں۔''

یقین کریں ہمارے گھر میں جب کوئی اہم کانفرنس، میٹنگ ہوتی تو پہلے اشارے سے پھر گھور کر اور آخر میں باقاعدہ ڈپٹ کر ایک جملہ کہا جاتا ہے۔

''چلو اٹھو تم باہر جاؤ۔''

یعنی انہیں ہم سے یہی خطرہ رہتا کہ یہ بات پیٹ میں قطعاً نہیں رکھے گی، لو بتاؤ بھلا جو اندر نہ سن سکے تو باہر جا کر اس کے کان کام نہیں کریں گے یا وہ اندر سے آتے ہوئے کان وہیں چھوڑ آئی تھی، اب بتائیں ایسے بندے سے قارئین کیا سروے کی توقع کرتے ہیں لیکن بھئی داد ہے فوزیہ کے دماغ کو جواب بھی مصر ہے۔

''بی بی سیدھی طرح جواب دو۔''

سیدھی تو میری کوئی گل ہے ہی نہیں چلو اب برداشت کرو۔

۱۔ جی تو فوزیہ اپنی زندگی کی ایسی ہستی تو، تو میں خود ہی ہوں جس سے ملنے کو بے قرار رہتی ہوں بہن بھائی الگ الاپتے ہیں اللہ کے واسطے کبھی خود سے مل لیا کرو شاید کہ سدھر جاؤ، کیونکہ جو ایک بار مجھ سے مل لیتا ہے دس دن تک تو اپنا دماغ کھجلاتا رہتا ہے، اب کیا میں عید کے موقع پر صرف اپنی خواہش کے بناء پر کسی کو کھجلی لگواؤں چلو معاف کیا کیا یاد کرو گے ہمارا کیا ہے؟؟؟

۲۔ لو جی یہ کیا سوال کر ڈالا فوزیہ جی آپ نے کان ادھر لائیں، وہ میں کان میں ہی بتا سکتی ہوں اگر سرے عام لکھ دیا تو آپ مجھ پر سنسر کا مقدمہ کر دیں گئیں، میں نے تو لکھ دینا ہے پھر خود ہی بھگتے گا قارئین اور مصنفین کو بھی چلو نہیں دیتے جواب اس سوال کا جان بخشی کی حنا کی، حنا بھی کیا یاد کرے گا۔

۳۔ فوزیہ جی کیا آپ کو واقعی اپنے پیٹ سے بالکل پیار نہیں (منہ اور آنکھیں حیرت سے پھٹی پڑی ہیں) ارے یہ پکنے پکانے کے کام ہم سے نہیں ہوتے، سارا مہینہ روزے رکھ رکھ کر جان کمزور ہو گئی ہے تو کیا اب ہمت ہے کچن میں قدم رکھنے کی نہ بابا نہ یہ کام اب کوئی اور کرے اللہ مجھے جزائے خیر، ہاں چکھنے چکھنے میں دو چار پلیٹیں تو اڑا جائے گا تو اس کو کوکنگ کا میری ہڈ حرامی نے موقع دیا تو جزائے خیر بھی میرے لئے (تالیاں)۔

۴۔ ہائے قسم سے آئینہ کیسے دیکھوں، روزے رکھ رکھ کر جو یہ چھوارے جیسا منہ نکل آیا ہے بھلا اس فکر میں خاک کسی سے ملنے کا خیال آئے گا ہاں دل کے ایک کونے میں بغاوت ابھرتی ہے کہ ایک سجنا اللہ دے جو سارے

کام کر کے چلا جائے یعنی شیر خورمہ وغیرہ بنا کر (واہ کیا بات ہے)۔

۵۔ ارے ہم اکیلے کیا کم ہیں جو فوج بلالوں مائی ڈیئر میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں کام کا سنتے ہی ملک الموت دیکھائی دیتا ہے اور مہمانوں کو بلانے کا مطلب ہے کام کام کام، ہاں البتہ اگر کوئی اہتمامی سامان کے ساتھ آ جائے اور جاتے ہوئے کچن صاف برتن بھی دھو جائے تو جی آیاں نوں۔

۶۔
آسمان کے چاند تارے
مصباح بی بی سب تمہارے

لو جی قارئین اب دل کھول کر مجھ پر تبصرہ کرو، فوزیہ بیچاری تو سر کے درد کے مارے نہ ہنسنے کے قابل رہیں نہ رونے کے البتہ دل میں گالیاں دے رہی ہوں گی۔

"نہیں جواب دینے تھے مت دیتیں میرا بھیجا ضرور کھانا تھا چلو کہیں کی ہاہاہا، اب آپ یہی کہیں گی کہ مجال ہے جو ڈھنگ کا جواب دیا ہو اب کیا کروں فوزیہ جی مجھ میں کچھ ٹیکنیکل فالٹ ہے شاید بھی جو دماغ سے کام لوں۔

کنول ریاض.............منڈی بہاؤالدین

۱۔ شادی کے بعد والدین ہی واحد ہستی ہیں جن سے ملنے کی بے تابی ہوتی ہے اور یہی حال میرا بھی تھا، رمضان کا چاند نظر آتے ہی پہلا فون ابو کو کرتی تھی لیکن اس سال ایسا کوئی فون ریسیو کرنے والا ہی نہ تھا، سوامی کو بھی نہیں کیا؟ پتا نہیں کیوں؟ لیکن جانے والوں کی کمی قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے اور جب ابو کی یاد آتی ہے تو میں ان کے لئے دعاؤں کے تحفے بھجواتی ہوں سو اس بار ڈائریکٹ نہ سہی لیکن دعاؤں کی صورت ان سے عید ملوں گی باقی کو اللہ سلامت رکھے، میکے سسرال والوں کو سب پاس ہیں سو بے قراری کا سوال ہی نہیں۔

۲۔ میرا دل چاہتا ہے وہی کنوارے پنے کی عیدیں لوٹ آئیں اور ننھیال اور ددھیال میں جس طرح کی عیدیں گزرتی تھیں وہی روٹین لوٹ آئے لیکن اب یہ ممکن نہیں، ہمارا بچپن گیا اب یہ ہمارے بچوں کا دور ہے اور وہ اس طرح عید انجوائے کرتے ہیں جس طرح سے ہم کرتے تھے۔

۳۔ دہی پھلکیاں اور نمکین گوشت۔

۴۔ اپنی مرضی سے عید گزاروں تو ساری رائٹرز کو فوزیہ شفیق کے آفس میں اکٹھا کرلوں بچوں اور میاؤں کو گھر چھوڑ کر صرف آپس میں مل بیٹھ کر عید کا دن گزاریں، فوزیہ تو مان جائے پر گھر والے کیسے مانیں گے سو بہت نکلے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے۔

۵۔ عید کا دن اپنی فیملی کے ساتھ گزارنا پسند ہے۔

۶۔
دیکھ کتنا تجھے چاہا ہے کبھی غور تو کر
ہم تو ایسے کبھی اپنے بھی طلب گار نہ تھے

☆☆☆

اُم مریم

انیسویں قسط کا خلاصہ

علی شیر قدر کو پھر اپنے حق میں ہموار کر لیتا ہے، علی شیر وہ واحد شخص ہے جو سلیمان کی روشنی سے ہونے والی ملاقات کا گواہ ہے اور انہیں بلیک میل کرنے کا ارادہ باندھے ہوئے ہے۔

عمر اور حجاب کی سر راہ ہونے والی ملاقات میں تلخ کلامی حجاب کو عمر سے بدگمان کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔

مون کو آپا مختصر الفاظ میں علی شیر سے محتاط رہنے کا اشارہ دیتی ہیں تو مون الجھ جاتے ہیں، ان کے خدشات درست حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہیں ان کی الجھن پریشانی میں ڈھل جاتی ہے۔

قدر ہرگز بھی حمدان سے ٹیوشن لینے پر آمادہ نہیں، اپنے طور وہ ہر ممکن طریقے سے حمدان کو بے عزت اور بددل کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر حمدان کا جواب اسے خود سیخ پا کر دیتا ہے۔

گاؤں واپسی پر حرم کا سامنا پھر عباس سے ہوتا ہے، وہ جتنی خائف ہے عباس اسی درجہ بے باکی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بیسویں قسط

اس سے قبل کہ حمدان دروازہ کھول کر باہر نکلتا حرم نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا بازو جکڑ لیا۔
''نہیں بھائی! خدا کے لئے نہیں...... پلیز۔'' وہ گھگھیائی تھی، ایک طرح سے رونے ہی لگی، حمدان کی خطرناک حد تک سرخ ہو جانے والی رنگت گواہ تھی اگر وہ عباس تک جا پہنچا تو کوئی بیچ بچاؤ نہیں کرا سکے گا، وہ مرنے مار ڈالنے والے تاثرات ہی حرم کی دھڑکنیں خطرناک حد تک بڑھا رہے تھے۔

''چھوڑو حرم!'' حمدان بولا تھا تو اس کا لہجہ بھینچا ہوا سرد اور تلخ تھا، بے حد تلخ۔
''نہیں۔'' وہ کرلائی۔
''آپ چھوڑ دیں، دفع کریں، جانے دیں۔'' وہ پھر منت پر اتری، اک نظر وہیں جم کر کھڑے عباس کو دیکھا جو اکڑ کر کھڑا گویا تماشا دیکھ رہا تھا، حظ لے رہا تھا، لطف کشید کر رہا تھا، حرم نے اک نگاہ ڈالی تھی اس پہ فوری ردعمل کے طور پہ بڑی عاشقانہ سرد آہ بھری اور بڑے معنی خیز انداز میں گنگنایا۔

نگاہوں سے قتل کر دو
نہ ہو تکلیف دونوں کو
تمہیں خنجر اٹھانے کی
ہمیں گردن جھکانے کی

حرم کا دل دھک سے رہ گیا، اسے لگا وہ حمدان کو روک نہیں پائے گی، مگر خیریت گزری، حمدان نے ہی سمجھ داری کا ثبوت دیا اور یونہی دانتوں پہ دانت جمائے گاڑی بڑھا دی، ایک زوردار دھچکا لگا، ٹائر چرچرانے کی آواز فضا میں گونجی، گرد کا ایک طوفان اٹھا تھا، وہ شیطان اپنے شیطانی ارادوں اور باتوں سمیت پیچھے رہ گیا، حرم کو لگا جانے کب کا سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا ہو، رنگ اڑ چکا تھا دھیرے دھیرے معمول پہ آنے لگا، اس نے سر جھٹک کر ہر سوچ جھٹکنا چاہی مگر سوچیں تو اب اژدھے کی مانند منہ کھولے اسے جکڑ رہی تھیں، پچھلی بار جب وہ چھٹیوں میں آئی تو شانزے اور اس کی سازشوں سے یکسر لاعلم تھی، کچھ غانیہ کی عادت ایسی نہ تھی کہ کوئی بات بتاتی، وجہ کچھ بھی ہو مگر اس نے اپنے دکھ خود اپنی تنہا ذات سہنے کا ہنر سیکھ لیا تھا، خاص کر بیٹیوں کو اپنے حصے کی اذیت میں حصے دار بنا کر کچی کلیوں کو مرجھاتے دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا، نہیں جانتی تھی کہ دشمن اس بے خبری کا فائدہ اٹھا کر مزید نقصان سے بھی دوچار کر سکتا ہے اور دشمن نے چال چل لی تھی اسے خبر تک نہ ہو سکی۔

گاؤں دکھانے کے بہانے وہ حرم کو اپنے ہمراہ گھر سے نکال لائی تھی، گو کہ جانے سے قبل حرم نے غانیہ سے اجازت لی تھی، لیکن اتنی سادہ لوح تھی کہ ماں کی ہچکچاہٹ کو اس کی بے بسی کو محسوس نہ کر سکی، سمجھ نہ سکی، جو کھل کر منع کرنے سے قاصر تھی، شانزے جو ساری حقیقت سے آگاہ تھی اور ہر وہ چیز وہ بات جو غانیہ یا اس کی اولاد کے لئے ناخوشی کا باعث ہو سکتی تھی اس کی خوشی اسی میں پنہاں تھی، پھر عباس جس نے کالج کا منہ اگر دیکھا بھی تھا تو وہاں پڑھائی کی بجائے عیاشیاں کر کے واپس آیا تھا، تعلیم جس کا کچھ سنوار نہیں سکی تھی، ظاہری حلیے سے بھی لوفر لگتا تھا، وہ کیسے اسے بھلا حرم جیسی نازک بیلے کی کلی سی لڑکی کے لئے غیر مناسب لگ سکتا تھا، اسے تو وہی اس کا صحیح حقدار لگتا تھا،

عباس سے رابطہ کون سا مشکل کام تھا، وہ کزن تھا، اس کا ماموں زاد۔
اس کے ماموں کا بیٹا، وہ آزادانہ اس سے میل جول رکھ سکتی تھی مگر بلا کی کائیاں تھی، بازی کھیلنے کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ، جبھی اس نے بہت محتاط قدم اٹھائے تھے، رابطہ رکھا تھا مگر فون پہ۔
حرم کے متعلق بات کرتے اسے حوصلہ دیتے اس نے صاف محسوس کر لیا عباس کی باچھیں چری جا رہی ہیں، حرم کو گھر سے لے جانے سے قبل اس نے عباس سے ٹائم ضرور طے کر لیا، جگہ کے متعلق بھی بتا دیا۔
موسم خوشگوار تھا، شانزے کے ہمراہ چلتی باتیں کرتی وہ اب گاؤں سے نکل آئی تھی، کھیت شروع ہو چکے تھے، چاول کی پنیری کو پانی دیا گیا تھا، شانزے نے اس کا سارا دھیان باتوں میں الجھا رکھا تھا اور خود عباس کو متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر کھوجتی تھی، شانزے ٹیوب ویل کے بالکل سامنے آن کر رک گئی، ملاقات کا یہی مقام طے ہوا تھا۔
''آؤ یہاں بیٹھتے ہیں۔''
ٹیوب ویل کی موٹی سی دھار سر سبز شاداب کھیتوں میں بہہ رہی تھی، حرم ٹیوب ویل کے تھڑے پر بیٹھ گئی اور اپنا ہاتھ پانی میں ڈال دیا، یکدم ایک جھرجھری سی اس کے وجود میں دوڑ گئی، ادھر ایک دم خنکی کا احساس ہوتا تھا اس نے سر اٹھایا تو امرود کے درخت کی شاخ پہ بیٹھے طوطے پہ نظر پڑ گئی، جو کچے امرود پہ چونچیں مار رہا تھا۔
''میں سیلفی لیتی ہوں تمہاری۔'' شانزے اپنے موبائل کا کیمرا آن کر رہی تھی حرم نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔
''سیلفی کیوں لیتے؟'' شانزے نے بھنویں اچکائیں، اس سے پہلے کہ حرم کوئی جواب دیتی، جانے کس کونے سے نکل کر عباس ایک دم سے سامنے آ گیا۔
''تاکہ حسین لوگوں کا ہر پوز ہر ادا محفوظ ہو جائے۔'' اس کی نظریں اور لہجہ دونوں بہکے ہوئے تھے، حرم اسے فی الفور پہچان نہ سکی جبھی گھبرا کر یکدم کھڑی ہو گئی۔
''کی حال ایں سوہنیو......؟'' وہ اب پوری طرح متوجہ تھا، حرم نے جب پہچان کا مرحلہ طے کیا تو بوکھلاہٹ مزید بڑھ گئی۔
''شانزے......!'' وہ شپٹائی، وہ بے طرح گھبرائی، شانزے اس کی طرف سے بے نیاز اور لاتعلق تھی اب۔
''چلو چلتے ہیں۔'' اس نے صرف کہا نہیں قدم بھی بڑھا دیئے، اس کا رنگ اڑا جا رہا تھا۔
''ارے بات تو سنو، میری سوہنی، میری سسی، میری ہیر۔'' وہ چہکا اور اس کی کلائی تھامنا چاہی، حرم کو تو جیسے کرنٹ لگا، اچھل کر بدک کر فاصلے پہ ہوئی، چہرہ بالکل پیلا پڑ گیا۔
''بہت شوق ہے سنا ہے تمہیں سیر کا، مگر تمہیں بتاؤں یہ بہت پسماندہ سا گاؤں ہے، ادھر کوئی شالامار باغ نہیں نہ کوئی چڑیا گھر ہے، ایک کنواں چند ٹیوب ویل اور ایک مسجد، ہاں یہ تمہارا عاشق البتہ بہت خاص ہے، بہت انمول ہے، چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو نہ ملے۔'' وہ دانت نکال رہا تھا،

حرم کا دل گویا بند ہونے لگا، سانسیں دھونکنی کی مانند چلتی تھیں، وہ اپنے رشتے کو جانتی تھی، گو کہ غانیہ نے کبھی اسے بدگمان کرنے کی کوشش نہیں کی مگر وہ خود ہی کبھی دل کا جھکاؤ اس طرف محسوس نہ کر سکی، جھکاؤ کے لئے وہاں تھا بھی کیا بھلا۔

''ایسا رویہ نہ رکھو جان من، کہ ہم خود بھی بہت نازک مزاج سہی، پھر تم آسمان سے اتری حور بھی نہیں کہ دیکھیں اور پاگل ہو جائیں، سدھ بدھ گنوا دیں، سو ہم سے ایسا رویہ رکھو کہ۔''

نیت شوق بھر نہ جائے کہیں
تو بھی دل سے اتر نہ جائے کہیں
آج دیکھا ہے تجھ کو دیر کے بعد
آج کا دن گزر نہ جائے کہیں
آرزو ہے کہ تو یہاں آئے

اس نے باقاعدہ اپنے بازو کھولے، سینے پہ ہاتھ مارا جو گریبان کھلا ہونے کے باعث عیاں تھا اور بڑی تان اڑائی۔

اور پھر عمر بھر نہ جائے کہیں

حرم کی آنکھوں میں بے بسی کے شدید احساس نے نمی بھر دی۔

اس نے مضطرب نگاہوں سے شانزے کو دیکھا، جس نے بے نیازی سے کاندھے اچکا دیئے تھے، جبکہ وہ اس کا راستہ روکے کھڑا تھا، ایسے کہ وہ دائیں جانب کو نکلنا چاہتی ادھر ہو جاتا، بائیں طرف سے کوشش کرتی تو سرعت سے اس طرف ہو جاتا، اس کوشش میں ایک بار تو وہ اس کے ٹکراتی ٹکراتی بچی تھی، سہم کر اپنی جگہ تھم گئی۔

''بہت خوب...... تم تو بہت اچھی شاعری کر لیتے ہو۔'' شانزے نے مزا لیا، تعریف کی گویا حوصلہ مزید بڑھایا۔

''مجھے جانے دو۔'' وہ سسکنے لگی تھی ایکدم، دونوں نے مگر دھیان کہاں دیا۔

''تمہیں پسند آئی مگر اس کا فائدہ کیا، مزا تو تب ہے اگر ہونے والی ڈیئر وائف داد دیں۔'' عباس نے ترچھی نگاہوں سے حرم کو دیکھا، شانزے اسے اشارے سے کچھ کہہ رہی تھی، وہ بھی جیسے تیاری سے ہی میدان میں اترا تھا۔

''یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو، ان تلوں میں تیل نہیں۔'' شانزے نے بظاہر چڑایا، عباس کو پھر بھی برا لگ گیا تھا۔

''ایسی بات بھی نہیں، ہارنا ہماری سرشت میں نہیں، ابھی دیکھنا کیا کرتا ہوں۔''

اس نے چیلنج قبول کیا اور ایکدم حرم کی کلائی تھام کر کھینچتا ٹیوب ویل کی جانب گھسیٹ لایا۔

''بات سنو، تم میری منکوحہ ہو، چاہوں تو یہاں سے ابھی تمہیں ایسی جگہ لے جاؤں جہاں کسی کو علم نہ ہو پائے، محض ایک گھنٹے کی رفاقت مجھے شانت اور تمہیں برباد کر سکتی ہے، اگر ایسا نہیں چاہتیں تو صرف سکون سے بیٹھ جاؤ، جو کہوں سنو اور مسکرا کر مجھے دیکھ لینا۔'' وہ اسے واپس ٹیوب ویل کی منڈیر پر دھکا دیتا بٹھاتا ہوا خوفناک لہجہ میں دھمکا رہا تھا، حرم جو بہت چھوٹا سا دل رکھتی تھی،

سہمی چڑیا جیسی نظر آیا کرتی، معصوم بے حد سادہ، حد سے زیادہ ڈرپوک ان دھمکیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے باقاعدہ کانپنے لگی، آنسو اس کی آنکھوں سے بے تابی سے برسے تھے۔

''چپ۔'' وہ غصے سے دھاڑا، اتنی زور سے کہ وہ رونا بھی بھول گئی، سانس لینا بھی۔

''بتاؤ لے جاؤں اٹھا کے تمہیں......؟'' وہ آنکھیں نکال رہا تھا، حرم تھر تھر کانپتے سر نفی میں ہلانے لگی۔

''گڈ...... پھر وہی کرنا جو میں نے کہا ہے۔'' وہ تحکم سے گویا تھا، حرم نے پھر سر ہلایا مگر اثبات میں۔

''آنسو پونچھو۔'' اس کا لہجہ حاکمانہ تھا بارعب تھا، حرم نے تعمیل میں دیر نہ کی۔

''مسکراؤ۔'' اگلا حکم جاری ہوا، یہ بہت مشکل کام تھا، وہ رو پڑی تھی ہنسنے کی کوشش میں، اس نے تنقیدی نگاہ سے یہ مسکان دیکھی اور ہنکارا بھرا۔

''پہلی بار ہے سو چلے گی۔'' گویا اس پہ احسان عظیم کیا گیا۔

''اب کہو سناؤ نظم جان۔'' اس نے کاری وار کیا، حرم تھرا اٹھی، دولخت ہوگئی، آنکھوں میں بے بسی کا احساس ہی بھر گیا، ہونٹ کانپنے لگے۔

''کہہ دو شاباش بالکل گناہ نہیں ہوگا، آخر جائز رشتہ ہے ہمارا۔'' وہ پچکار رہا تھا، حرم کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ بڑھنے لگی۔

''کہو گی یا پھر اٹھا کے لے جاؤں، چند سیکنڈ ہیں تمہارے پاس، پھر اگر کہہ بھی دو گی تو فائدہ نہیں ہوگا، بی کوز میں قبول نہ کروں گا، ویسے بھی اگر اٹھا کر بھی لے جاؤں سب کچھ کر بھی گزروں تو پھر بھی ذرا سا گناہ نہ ہوگا، کیونکہ تم جانتی تو ہو بیوی ہو میری۔'' وہ مسلسل بکواس کر رہا تھا، حرم کا حلق خشک ہو کر تڑخ گیا، عجیب سی سراسیمگی کا غلبہ ہوا تھا اس پہ۔

''نظم سناؤ ناں جان۔'' بوکھلاہٹ کا عالم انوکھا تھا، اسے خبر نہ ہوسکی اسے جال میں جکڑا جا رہا ہے، ایسا جال جو اس وجود کو ہی نہیں، روح تک کو جکڑ کر بے حال کر دے گا، اسی لمحے فون کا مووی کیمرہ آن ہوا، یہیں سے ریکارڈنگ شروع ہوئی، عباس دھیمے سروں میں ہنس پڑا تھا۔

''کیوں نہیں میری جان، یہ لو، ابھی لو۔

تم ہو اور ہم نہ مانیں
ایسے تو حالات نہیں ہیں

''میں تمہاری آنکھوں پہ مدح سرائی کروں، تمہیں اندازہ ہو یہ کتنی قاتل ہیں، خاص کر میرے لئے۔'' اب وہ مسکرا رہا تھا، حرم گم صم ساکن بیٹھی رہی، جبکہ وہ گلا کھنکار کر گویا ہوا تھا۔

گلاب آنکھیں شراب آنکھیں
یہی تو ہیں لاجواب آنکھیں
انہی میں الفت انہی میں نفرت
ثواب آنکھیں عذاب آنکھیں
کبھی نظر میں بلا کی شوخی

کبھی سراپا حجاب آنکھیں ......
شراب رب نے حرام کر دی
مگر کیوں رکھیں یہ لال آنکھیں
ہم توان سے قتل ہوئے ہیں
خدا کی بندی سنبھال آنکھیں

جانے کیا ہوا، حرم کی آنکھیں یکدم برس پڑیں، بے بسی، کیسی بے بسی تھی، ناخوشگوار ناپسندیدہ صورتحال نے دکھ سے بے حال کر ڈالا تھا۔

''مت رو میری جان، وعدہ کرتا ہوں، اپنی جان پہ بھی کھیل کر اس رشتے کو بچاؤں گا، تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو ہمیں کوئی الگ نہیں کر سکتا، ہم ہمیشہ اکٹھے رہیں گے۔''

وہ یہ کیا کہہ رہا تھا، حرم نے متحیر و متوحش ہو کر اسے دیکھا، کیا جانتی تھی، یہ تو لکھا گیا سمجھا گیا سوچا ہوا اسکرپٹ ہے، جس پہ پرفارم کیا گیا ہے، اب کیمرا عباس پہ تھا، حرم کے چہرے کے تاثرات محفوظ نہیں کیے گئے تھے، وہ ایک دم اٹھی اور وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی، اندھا دھند سرپٹ، اسے کتنی ٹھوکریں لگیں، وہ راستہ بھول گئی مگر یہ ضرور ہوا تھا اس واقعہ کے بعد وہ بنا کسی کے بتائے سمجھائے ہی اپنے دشمنوں کو جان گئی تھی۔

☆☆☆

گاڑی گزر گئی، دھول تھم گئی، وہ وہیں کھڑا تھا، فاتح شاداں پھر چل پڑا، اسے اپنی جیت کا امکان تھا، یقین تھا۔

اس کے آگے گندم کا وسیع کھیت تھا، گندم پکنے میں ابھی ٹائم تھا، ہرے بھرے پودے لہلہا رہے تھے، ٹھنڈی اور لطیف ہوا اس کے کانوں میں جانے کون سی سرگوشیاں کر رہی تھی، آسمان پہ بادلوں کے ٹکڑے ادھر ادھر اڑے پھرتے تھے، فضا میں خوشبودار خاموشی سرسرا رہی تھی، کہیں کہیں کسان کھیتوں میں کام کر رہے تھے، اطراف میں ایک ہی ٹریکٹر تھا، باقی کسان بیلوں کی صحت مند جوڑیوں کے ساتھ ہل چلا رہے تھے، وہ گھر پہنچا تو دروازہ حسب معمول کھلا تھا، اماں کھانا تیار کر چکی تھیں اسے دیکھ کر منہ بنا لیا۔

''کہاں سے آوارہ گردی کر کے لوٹا ہے؟ کدی ٹائم تے کر وی آ جایا کر۔'' ان کے ماتھے پہ بل پڑے ہوئے تھے، سعد یہ ان کے سامنے ہی چارپائی پہ کھانا رکھ گئی، چنگیر میں تین روٹیاں موٹی موٹی سی، گھی سے تربتر، بگاری دال کی بڑی کٹوری، پیلا پیلا اچار اور ساتھ میں کسی کا جگ۔

''تیری نوں سے مل کے آیا ہوں۔'' وہ دوسری چارپائی پہ لمبا لمبا لیٹ گیا، موڈ خوشگوار تھا۔

''روٹی کھائے گا؟'' ماں نے خاص دھیان نہ دیا، جیسے اس اطلاع سے فرق نہ پڑتا ہو۔

''تو دال کے سوا کچھ پکائے تو کھا وی لوں، کمالے کے تنور سے ککڑ کے شوربے سے کھاؤں گا، ساتھ میں سوا دو لیٹر کی وڈی بوتل۔''

''اکیلا ہی کھائیں مریں، کدی ماں بہنوں کو نہ پوچھی۔'' دال اماں کے بھی حلق میں اٹکنے لگی، وہ اس ندیدے پن پہ ہنسنے لگا۔

''تیری نوں آجائے گی تو کر لایا کروں گا، سب مل کر کھایا کریں گے۔''
وہ خواب بن رہا تھا، بھرجائی کی تیوری چڑھ گئی، جب سے بیٹا جوان ہوا تھا اسے حرم کا تذکرہ کھلنے لگا تھا اس کے منہ سے۔
''وہ نہ ملنے کی تجھے، اتھری گھوڑی ہے۔'' وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔
''عورت جتنی بھی اتھری ہو، اک بار مرد کے پوری قابو میں آجائے، جتنا مرضی طوفانی مزاج رکھتی ہو یہ قابو میں آجانا ساری اکڑ نکال دیتا ہے، اک بچے کی ماں بھی بن گئی تو سمجھو بوتل میں جن کی طرح سے قید ہوگئی۔'' وہ اپنے زریں خیال سے آگاہ کر رہا تھا، بھرجائی دانت نکوسنے لگی۔
''بڑی پڑھی لکھی گلاں کرنے لگ گیا ہے میرا پتر، جیوندا رہ، سلام کر اپنے چاچے دی عقل نوں، بھلے منہ میں کیسا مگر رشتہ کر دیا اپنی سوتی کڑی نال تیرا۔'' بھرجائی کو پھر سے موقع مل گیا تھا مزا لینے کا، ان کی دلچسپی ہی بس یہ تھی کہ ان کی بہو غانیہ کی بیٹی ہے، غانیہ وہ تھی جس کو اس پہ اس کے ساس سسر نے ہمیشہ ترجیح دی، غانیہ کو نیچا دکھا کر رکھ دے کر اسے ہمیشہ سکون ملا تھا۔
''آج ملا تھا سالا صاحب...... بلے بلے...... جو اس کی ٹور ہے پنڈ میں وہ کسے ہور منڈے کی کدرے، سمجھتا تو ایسا ہی ہے خود کو، مگر میرے اگے وی پھوک نکل جاندی ہے اس دی۔'' عباس قہقہہ لگاتا ہوا اماں کو پوری روداد سنانے میں مشغول تھا جب سعدیہ تیکھے ترش تاثرات کے ساتھ پاس آکے کھڑی ہوگئی۔
''اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ اس کی ٹور ہے پورے پنڈ میں، واقعی اس جیسا گھبرو بجیلا کوئی دوسرا نہیں، ہے تو نام بتاؤ اس کا۔'' اس کا لہجہ بھی اس کے تاثرات کی طرح سے تیکھا تھا، وہ بھائیوں کی طرح منہ پھٹ تھی، جذبات کے اظہار میں بلا کی بے باک، عباس اس کی فطرت جانتا تھا، وہ کسی سے دبتی نہیں مگر پھر بھی اسے دبا کے رکھنا اپنا فرض سمجھتا، اسی برتری کے چکر میں اکثر ان کی تو تکار بھی ہوتی اور یہ معاملہ اکثر بڑھ کر لڑائی تک بھی جا پہنچتا، دونوں اک دوسرے کے بال نوچتے منہ کھروچتے، بھرجائی شور مچا مچا کر دونوں کو بیٹھے بیٹھے ہی باز کراتی پر اس کی سنتا کون تھا بھلا۔
''کی گل خیر ہے ناں؟ بڑیاں تعریفاں ہوریاں واں سالے دیاں؟ معاملہ تے گڑبڑ نئیں؟''
عباس کے چہرے پر طنز سا طنز تھا، وہ بھائی ہو کر اگر ایسے سوال کر رہا تھا تو صاف لگتا تھا غیرت نام کی چیز ان کے پاس سے بھی نہیں گزری تھی۔
''تمہیں کیا، خیر ہو یا نہ ہو۔'' وہ ناک چڑھا کر نخوت سے بولی، تو عباس نے تمسخر سے بھرا قہقہہ لگایا۔
''ہاں مینوں کی، ہو یا نہ ہو، تیری ویسے بھی دال نئیں گلنے والی، وہ ہے ناں پھینی نک والی شانزے اس پہ حکومت کرنے کو...... اونہہ بڑی شوخی ہے یہ وی۔'' وہ اب شانزے کا مذاق اڑا رہا تھا۔
''اماں......!'' وہ اِدھر اُدھر ہوا تو سعدیہ ماں کے پاس سرک آئی، بھرجائی نے مکئی کے دانے پھانکتے ہوئے سرسری سی توجہ اسے دی۔

''حمدان کتنا خوب صورت ہے، ہے نا؟'' اس کا لہجہ اس کا انداز عجیب سا تھا، کھویا کھویا سا، جبھی بھرجائی نے چونک کرنا گواری سے اسے دیکھا۔

''پر تجھے کیا لینا دینا ہے، تو نہیں چاہتی اماں کہ تیرا جوائی پنڈ کا سب سے گھبرو جوان ہو۔''

''پر وہ تو شانزے......''

''ارے دفع مار تو شانزے کو ماں..... چولہے میں جھونک، تجھے اپنی دھی پیاری ہے یا وہ نیلو؟'' اس کے لہجے میں حقارت سی در آئی، بھرجائی اسے دیکھے گئی، گویا پوچھ رہی ہو تو پھر؟

''اماں......تو تو اتنی چلاکو ماسی ہے، وہ کیا کہتے ہیں جسے پھپھے کٹنی۔'' وہ کہہ کر خود ہی منہ پہ ہاتھ رکھ کر کھی کھی کرنے لگی، یہ کھی کھی بھرجائی کی چپل سے تھمی جو اس نے اس توہین بھرے انداز پہ اسے کھینچ ماری تھی۔

''شرم نہیں آتی تجھے ماں کو ایسا کہتے؟'' اس نے ملامت کی، سعدیہ نے مگر اثر کہاں لیا۔

''مذاق کر رہی تھی اماں، تو دل پہ ہی لے لیتی ہے۔'' وہ بازو سہلا رہی تھی، پھر منت کے انداز میں بولی۔

''وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے، بہت زیادہ، میرے لئے بھی کچھ کر اماں نہیں تو ماں سمجھوں گی تجھے اپنے بہت ہی عزیز ہیں، وڈے کے لئے بچپن میں کڑی پھانس لی، نکے کے لئے اب سازشیں کر رہی ہے پاپڑ بیل رہی ہے کہ حجاب کا رشتہ مل جائے، میرے لئے کیوں نہیں کر سکتی بھلا؟'' وہ طعنوں پہ اتر آئی، بھرجائی نے اسے گھورا۔

''چپ......بکواس نہ ہو تو، پتا ہے کندوں کے بھی کن ہوتے ہیں، پکی گل نئیں کر دے، چن چڑھے گا تو سب ویکھیں گے۔'' بھرجائی کا انداز پر اسرار تھا، سعدیہ نے کہاں کان دھرا۔

''اک چن مجھے وی چاہیے اماں، اور ہر حال میں چاہیے۔'' اس نے ہٹ دھرم ضدی انداز میں اپنا یا یا دھمکایا، بھرجائی سمجھ نہ سکی۔

''اچھا اچھا چپ وی کر، بکواس جئی نہ ہوئے تے، بکے جا رہی ہے۔'' بھرجائی نے مکی کے بھنے ہوئے دانوں کی چنگیر اٹھائی اور اندر چلی گئی، دھوپ اب پرچھتی پہ جا چڑھی تھی، اس کا پرچھتی کی چھت پہ جا کر کچھ دیر ستانے کا ارادہ تھا۔

☆☆☆

یاد ہے

ہم تجھے دل مانتے تھے

اپنے سینے میں مچلتا ہوا ضدی بچہ

تیرے ہر ناز کو انگلی سے پکڑ کر اکثر

نت نئے خواب کے بازار میں لے آتے تھے

تیرے ہر نخرے کی فرمائش پر

اک جیون کی تمناؤں کی بینائی سے

ہم دیکھتے تھکتے ہی نہ تھے

سوچتے تھے
ایک چھوٹا سا نیا گھر
نیا ماحول
محبت کی فضا
اور ہم دونوں
اور کسی بات پہ تکیوں سے لڑائی اپنی
پھر لڑائی میں کبھی ہنستے ہوئے رو پڑنا
اور کبھی روتے ہوئے ہنس پڑنا
اور تھک ہار کے گر پڑنے کا معصوم خوشی بخش خیال

یاد ہے......؟
ہم تجھے سکھ جانتے تھے
رات ہنس پڑتی تھی بے ساختہ درشن سے تیرے
دن تیری دوری سے رو پڑتا تھا

یاد ہے......؟
ہم تجھے جاں کہتے تھے
تیری خاموشی سے ہم مر جاتے
تیری آواز سے جی اٹھتے تھے
تجھ کو چھو لینے سے اک زندگی آجاتی تھی شریانوں میں
تھام لینے سے کوئی شہر سا بس جاتا تھا ویرانوں میں

یاد ہے......؟
ہم تجھے ملنے کے لئے
وقت سے پہلے پہنچ جاتے تھے
اور ملاقات کے بعد
ہم بہت دیر سے گھر آتے تو کہتے
ہمیں کچھ نہ کہو
ہم بہت دور سے گھر آئے ہیں
اس قدر دور سے گھر آئے ہیں
کہ شاید ہی کوئی آپائے

یاد ہے......؟
ہم تجھے بھگوان سمجھتے تھے مگر کفر سے ڈر جاتے تھے
تیرے چھن جانے کا ڈر
ٹھیک سے رکھتا تھا مسلمان ہمیں

آ کسی شام کسی یاد کی دہلیز پہ آ
تیرے بھولے ہوئے رستوں پہ لئے پھرتا ہے ایمان ہمیں
اور کہتا ہے کہ پہچان ہمیں

یاد ہے......؟
ہم تجھے ایمان کہا کرتے تھے

اس نے آخری گھونٹ وسکی کا بھرا اور خالی ہو جانے والا ٹن پیک ایک دو بار کان کے پاس لے جا کر ہلایا، اس آس میں کہ شاید کوئی مزید قطرہ باقی ہو، جو اس کی وحشت کو قرار دینے کا باعث بن سکے، شاید اور مایوس ہو کر ٹن دور لڑھکا دیا، فرش پہ دبیز قالین تھا، ڈبے کی آواز ٹکرانے کا شور برپا کرنے میں ناکام رہی، بالکل ویسے ناکام، جیسے وہ خود ٹوٹی تھی اور کوئی تغیر نہیں آیا، کوئی طوفان نہیں اٹھا، کیسی قیامت کیسی آفت مچی مگر سب پھر بھی ویسے کا ویسا رہا۔

کسی شام کسی یاد کی دہلیز پہ آ

اس نے ہچکی بھری، آنسو ٹپ ٹپ کرتے چلے گئے۔

تیرے بھولے ہوئے رستوں پہ لئے پھرتا ہے ایمان ہمیں

وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی، گھٹنوں کے بل گر کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی، ملال سا ملال تھا، پچھتاوا سا پچھتاوا، اس نے کیا کچھ نہ کھو دیا تھا۔

اور کہتا ہے پہچان ہمیں

اس کی کراہیں بکھرنے لگیں۔

یاد ہے......؟

اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی، جیسے ضبط کی انتہا ہو جائے، برداشت ختم ہو جائے، ایسے ہی اس کی کراہیں بکھرتی گئیں۔

یاد ہے......؟
یاد ہم تجھے ایمان کہا کرتے تھے

''تم چھینے گے تو ایمان کیسے بچ سکتا تھا سلیمان خان، وہ تو تمہارے صدقے تمہارے طفیل تمہاری برکت سے نصیب ہوا تھا، کیا کیا نہ ظلم کر دیا تم نے صاحب، ہم آپ کو معاف کر دیں تو کیسے کریں، ایسے نقصان جھولی میں ڈالے کہ ازالے ممکن ہی نہ رہے، ایسے بھگتان بھگت رہے ہیں کہ سزا ختم نہیں ہوتی۔''

اس انتظار سے گلہ کیا
جو تیرے دیدار پہ ختم ہو

وہ کانپتے ہاتھوں سے سگریٹ سلگا رہی تھی، اک زہر رگوں میں اتارنے کے بعد دوسرا زہر پینے کو تیار، اسے اس حال میں بے بسی کے حال میں دیکھتی دو نم آنکھوں نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

محسن سے کہہ دو اک کہانی ہم کو سنائے

اک شہزادی کو جو عشق میں فقیر ہوئی

☆☆☆

میں نے غم کا لباس پہنا ہے
بس یہی زندگی کا گہنا ہے
ہے تقاضا میری وفاؤں کا
پتھروں کو بھی گلاب کہنا ہے
میری فطرت ہے ساحلوں کے خلاف
اور تجھے ساحلوں پہ رہنا ہے
پانیوں پہ داستاں نہ لکھو
پانیوں کا مزاج بہنا ہے
وقت ٹھہرا ہے کب کسی کے لئے
آج کہہ دو جو تمہیں کہنا ہے
زرد پتوں کے بھاگ میں آغا
نت نیا ہی عذاب سہنا ہے

اس نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا اور کب کا جھکا سر اٹھایا، گردن ایک ہی زاویے پہ ٹھہرے رہنے کے باعث تناؤ اور اکڑن کا شکار تھی، وہ ہولے ہولے خود اپنی انگلیوں سے گردن کو سہلانے لگیں، ابھی دن کا آغاز تھا، مگر دھوپ پوری طرح پھیل چکی تھی، فضا میں حبس اور عجیب سی گھٹن تھی، رات ساری بارش برسی تھی اور اس کی آنکھیں بھی، بارش تو اچانک شروع ہو گئی تھی، اس کی آنکھوں کو تو عادت تھی برسنے کی، نم رہنے کی، بچیاں کھانے کے بعد اپنے کمروں میں تھیں، شاید نماز کی ادائیگی میں مصروف، غانیہ نے انہیں نماز کی پابندی بچپن سے سکھائی تھی، وہ عادی ہو بھی گئی تھیں، حالانکہ ہوسٹل میں اس سے بہت دور رہی تھیں، حرم معمول سے کہیں زیادہ چپ تھی، گم صم ویران اور فکر مند، غانیہ نے کچھ پوچھا نہیں، مگر وجہ سے بنا پوچھے بھی جیسے آگاہ تھی، جبھی تو بھاری دل مزید بھاری ہو گیا تھا، اس شخص کے حکم پہ سرتابی ممکن کہاں تھی، تاروں بھرا آسمان کھلے آنگن پہ جھک آیا تھا، فضا لیموں اور مالٹے کی ترش مہک سے لبریز تھی، قطار در قطار چارپائیوں پر سفید پھول دار چادریں بچھی تھیں جس پر سفید اور سرخ و سبز کڑھائی سے سجے تکیے رکھے تھے، ان تکیوں کے سہارے بیٹھے نفس نے اٹھ کر جتنے بھی تپاک سے ان کا استقبال کیا غانیہ کے دل کا بوجھ کم کرنے والا نہیں تھا۔

''او ساڈھے پرونے آ گئے، جی آیاں نوں، جی آیاں نوں۔'' بھا لپک جھپک اٹھا جوتا پہنے بغیر انتہائی خوش دلی سے بھائی سے بغلگیر ہو گئے۔

''کی حال ای پیارے او۔'' وہ بے ہنگم ہنس کر اپنی خوشی کا اظہار ضروری سمجھ رہے تھے، اس شخص کا جوابی انداز متعدل تھا، نہ بہت زیادہ فدا یا نہ اور۔

''ہور پر جائی تسی سناؤ اللہ آلیو۔''

بھا کی خوش خلقی آج عروج پہ تھی، غانیہ نے رسماً مسکرانا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی، لڑکیاں متحرک اور لڑکے فرمانبردار نظر آ رہے تھے، بھرجائی بھی آج شیر و شکر تھی، بار بار انہیں مختلف نعمتوں کی طرف متوجہ کر رہی تھیں جو چار پائیوں کے درمیان رکھی چھوٹی میزوں پہ سجائی گئی تھیں، کہیں سنگترے اور دیگر موسمی پھل اور کسی میں چائے کے تھرماس اور بسکٹس کی پلیٹیں پڑی تھیں، غانیہ محض چائے کا کپ اٹھا سکی، صرف اٹھا ہی سکی، پینے کا دل تھا نہ دھیان، اس کا دل تو خوف سے بھرا تھا، ہراس سے لبریز تھا، دھڑکنیں گم کر رہا تھا۔

''سنیپے تو جتنی وی ترقی کر گیا ہے تیرے بچے جتنے وی پڑھ لکھ گئے ہوں پر تجھے وہ وعدہ تے یاد ہوئے گا جو تو نے کیا تھا، سالوں پہلے اپنے بھرا سے۔''

''ہمیں......؟'' بھا نے بھرجائی کے اشارے پہ بلکہ کہیں دسیویں بارہویں اشارے پہ ہمت پا کے گلا کھنکار کے بالآخر بات کا آغاز کیا، جہاں پورے گھر کے مکینوں کے چہروں پہ اطمینان دوڑا وہاں غانیہ کے ہاتھ میں موجود چائے کا مگ اس طور لرزا کہ کپ میں موجود چائے چھلک کر اس کے ہاتھ کو اس کے کپڑوں کو بھگو گئی، چائے گرم نہ تھی، ٹھنڈی ہو چکی تھی اس کے باوجود نہ جانے کیوں اس کے ہونٹوں سے اذیت کی تکلیف کے باعث سسکاری نکل گئی، خوف سامنے آن کھڑا ہوا تھا، آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ڈریکولا بنا ڈراتا تھا اور اس کی روح لرزے جاتی تھی، جواب میں وہ شخص خاموش تھا کہ اس کے کانوں میں اترتی سناٹوں کی گونج اتنی بڑھ گئی تھی کہ اسے کچھ سنائی نہ دیا اس نے قدرے وحشت میں مبتلا ہو کے اس شخص کو دیکھا تھا، جس کا چہرہ سپاٹ تھا، بالکل نارمل۔

ماحول پہ سناٹا طاری ہو چکا تھا یا اسے لگا، سوئی گرنے کی بھی آواز نہیں آتی تھی، ہر کوئی دم سادھے اس کے جواب کا منتظر تھا، سانسیں تک جیسے تھم گئی تھیں۔

''بولتا نہیں۔'' بھا نے بھرجائی کے اشاروں کو نظر انداز کیا تو انہوں نے ایسا ٹھوکا ان کی پسلی میں مارا تھا کہ وہ پورے کے پورے ہل کر رہ گئے، اب تو یہ سوال ناگزیر تھا، ورنہ انہیں یقین تھا یہ ساری زندگی ان پہ حاوی رہنے والی عورت دوسر ٹھوکا یقیناً ایسا شدید لگائے گی کہ وہ اپنی اولاد اور چھوٹے بھرا بھرجائی کے سامنے چار پائی سے منہ کے بل جا گریں گے، اس ذلت سے بچنے کو یہ سوال ضروری تھا، بہت ضروری جبھی وہ بے ساختہ پھر بولے۔

''کدرے تیرا ارادہ بدل تے نئیں گیا؟'' اب کے خوف ان کے بھی لہجے ان کی بھی آواز کا حصہ بن گیا، غانیہ نے اس فقرے سے البتہ زندگی کی آس پائی تھی جبھی بہت چونک کر بہت امید بھرے انداز میں اس کی جانب دیکھا، جو کسی خیال سے چونکتا سر جھٹک کر بھائی کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

''مرد ہو کے اپنی بات سے کیونکر پھر جاؤں گا بھا؟ ایسی بات تو سوچیں بھی مت۔'' اور ادھر جیسے سوکھے دھانوں پہ برسات اتر آئی، ہر چہرے پہ بہار آئی تھی ماسوائے غانیہ کے جس کا رنگ سرسوں کی مانند پیلا پڑتے دیر نہ لگی، اس پہ بھرجائی کی جتلاتی ہوئی نظروں کی طنزیہ چبھن اس کا دل رو اٹھا، اس کا روم روم اپنے ہی آنسوؤں میں بھیگنے لگا اس نے بے بسی کے شدید احساس میں گھرتے بے ساختہ لاچار نظریں آسمان کی سمت اٹھائیں۔

تو کیا کوئی معجزہ نہ ہو گا؟
اے خدائے لم یزل

آہیں اندر ہی اندر دم توڑنے لگیں، کراہیں روح کے ایوانوں میں سر پٹخ رہی تھیں، تاروں اور بادلوں سے بھرآسمان خاموش تماشائی تھا۔

''او جیوندا رہ میرے شیر، دل خش کر دیتا ایں قسمے۔'' بھا بے قابو جذبات کی پورش سمیت اٹھ کر زبردستی چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے منیب سے ہی مصافحہ کرنے میں مصروف ہوا، بھرجائی بھی ایسے ہی جذبات لئے غانیہ کی طرف لپکی تھی اور اسے اپنی بانہوں میں کس لیا، یہ شکنجہ موت کا شکنجہ تھا، وہ پھڑ پھڑانے لگی، لرزنے لگی، کانپنے لگی۔

''مگر بھا...... آپ کو انتظار تو کرنا پڑے گا، آپ جانتے ہیں حرم ابھی بڑھ رہی ہے، تعلیم مکمل ہو گی تو۔'' منیب نے آہستگی سے الگ کہا اور نرمی سے سبھاؤ سے سمجھانا چاہا، بھا کہاں سمجھے بلکہ اٹھا مچل گئے، عباس بھی جس کی مونچھوں پہ چچا کے اقرار سے بہار آئی تھی پھر سے سکڑ گئیں، مرجھا گئیں۔

''او کملیا...... جھلیا...... پاگل ایں تو سے...... گل نوں سمجھ...... پڑھائیاں پڑھ کے کڑیاں نے آکھاں ای پھوڑنیاں ہوندیاں نے، اپنی غانیہ نوں ای ویکھ لے، ہانڈی روٹی ای کر دی اے نا پچھلے وئیساں سلاں توں؟'' انہوں نے مثال بھی دی تو کس حرماں نصیب کی جس کی آزمائش ختم ہونے میں ہی نہ آئی تھی، بھرجائی شد و مد سے سر ہلانے لگی، بلکہ بھرجائی کیا اس کا پورا کنبہ بھی۔

''اللہ آلیو ہاں آکھو تا کہ اسی بسم اللہ کر کے ویاہ دا دن مقرر کریے۔'' بھا نے دباؤ ڈالنے کا آغاز کیا، غانیہ سہم سی گئی، وہ بکرے کی ایسی ماں تھی جو خیر منانا چاہتی تھی مگر یہ خیر منائی نہ جا سکتی تھی، بھا منیب کے کاندھے پہ تھپکیاں دے رہے تھے گویا ہاں کہنے پہ اکسا رہے تھے، غانیہ ڈوبتے دل سے یہ منظر دیکھنے پہ مجبور تھی۔

''ٹھیک ہے بھائی جان، کچھ دنوں تک بتا دوں گا کب تشریف لائیں آپ اس کار خیر کے لئے، ظاہری بات ہے میں بھی تب ہی ریلیکس ہو پاؤں گا جب ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوں گا۔'' وہ شخص جواباً بے نیازی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا، غانیہ کی طرف دیکھے اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیے بغیر قدم بڑھا دیئے تھے، وہ ہمیشہ اس اعتماد سے ہی چلتا تھا، اس یقین کے ساتھ کہ وہ اس کے ساتھ ہو گی، وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گی، یا پھر اس نے اسے ساتھ چھوڑنے کی جرأت نہیں دی تھی، یا پھر غانیہ کی وفاؤں میں اتنی طاقت محسوس کر چکا تھا کہ یہ اعتماد خود بخود اس کے ہمراہ ہو گیا تھا۔

وہ سارے راستے ہی نہیں گھر آ کے بھی ساری رات روئی تھی، وہ شخص اس کے آنسوؤں سے بے خبر نہ تھا، ہاں دھیان دینا ضروری نہ سمجھا، صبح وہ معمول کے مطابق نہ اٹھ سکی، ذہن مفلوج اور وجود بے جان تھا، اسے حرم نے آ کر جگایا۔

''مما...... آپ اٹھیں نہیں......؟ مجھے تو لگتا ہے نماز بھی نہیں پڑھی۔'' سبز دوپٹے کے ہالے میں وہ ہو بہو اس کی جوانی کی تصویر تھی، دوسری غانیہ تھی، دوسری غانیہ بننے کو تیار، آزمائش کی بھٹی

میں بھڑکتی بھٹی میں اترنے والی، اس کا دل بھر آیا، اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
(یا اللہ! میں اپنی بیٹی کو کیسے بچاؤں، میں نہیں بچا سکتی، تو بچا سکتا ہے، تو بچا لے) وہ بے ساختہ سسک پڑی تھی حرم چونک پڑی تھی۔
''کیا ہوا مما! آپ رو رہی ہیں؟'' وہ ٹھٹک گئی تھی، کمرہ نیم تاریک تھا، وہ اس کا چہرہ اس کی آنکھیں اپنی نرم پوروں میں ٹٹول رہی تھی، غانیہ کا دل ہچکیاں بھرنے لگا، ضبط محال تھا، بہت محال، وہ کسی طرح بھی خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔
''مما......!'' حرم کی آواز سرسرا گئی، غانیہ جس طرح روئی تھی، جس طرح بکھری تھی، حرم کے لئے یہ سب دیکھنا برداشت کرنا محال تھا، جبھی تڑپ تڑپ گئی۔
''مما......! مما......! آپ روئی کیوں؟ خدارا ایسا مت کریں میرا دل پھٹ جائے گا ورنہ۔''
وہ خود ماں سے لپٹ گئی، سسکنے بلکنے لگی، غانیہ کو اپنی بھول گئی، اسے سنبھالنا پڑا، جو مشکل ہو رہا تھا۔
''آپ......روئیں...... کیوں؟ تاؤ کے گھر گئی تھیں اس لئے؟'' وہ سوال پہ سوال کر رہی تھی، غانیہ نفی میں سر ہلائے گئی۔
''نہیں میری بچی، میری جان، بس ایسے ہی دل بھر آیا تھا، آپ پریشان نہ ہوں۔'' غانیہ نے اس کے آنسو پونچھے، چہرا ہاتھوں میں تھام لیا۔
''تاؤ سے کیا باتیں ہوئی پیا کی؟'' حرم کا ذہن وہیں اٹکا ہوا تھا، غانیہ نظریں چرا گئی۔
''کچھ نہیں، کچھ بھی خاص نہیں، آؤ ناشتہ کریں، حجاب اٹھ گئی؟'' انہوں نے بستر سے پیر نیچے لٹکائے، چپل ٹٹولنے لگیں، جو حرم نے خود جھک کر ان کے پیروں میں رکھ دی۔
''جی اٹھا کے آئی ہوں، نماز کے بعد پھر سو گئی تھی۔'' حرم جواب تو دے رہی تھی مگر فکر مند لگتی تھی، اضطراب کا شکار غانیہ نے گہرا سانس بھرا، اسے باہر جانے کا کہتی خود واش روم چلی گئی، منہ ہاتھ دھو کے آئی تو حرم ناشتہ تیار کیے بیٹھی تھی۔
''شانزے کو بھی بلا لو بیٹے۔'' غانیہ تخت پہ تکیے کے سہارے نیم دراز ہو کے یوں بولی جیسے بہت تھک چکی ہو۔
''ایک شفٹ تو لگا چکی ہیں محترمہ، ہیوی بریک فاسٹ کی، آپ دعوت دیں گی تو انکار تو ہرگز نہیں ہوگا۔'' حجاب کا لہجہ و انداز زہر خند تھا، غانیہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ سرزش میں کچھ کہہ دیتی۔
''بھائی بھی اٹھ چکے ہیں، فریش ہو کے ادھر ہی آنے لگے تھے، اگر اس فسادن کو بلا لیا آپ نے تو بھائی از خود دستبردار ہو جائیں گے، جانتی تو ہیں آپ کتنا بدک رہے ہیں وہ آج کل اس سے۔'' حجاب پھر لحاظ مروت کے بغیر بالکل عادت کے مطابق بولی تھی، اس بار تادیب ضروری تھی جو غانیہ نے نظروں سے بھی کی اور زبان سے بھی۔
''حجاب ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتی ہیں بیٹے، اور یہ میری تربیت کا حصہ بھی نہیں، آئندہ نہ سنوں اور حمدان بھی سن لے، اسے تو ساری زندگی ہی ناشتہ شانزے کے ساتھ کرنا ہے، پھر یہ پہلو تہی کیوں؟ حمدان بہت سمجھدار ہے، یہ محض تمہاری غلط فہمی ہو سکتی ہے، بہر حال آئندہ احتیاط کرنا۔''

حجاب کے چہرے پہ غضب کا اختلاف اترا مگر ہونٹ بھینچے خاموش ناشتے کے لوازمات چنتی رہی، البتہ کمرے سے نکل کر اسی سمت آتا حمدان نہ تو چہرے سے ناگواری ہٹا سکا نہ ہی لحاظ میں خاموش رہ پایا تھا۔

''یہ اگر طے شدہ بھی ہے والدہ کہ مجھے ساری زندگی اسی کے ساتھ ناشتے کرنے ہیں تب بھی میں خود کو اس کا پابند نہیں پاتا، مجھے یہ زندگی اگر اپنی مرضی سے نہیں بھی گزارنی تو ایسے بھی قبول نہیں کہ میری وجہ سے میرے رشتوں کی زندگیاں مجھ پہ تنگ ہو جائیں، بہت معذرت مگر میں آج ہی پاپا کو اس رشتے سے انکار کردوں گا اور پلیز آپ مجھے ہرگز فورس نہیں کریں گی۔'' دوٹوک قطعی طور سرد انداز، ایسا کہ ایسے انداز اس نے پہلے کبھی ماں سے بات نہ کی تھی، کر کے وہ الٹے قدموں پلٹ کر گھر سے باہر نکل گیا، ماحول پہ سناٹا چھا گیا تھا، غانیہ سکتہ زدہ ایسے بیٹھی تھی جیسے پتھرائی گئی ہو اور پتھرا تو شانزے بھی گئی تھی، جس نے سب اپنے کانوں سے سنا تھا پھر بھی یقین نہ آتا تھا جو سنا ہے، صحیح سنا ہے۔

(جاری ہے)

''سنو......!'' کمرے کی خاموش فضا میں مدھم سی سرگوشی ابھری، تو کی بورڈ پر تیزی سے تھرکتی اس کی انگلیوں کی حرکت پر فوراً زوال اترا تھا۔

وہ ذرا دیر کو رکی، ٹھہری، مگر پلٹی نہیں تھی، اس کو ہنوز اپنی نشست پر جما دیکھ کر اس کے انداز میں ایک دم تیزی آئی اور وہ قدرے جارحانہ انداز میں دروازے کو ادھ کھلا چھوڑے اس کے سامنے آیا اور جھٹکے سے اس کی ریوالونگ چیئر کو گھما کر اس کا رخ اپنی طرف کیے، چیئر کے دونوں ہینڈلز پر ہاتھ رکھے ذرا سا اس کے قریب جھک کر بولا تھا۔

''تم خود کو سمجھتی کیا ہو علیزے نعیم......؟''

بھسم کرتی نگاہ سے گھورتے ہوئے جواب طلبی کی گئی تھی، مگر مقابل کو جیسے اس کے غصے کی پرواہ ہی نہیں تھی، بلکہ اس کو اس درجہ غصہ کرتا دیکھنے کے باوجود وہ کچھ اس انداز میں اپنی ہنسی کو ہونٹوں میں قید کرنے کی کوشش کرتے ہوئے شرارت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے وہ غصے سے بجائے اس سے اس کے قریب کھڑا اسے کوئی مزیدار کہانی سنا رہا ہو۔

اس کی آنکھوں سے ٹپکتی شرارت لپک لپک کر اس کے سوال کے جواب دے رہی تھی، جونہی اس کی نگاہ اس کی بھوری کانچ سے چمکتی آنکھوں پر پڑی، تو چند لمحے ہنوز اسے گھورنے کے بعد اپنے غصے کو بمشکل اپنے اندر اتار کر گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے اب کی بار قدرے ڈھیلے انداز میں سوال کیا تھا۔

''کیا یہ ضروری ہے لیزے کہ ہر بار میں خود آگے بڑھ کر اپنے ہونے کا احساس دلاؤں تمہیں؟'' اس کے لفظوں نے شاید اس بار اس کے دل پر ذرا اثر کیا تھا تبھی تو غرور سے تنے

مکمل ناول

نقوش میں قدرے نرمی اتری تھی۔

''کس نے کہا ہے اپنے ہونے کا احساس دلاؤ تم؟'' چیئر کی بیک سے پشت لگاتے ہوئے ذرا سا پیچھے ہو کر اس نے ناصح انداز میں کہا۔

''کیوں خود کو خواہ مخواہ ہلکان کرتے ہو تم ریان عادل! جب تمہیں معلوم ہے تم ہو اور صرف تم ہی ہو، تو پھر کیوں......؟'' اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے اس کی بات کو مکمل ہونے ہی نہیں دیا تھا۔

''جھوٹ بولتی ہو تم، حقیقت تو یہ ہے کہ میں نہیں ہوں اور کہیں بھی نہیں ہوں؟'' قطعی انداز میں انکار میں سر ہلا کر کہتے ہوئے وہ چیئر کو چھوڑ کر اس کے سامنے سے ہٹا تھا، تو وہ چیئر پر اترے زلزلے کو بمشکل کنٹرول کر کے کھڑے ہو کر مضبوط قدموں سے چلتی وہ اس کے مقابل آئی تھی۔

مگر ریان نے منہ بنا کر فوراً نگاہ پھیر لی، جس کا مطلب تھا کہ وہ اس سے شدید خفا ہے، اس کے اس انداز پر علیزے نے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ کو بمشکل روکا تھا، ورنہ اس کو اس طرح دانت نکالتے دیکھ کر ریان نے مزید خفا ہو جانا تھا اپنی ہنسی کو چھپاتے ہوئے اس نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

''کبھی کبھی تم بالکل بچوں کی طرح حرکتیں کرتے ہو ریان اور جب تم اسی طرح کی حرکات کرتے ہو تب تم کہیں بھی اتنی بڑی ملز کے اونر نہیں لگتے ہو۔''

صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں کہ مصداق اس نے ہنسی تو چھپا لی، مگر لفظوں اور انداز سے ٹپکتی شرارت صاف محسوس کی جا سکتی تھی جسے محسوس کر کے ریان نے فوراً ایک تیز نظر اس کے حوالے کی تھی۔

''تمہیں اس سے مطلب؟'' ابرو اچکا کر اپنی ناراضگی کا احساس نمایاں کیا گیا تھا، مگر وہ بڑے سکون سے اس کے سوال کو ہضم کرتی بولی تھی۔

''اچھا چھوڑو ساری باتیں، یہ بتاؤ کہ ایسا کیا ہو گیا جو اس قدر جوالہ مکھی بنے ہوئے ہو؟''

''ایں......؟'' وہ حق دق ہی تو رہ گیا، شدید حیرت سے اس کی سمت دیکھا۔

''تمہیں نہیں معلوم، میں کیوں جلا رہا ہوں؟'' حد درجہ صدماتی کیفیت کے زیر اثر وہ جیسے فوت ہونے کو تھا۔

''معلوم ہوتا تو تم سے کیوں پوچھتی؟'' وہ معصومیت کی انتہا پر تھی۔

وہ بے بسی سے خوب تلملا کر رہ گیا، ورنہ اس سمے دل تو چاہ رہا تھا کہ اپنے ہی بالوں کو خود اپنے ہاتھوں سے نوچ نوچ کر جڑ سے اکھاڑ پھینکے، آخر کو علیزے نعیم جیسی لاپرواہ لڑکی سے محبت جیسا گناہ کرنے کی خطا خود اسی سے سرزد ہوئی تھی، جبھی تو آئے دن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس ظالم مغرور حسینہ کے پیچھے خوار ہونے کو اس کے پاس چلا آتا تھا، ہنڈرڈ ڈگری پر پہنچا غصہ اب بس ابل کر باہر نکلنے کو تھا، اس کے باوجود ضبط کا شدید مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

''تم نے اپنا سیل فون چیک نہیں کیا؟''

''نہیں تو۔'' نفی میں سر ہلاتی وہ ایکدم کچھ یاد آنے پہ بولی۔

''اس پروجیکٹ نے اتنا پریشان کر رکھا ہے کہ میں اس سے ہٹ کر کسی اور طرف توجہ دے ہی نہیں پا رہی ہوں، ایک ہفتہ ہونے کو آیا ہے مگر یہ پروجیکٹ اس بری طرح اٹک کر رہ گیا ہے کہ مجھ سے مکمل ہو کر نہیں دے رہا، ہر بار آخری

مرحلے تک پہنچے سے پہلے اتنے نقص نکل آتے ہیں، کہ پھر سے سب کچھ دیکھنا پڑ جاتا ہے، میں شدید پریشان ہوں۔" منہ پھلائے اس نے اپنی پرابلم اس کے سامنے رکھی، مگر ہر بار اس کی مدد کو تیار رہنے والا ریان آج بالکل الگ موڈ میں تھا، اس لئے اس کی پریشانی تو نظرانداز کرتے ہوئے بھنا کر بولا۔

"تم اور یہ تمہارے فضول پروجیکٹ۔" انگلی اٹھا کر مزید کچھ سخت لفظ بولنے سے پہلے اس نے باقی کے لفظوں کو دانتوں تلے دبا کر اس کی طرف گھور کر کہا۔

"آخر تم خود وہ بیا (پرندہ) کیوں سمجھتی ہو، جو دنیا کو اپنے پیروں پر سنبھالے رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے؟ ایک انچ برابر کا فرق نہیں ہے تم میں اور اس پرندے میں، جس طرح وہ خوش فہمی میں مبتلا رہ کر یہ سمجھتا ہے کہ میں سیدھا ہو گیا تو دنیا تباہ ہو جائے گی ٹھیک اسی طرح تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ تمہارے بنا تمہارا گھر اور گھر والے بھوک سے مر جائیں گے۔" وہ ایک بار پھر طیش میں گھر را سے شدید گھوریوں سے نوازتا آخر میں جھنجھلا کر بولا۔

"یو...... مائے فٹ۔" لب بھینچ کر سر جھٹکتا وہ اسے سامنے سے ہٹا کر دروازے کی طرف بڑھا کچھ کہنے کی چاہ میں وہ اس کے پیچھے لپکی تھی مگر ذرا فاصلے پر جا کر اسے اپنے قدموں کو روکنا پڑا تھا، کیونکہ آگے بڑھتا ریان ایک بار پھر اس کی طرف پلٹتا بول رہا تھا۔

"اور یہ اپنا یہ سیل فون تم اس بار اتوار بازار میں فروخت کر دینا، ہمارے تو کسی کام کا ہے یہ نہیں، کم از کم تمہیں اس کو بیچ کر کچھ روپے ضرور مل جائیں گے۔" بات مکمل کر کے پھر وہ رکا نہیں تھا بلکہ بہت تیز قدم اٹھاتا اس کی نظروں سے اوجھل ہوا تھا، جبکہ پیچھے ہونق کھڑی چند سیکنڈ وہ اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی اور جب بات عقل میں سمائی تو بے ساختہ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر کر رہ گئی، جسے ہنوز لبوں پر سجائے اس نے اس کے پیچھے جانے کا ارادہ کیا تھا، مگر کمپیوٹر سکرین پر نظر پڑتے ہی اس کے قدم باہر کی بجائے ایک بار پھر کمپیوٹر ٹیبل کی طرف بڑھ گئے، ریان کو منانے کا کام پھر کبھی پر ڈال کر وہ ایک بار پھر پریشان ہوتی اپنے ادھورے پروجیکٹ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

پریزنٹیشن فائل سامنے رکھے وہ کتنی ہی دیر سے اہم پوائنٹس نوٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر نیہا پچھلے پینتالیس منٹ سے کسی کے ساتھ فون پر چہک چہک کر باتیں کرتی مسلسل اس کی توجہ میں خلل ڈال رہی تھی جس کی وجہ سے وہ مکمل یکسوئی سے کام نہیں کر پا رہی تھی، آخر تھک کر اس نے پین کو کیپ چڑھائی اور ذرا سی گردن موڑ کر کھڑکی کے پاس کھڑی نیلما کی طرف دیکھا۔

سفید ٹراؤزر اور اسکائی بلیو شرٹ میں شاید وہ ہمیشہ سے کہیں زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہی تھی، یا پھر شاید اس نے آج ہی زیادہ غور سے اس کی طرف توجہ کی تھی، گوری رنگت، بلوریں آنکھیں، گلابی ہونٹ، تراشیدہ شہید رنگ بال، جنہیں پونی ٹیل میں باندھنے کے باوجود چند ایک آوارہ لٹیں ہوا کے شرارتی جھونکوں کی بدولت اس کے چہرے پر یہاں وہاں اٹھکیلیاں کرتے ہوئے وقفے وقفے سے ڈسٹرب کرنے کی کوشش کرتے تو وہ بڑی نزاکت سے ہاتھ اٹھا کر انہیں انگلی کی مدد سے کان کے پیچھے اڑس لیتی، بے فکری اور لاپروائی اس کی ہر ادا سے نمایاں تھی، علیزے کی ذہنی رو اس سے نجانے کس طرف پرواز میں تھی جو وہ مسلسل ٹک ٹکی باندھے اس کے معائنے

میں مصروف تھی، پھر اس کے بعد اس نے ایک اچٹتی سی نظر اپنی طرف ڈال کر ایک بار پھر نیلما کی طرف دیکھا، وہ خود کسی طور بھی نیلما سے کم نہیں تھی، بلکہ شاید اس سے کہیں زیادہ حسن کی دولت سے مالا مال تھی، وہ الگ بات تھی کہ اس نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی تھی، جبکہ نیلما کو اپنے حسین ہونے کا احساس تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ وہ مزید خود کو حسین کرنے کی کوشش میں رہتی تھی، یہی وجہ تھی وہ ہمیشہ خود کو ٹپ ٹاپ حالت میں رکھتی تھی اور بس کبھی اپنی فکر نہیں کی تھی، یا پھر شاید حالات نے کبھی اسے اس بات کی فکر کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، بجٹ کی گنجائش کے مطابق جو پہننے کو میسر آ جاتا وہ شکر کر کے پہن لیتی، نیلما کی سی بے فکری کی اس کی زندگی میں کہیں گنجائش نہیں تھی، نیلما امیر ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی، جو انجوائے منٹ کی خاطر اپنے انکل کی فرم میں جاب کر رہی تھی، جب دل کرتا آفس آ جاتی، جو دل کرتا وہ کام کرتی، موڈ ہوتا تو کسی سے بات کرتی ورنہ سارا ٹائم فون پر گپ شپ میں گزار دیتی، جبکہ علیزے جو بابا کی بیماری کے بعد سے خود کو انکا بیٹا ثابت کرتے ہوئے گھر کی واحد کفیل بنی ہوئی تھی، بابا سمیت گھر میں کسی کو کسی بھی طرح کی کمی نہ ہو بس اسی ایک دھن میں لگی، وہ عرصہ ہوا جیسے خود کو فراموش کر چکی تھی، اس کو اس طرح مشقت میں جتا دیکھ کر عادل تایا اسے اپنی ملز میں ان کے ساتھ کام کرنے کی آفر بارہا مرتبہ کر چکے تھے اسے ان کی محبت پر ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا، وہ اچھے سے جانتی تھی کہ وہ اسے اپنی سگی اولاد کی طرح پیار کرتے ہیں، مگر وہ اپنی خوددار طبیعت کا کیا کرتی جو اسے کسی اپنے کی بھی مدد لینے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

''ڈفر...... پاگل...... اُلو۔'' موبائل کی ٹچ سکرین پر تیزی سے انگلیاں چلاتی وہ انتہائی برے موڈ کے ساتھ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھی تو اپنے خیالات کی رو میں بہتی علیزے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی، جو نجانے کس کی شان میں اتنے خراب القاب ادا کر رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے نیلما؟'' ان کے درمیان کبھی بھی اتنی اچھی دوستی نہیں رہی تھی کہ وہ اس سے اس کے متعلق کچھ بھی پرسنل پوچھتی، مگر اس وقت اس کو اتنے خراب موڈ میں دیکھا تو استفسار کر بیٹھی اور اب اس کے جواب کے انتظار میں اس کی طرف متوجہ سی بیٹھی تھی۔

''ہونا کیا ہے؟ بس میں تنگ آ گئی ہوں اس پاگل آدمی سے۔'' چھوٹی سی ناک کو مزید آسمان میں چڑھاتے ہوئے اس نے میسج کو سینڈنگ پر ڈالا اور موبائل ٹیبل پر رکھ کر اس کے سوال کا جواب دیتی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم یہ سب اس کے لئے بول رہی ہو، جس سے ابھی فون پر بات کر رہی تھی؟'' اس نے بڑی حیرت سے پوچھا، تو نیلما نے اطمینان سے پاؤں سکیڑ کر چیئر پر چڑھاتے ہوئے بکھرے بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مزے سے اقرار میں سر ہلا کر کہا۔

''ہاں۔'' علیزے کا منہ حیرت کی شدت سے کھلا رہ گیا، اس کی اس قدر حیرت بجا تھی۔

خود اس نے اپنے کانوں سے اسے بڑے میٹھے انداز میں اس شخص کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے سنا تھا، مگر اب وہ سب کیا بول رہی تھی؟ اس کی حیرت کو شاید نیلما نے بھی محسوس کیا تھا اس لئے اب کی بار وہ قدرے واضحتاً بولی تھی۔

''یار! تنگ آ گئی ہوں میں اس شخص سے نجانے کون سے زمانے کی محبت کا مریض ہے جو ہر وقت بات کرنا چاہتا ہے، ہر وقت مجھے اپنے

پاس دیکھنا چاہتا ہے، ہفتے میں تین بار آل ریڈی اس سے مل چکی ہوں، اس کے باوجود آج پانچویں دن پھر ملنے کی فرمائش پہلے دن کی طرح زور و شور سے کر رہا ہے۔'' وہ ایک دم بھڑک گئی۔

''اُف...... اتنا غصہ آ رہا ہے ناں کہ بس کیا بتاؤں تمہیں، جان کا وبال لگتے ہیں مجھے اس طرح سر پر سوار ہو جانے والے لوگ، میں جتنا اس سے جان چھڑانا چاہ رہی ہوں، یہ اتنا ہی میری جان کو آ رہا ہے۔'' وہ کچھ زیادہ ہی بھری بیٹھی تھی شاید جو علیزے کے موقع فراہم کرنے پر فوراً پھٹ پڑی، اس کا انداز اس قدر اکتایا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ علیزے نے اپنی بے ساختہ اُمڈتی مسکراہٹ کو لبوں تلے دبا لیا اور پھر قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا معلوم وہ واقعی تم سے سچی محبت کرتا ہو۔'' اس کی بات سن کر نیلما نے کچھ اس انداز میں اس کی جانب دیکھا جیسے اسے اس کا دماغ چل جانے کا شک ہوا ہو۔

''ایک کمپیوٹر ایکسپرٹ ہونے کے باوجود تم ایسی بات کہہ رہی ہو علیزے؟'' اس نے جیسے اس کی دماغی رو بہک جانے کا یقین کر لیا تھا، جبھی استہزائیہ بولی۔

''یہ مشینی دور ہے بی بی، جس میں دل کی جگہ ایسے مشین فیکس ہوئے پڑے ہیں جن کی بدولت لوگ صرف خود کو دیکھتے ہیں، خود کو سوچتے ہیں، میں سے شروع ہو کر میں پر ختم ہونے والے لوگ خود سے تو محبت کر سکتے ہیں، لیکن کسی اور کے لئے گنجائش نہیں نکال سکتے۔'' اس نے ہاتھ ہلا کر کہتے ہوئے جیسے فضا میں ٹہلتی مکھی کو پرے دھکیلا تھا۔

وہ غلط تو نہیں کہہ رہی تھی، علیزے کو اس کی کسی بھی بات سے کوئی اختلاف نہیں ہو رہا تھا، کیونکہ وہ خود بھی اسی طرح کی سوچ کی مالک لڑکی تھی، مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے اس سے متفق ہونے کے متعلق بتاتی، اس کی سوچ کے طائر نے ریان کے تصور تک پرواز کی تو آپو آپ متبسم لہجے میں اس نے خود کو کہتے سنا۔

''اس مشینی دور میں بھی ایسے لوگوں کا وجود موجود ہے جو اپنے دل میں اپنے سے زیادہ اوروں کا درد محسوس کرتے ہیں۔'' اس کے تصور کے پردے پر ریان کا چہرہ بڑا واضح دکھائی دے رہا تھا، وہ ایسا ہی تو تھا، اپنے سے بڑھ کر اپنے سے جڑے لوگوں کا خیال رکھنے والا، اس سے محبت کا دعویدار، وہ الگ بات تھی کہ اس نے کبھی اس کی کس بات کو سیریس لیا ہی نہیں تھا، کیونکہ اس کے نزدیک یہ سب وقتی اور جذباتی پن کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا اور اس ایک بات کو لے کر اس کے اور ریان کے بیچ ہمیشہ اختلاف جنم لیا کرتا تھا، صرف ریان کو چھوڑ کر آج نیلما بھی اسے اپنی ہم خیال دکھائی دے رہی تھی، وہ دل میں مسرور ہونے لگی، مگر نیلما نے اس کی بات سن کر طنزیہ کہا۔

''اچھا...... تو پھر ایسے لوگ مریخ پر بستے ہوں گے، اپنی زمین پر تو میں نے کبھی ایسا کوئی ایک شخص بھی نہیں دیکھا، جو اوروں کا درد دل میں لئے ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہو۔''

''تم سنتویں صدی میں سانس لے رہی ہو میڈم، انیسویں صدی میں نہیں، اس جدید صدی میں تمہیں انیسویں صدی کا سا کوئی ایک بھی شریں اور فرہاد نہیں ملے گا، وہ دور اور تھا جس میں لوگ ویلے اور بے فکرے ہوا کرتے تھے، کرنے کو ان کے پاس کچھ ہوتا نہیں تھا، تو دل لگی کے لئے جس سے دل لگاتے اس کے لئے جان دے کر سنہری حرفوں میں اپنا کارنامہ درج کروا کر اپنی محبت میں سرخرو ہو جایا کرتے تھے اب دنیا ترقی

کر گئی ہے، اب تو سگے ماں باپ کے لئے اولاد کے پاس ٹائم نہیں ہوتا، پھر تھرڈ کلاس عاشق بن کر کیسے وہ کسی اور کے لئے جان دے سکتے ہیں؟''

بڑی لمبی چوڑی تقریر کرتے ہوئے وہ سراسر محبت کی شان میں گستاخیاں کیے جا رہی تھی اور علیزے اس کی تقریر پر سر دھنتے ہوئے ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھی اور محبت ان سے ذرا فاصلے پر کھڑی بڑی سنجیدہ نظروں سے اپنے وجود سے انکاری ان دونوں کو گھورے جا رہی تھی، اپنی توہین کو ایک چھوٹا بچہ برداشت نہیں کرتا، یہ تو پھر محبت تھی، جو ہمیشہ انتخاب ہی ان لوگوں کا کرتی ہے جو اس کی طرف سے لاپرواہ ہوتے ہیں، اس کے وجود سے انکاری ہوتے ہیں...... اور اب ...... محبت نے بڑی شدت سے ان کا انتخاب کرتے ہوئے ایک تضحیک بھری نگاہ کچھ اس انداز میں ان کے حوالے کی جیسے کہہ رہی ہو۔

محبت جب کبھی ہو گی
نہایت ٹوٹ کر ہو گی

☆☆☆

جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی ممی اور ایمان کو کہیں جانے کے لئے تیار دیکھا، تو بیگ ٹیبل پر رکھ کر صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''کہاں کی تیاری ہے ممی؟'' صوفے پر بیٹھ کر سینڈل اتارنے کے لئے ابھی وہ جھکی ہی تھی جب ممی نے کہا۔

''تمہارے تایا کی طرف جانا ہے، ہم بالکل ریڈی ہیں بس تمہارا انتظار کر رہے تھے۔'' اس کے سوال کا جواب دے کر وہ مزید بولیں۔

''بھائی صاحب نے ہمیں لینے کے لئے گاڑی بھجوا رہے ہیں، بس تھوڑا ہی وقت ہے تمہارے پاس، اگر فریش ہونا چاہتیں ہو تو اتنے ٹائم میں فریش ہو جاؤ، ورنہ حلیہ تو یہ بھی درست ہے تمہارا ایسے ہی چلی چلو۔''

فریش ہونے کے چکر میں وہ دیر نہ کر دے اس خیال سے انہوں نے اسے ایسے ہی چلنے کو کہا، مگر دوسری طرف علیزے ایک دم ڈھیلی پڑتی بولی تھی۔

''ابھی تو آفس سے آئی ہوں ممی، میں بہت تھک چکی ہوں اب بس ریسٹ کروں گی آپ دونوں چلی جائیں، میں پھر کسی دن چکر لگا لوں گی۔'' صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے اس نے جی بھر کر سستی کا مظاہرہ کیا تھا، مگر ممی نے اس کی سستی اور تھکاوٹ کو کسی گنتی میں نہ لیتے ہوئے فوراً کہا۔

''تھکی ہوئی ہو تو بیٹا، وہاں جا کر کوئی تم سے پہاڑ توڑنے کو ہرگز نہیں کہے گا جو آرام تم یہاں کرو گی، وہیں آرام تم وہاں جا کر لینا، اس لئے بہانے بنا کر وقت ضائع کرنے کی بجائے شرافت سے اٹھ کر فرش ہو جاؤ، کیونکہ میں تمہیں آج ہر صورت ساتھ لے کر جانے والی ہوں۔'' ان کا انداز ایک دم حتمی تھا، وہ پھر سے کوئی عذر تراشنے کے چکروں میں تھی جب ایمان نے بھی ممی کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

''کتنے بہت سارے دنوں سے آپ تایا جی کی طرف نہیں گئی ہیں علیزے آپی، تائی ماں نے جب ہمیں آنے کے لئے فون کیا تھا تو سپیشلی آپ کو ساتھ لانے کی پر زور تاکید کی تھی، اس لئے آج ہم آپ کا کوئی بہانہ سننے والے نہیں ہیں، آپ بس اب جلدی سے ریڈی ہو جائیں پلیز۔''

وہ دونوں آج واقعی ٹلنے کے موڈ میں دکھائی نہیں دے رہی تھیں، علیزے نے چند سیکنڈ باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا، کہ شاید کہیں کوئی گنجائش دیکھائی دے جائے، مگر دونوں جانب

ایک سے تاثرات سجے دیکھ کر وہ جھنجھلا کر اٹھی اور فریش ہونے کے لئے اپنے روم کی طرف بڑھ گئی پھر ٹھیک دس منٹ بعد جیسے ہی وہ ریڈی ہو کر باہر آئی عین اس وقت وقت تایا جی کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا، تو وہ اپنا بیگ سنبھالتی ممی اور ایمان کے پیچھے چلتی باہر تک آئی، پھر جونہی اس کی نظر گاڑی کی فرنٹ سیٹ کی طرف اٹھی تو وہ بری طرح چونک گئی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ریان کی بجائے ڈرائیور کو براجمان دیکھ کر اسے ایک بار پھر ریان کی ناراضگی کا خیال آیا، آج سے پہلے جب بھی انہیں تایا جی کے گھر جانا ہوا کرتا تھا خود ریان انہیں لینے آیا کرتا تھا، جبکہ آج اس کی ناراضگی کا سوچ کر وہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی، جب ممی نے اسے پکار کر گاڑی میں بیٹھنے کو کہا۔

''یہ ریان بھی ناں، کبھی کبھی تو بالکل یہ حد کر دیتا ہے۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی اور بیک ڈور کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

تایا جی کا گھر ان کے گھر سے بالکل اپوزٹ ڈائریکشن میں تھا، اس لئے پچیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد گرمی سے بے حال ہوتے ہوئے جب وہ ان کے گھر پہنچے تو تائی ماں اور رحمہ آپی پہلے سے ان کے استقبال کے لئے گیٹ پر موجود تھیں۔

''آ گئیں میری شہزادیاں؟'' تائی ماں نے سب سے پہلے ان دونوں کو اپنی شفقت بھری آغوش میں بھرا تھا، محبت کے اس مظاہرے پر وہ اپنے نخرے کرنے پر جی بھر کر نادم ہوئی۔

''شہزادیاں نہیں صرف شہزادی بولیں تائی اماں، کیونکہ آپ کی شہزادی بس میں ہوں، علیزے آپی شہزادی نہیں ہیں، یہ بہت خراب ہیں، صرف آپ کی خاطر ان کو اتنی منتوں سے تیار کروا کر یہاں لائے ہیں۔'' ایمان نے غلط ٹائم پر غلط بات بول کر اسے بری طرح پھنسایا تھا، وہ مسکرا بھی نہ سکی، اپنی صفائی میں اب بولتی بھی تو آخر کیا؟ چپکی رہ کر بس ایمان کو گھورتی رہ گئی۔

مگر بھلا ہو شفیق سی تائی ماں کا جنہوں نے اس کا شرمندہ چہرہ دیکھا تو فوراً اس کا ساتھ دیتی بولیں۔

''کام سے تھکی آئی ہو گی، اس لئے منع کیا ہو گا، ورنہ یہ کب منع کر سکتی ہے یہاں آنے سے۔'' پیار سے اس کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ دوبارہ ندامت کے سمندر میں غرق ہونے لگی۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے ان کی محبتوں کی قدر نہیں تھی، یا پھر وہ خود کو ان سے اعلیٰ ارفع کچھ سمجھتی تھی، اس سب سے ہٹ کر بس اس کی سوچ ان سے الگ تھی، وہ ایسی سوچ کی حامل لڑکی تھی جو خود کو کسی پر مسلط کرنا نہیں چاہتی تھی، اس کی سوچ کے مطابق روز روز کا آنا ویسے بھی قدر کم کر دیتا ہے، اسی مقولے پر عمل کرتے ہوئے وہ کم اور بہت کم تایا جی کے گھر آتی، تا کہ کم کم آ کر ان کی زیادہ محبت وصول کر سکے، عادت کے مطابق وہ ایک بار پھر اپنی سوچوں کے محل کے دروازے پر کھڑی بس اندر داخل ہونے کو تھی جب ایمان کی خفگی بھری آواز پر وہ حال میں لوٹتی ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''دس از ناٹ فیئر تائی ماں، آپ ہمیشہ غلط بات پر بھی آپی کا ساتھ دیتی ہیں۔'' منہ بسورے وہ ناراض دکھائی دے رہی تھی، اس کی ناراضگی پر علیزے کھلکھلائی تھی جبکہ اندر کی طرف بڑھتی رحمہ نے پلٹ کر ایمان کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ دراز کرتے ہوئے مکمل شرارتی

انداز میں کہا۔

''تو ایمان پیاری تمہیں کس نے کہا ہے اس جادوگرنی کے خلاف کوئی بات کرو؟ پتا تو ہے تمہیں یہاں ہر دوسرا بندہ اس جادوگرنی کی محبت میں مبتلا پھرتا ہے۔'' ان کا اشارہ جس طرف تھا، علیزے نے خوب سمجھا تھا، مگر سمجھ جانے کے باوجود اس نے بڑی خوبصورتی سے انجان بن کر کہا۔

''اچھا...... مگر آپ پر تو میرا جادو کبھی نہیں چلا۔'' تائی ماں اور ممی اب ایک ساتھ چلتی ان سے آگے تھیں، علیزے ست روی سے چلتی ان کے برابر ہوتی بولی تو رحمہ نے فوراً شرمیلی مسکان لبوں پر سجائے دھیمی آواز میں کہا۔

''مجھ پر جس کا جادو چلنا تھا وہ چل چکا، ان کے بعد اب مجھ پر کوئی جادو اثر نہیں کرنے والا۔''

''او...... اوہ...... تو یہ بات ہے۔'' علیزے نے شرارت سے آنکھیں مٹکائی تو وہ بھی ڈھٹائی سے سرہلاتی اس کے سے انداز میں بولی۔

''جی...... جی بالکل یہی بات ہے۔'' لبوں پہ چلتی مسکراہٹ کو اس سے چھپاتے ہوئے وہ ایمان کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تو خود وہ بھی مسکراتی ہوئی ان کے پیچھے لپکی، اندر بابا، تایا جی اور ریان کے ساتھ بیٹھے نجانے کس ٹاپک پر گفتگو کر رہے تھے، اس نے آگے بڑھ کر بابا کو سلام کیا اور تایا جی سے جھک کر پیار لیتے ہوئے اس نے بابا سے کہا۔

''آپ ہم سے پہلے یہاں آگئے بابا؟''

''یہ سوال تم اپنے تایا سے کرو، اس نے افراتفری میں مجھے یہاں بلا لیا، یہ اس قدر پریشان تھے کہ مجھے تم لوگوں کو چھوڑ کر یہاں آنا پڑ گیا۔''

''تایا جی اور پریشان...... مگر کیوں؟'' رحمہ آپی اور ایمان کے درمیان بیٹھتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی سی نظر سنجیدہ صورت لئے ریان پر ڈالی جو تسلسل اسے اگنور کر رہا تھا۔

''رحمہ کے سسرال والوں نے بالکل اچانک ہی شادی کی تاریخ کا مطالبہ جو کر دیا ہے تو ایسے میں، میں پریشان نہ ہوں تو پھر کیا کروں؟'' تایا جی نے مسکرا کر اپنی پریشانی کی وجہ بیان کی تو وہ ایک دم ایکسائیٹڈ ہوتی بولی۔

''رحمہ آپی کی شادی؟ مگر یہ تو خوشی کی بات ہے، اتنا مزہ آئے گا رحمہ آپی کی شادی میں، اس میں کون سی پریشانی کی بات ہے تایا جی؟ ہاں بس، شادی کر کے رحمہ آپی ہمیں چھوڑ جائیں گی، یہ بات اداس کر رہی ہے۔'' جوش سے بات کرتی وہ آخر میں اداس ہوئی تو ایمان نے فٹ سے کہا۔

''تایا جی رحمہ آپی کے ساتھ یہ اپنے ریان بھائی کی شادی بھی کر دیں، تاکہ رحمہ آپی جائے بھابھی کے آنے سے ان کی کمی ہم سب کو ذرا کم ہی فیل ہو۔'' اس نے اپنی طرف سے بڑا آسان سا حل پیش کیا تھا، مگر کب سے چپ بیٹھا ریان اس کی بات سن کر ایک دم بدک کر بولا۔

''او چھوٹنکی، خواہ مخواہ کے مشورے اپنے پاس رکھو تم، ابھی آپی کی شادی کو خود بھی انجوائے کرو، اور مجھے بھی کرنے دو۔'' ناک چڑھا کر بولتا وہ اس سے بھی خفا ہونے لگا تھا، اس کے انداز پر علیزے سمیت وہاں موجود سبھی نفوس ہنسے تھے، جبکہ ایمان حسب عادت منہ بسورنے کو تیار تھی جب رحمہ اسے اپنے ساتھ لئے کچن میں آگئی بڑوں کو اپنی گفتگو میں مصروف دیکھ کر وہ بھی کچن میں آکر ان کی کمپنی جوائن کر چکی تھی، انہیں وہاں آئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب سنجیدہ صورت لئے ریان نے کچن کے دروازے پر رک کر رحمہ سے کہا۔

''رحمہ آپی! پہلے پلیز میرے لئے ایک کپ چائے بنا دیں، میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' علیزے نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا جو اسے مکمل نظر انداز کیے لاتعلق سا کھڑا تھا، اس بات کو تین روز گزر چکے تھے اور ریان ہنوز اس سے ناراض تھا، حالانکہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، وہ یا تو اس سے ناراض نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی ناراض ہو بھی جاتا تو تھوڑی دیر بعد وہ خود اس سے صلح کر لیا کرتا تھا، پھر نجانے اس بار وہ اس سے اس قدر خفا کیوں ہو گیا تھا، علیزے نے چند لمحے اس کی طرف دیکھا پھر کچھ سوچ کر رحمہ کی طرف پلٹتی اسے منانے کی خاطر بولی۔

''لوگ اتنے بے مروت کب سے ہو گئے رحمہ آپی، جو گھر آئے مہمانوں سے سلام دعا تک لینا چھوڑ دی؟'' مگر اس سے پہلے کہ ریان جواب میں کچھ کہتا رحمہ آپی نے اس کا کان کھینچتے ہوئے کہا۔

''جب تم لوگوں کو اتنا ستاؤ گی جلاؤ گی تو ظاہر سی بات ہے لوگ لحاظ مروت سبھی کچھ بھولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''آہ...... آپی کان تو چھوڑیں درد ہو رہا ہے مجھے۔'' ان کی گرفت سے کان چھڑا کر سہلاتے ہوئے ان سے ذرا فاصلے پر ہو کر اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''بجائے اس کو سمجھانے کے آپ بھی اپنے بھائی کا ساتھ دے رہی ہیں آپی۔'' اس نے بات کے آخر میں ریان کی طرف دیکھا، تو وہ بنا کچھ بولے ایک گھوری اس کے حوالے کرتا ہوا جھٹکے سے مڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، اس کے اتنے خاموش ردعمل پر علیزے بری طرح جھنجھلائی۔

''نجانے کیا ہو گیا ہے اس بار ریان کو، چھوٹی سی بات پر اتنا ناراض ہو گیا ہے۔'' اس کا مخاطب کوئی بھی نہیں تھا مگر جواب رحمہ نے فوراً دیا تھا۔

''بات کوئی بھی چھوٹی بڑی نہیں ہوتی علیزے جانی، بات تو بس بات ہوتی ہے اور جہاں معاملہ دل کا ہو، وہاں تو سوئی برابر بات بھی جا کر دل پر اثر کرتی ہے۔'' ان کا انداز بڑا ذومعنی تھا، علیزے پھر سے جھنجھلائی۔

''تو کس نے کہا اس کو دل کا معاملہ بنانے کو، اچھی بھلی زندگی کو اپنے لئے مشکل بنا رہا ہے وہ۔'' جو بھی تھا اسے اس کی فکر تھی، اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے ہرٹ ہو۔

''مجھے تم دونوں کے مستقبل کی بڑی فکر ہے نجانے تم دونوں کہاں اور کیا اپنا انجام کرنے والے ہو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا۔'' رحمہ نے گہری سانس بھر کر مزید کہا۔

''خیر، ابھی تم سب چھوڑو، یہ چائے کا کپ لے کر اس باگڑ بلے کے پاس جاؤ اسے دو، اور سمجھاؤ کہ اپنی زندگی کو مشکل نہ بنائے۔'' اس کی کیفیت کو سمجھتی رحمہ نے چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں تھما کر اسے باہر کی طرف دھکیلا، تو چند ثانیے یونہی کھڑی رہ کر اس نے کچھ سوچا اور پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر وہ مضبوط قدموں سے چلتی ریان کے کمرے تک آئی، ناک کرنے پر اندر سے جب کوئی رسپانس نہ ملا تو ذرا دیر رک کر اس کے جواب کا انتظار کیا، اور پھر سر جھٹکتی دروازہ پش کرتی اندر داخل ہو گئی، مگر شاید ریان کمرے میں نہیں تھا، کمرے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اس کو موجود نہ پا کر وہ واپس پلٹنے کو تھی جب واش روم سے گرتے پانی کی آواز سن کر وہ مطمئن سی آگے بڑھی اور سائیڈ ٹیبل پر چائے کا کپ رکھ کر خود ایک طرف بیٹھ کر اس کے آنے کا انتظار

کرنے لگی۔
مختصر سے انتظار کے بعد ریان ٹاول سے سر رگڑتا گنگناتا ہوا واش روم سے باہر آ نکلا، مگر اسے سامنے دیکھ کر اس کی گنگناہٹ کو فوراً بریک لگی تھی۔
''تم......تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' ابرو اچکا کر تیکھا سوال ہوا تھا۔
''میں چائے لے کر آئی تھی۔'' اب کی بار علیزے نے بھی قدرے سنجیدہ انداز میں جواب دیا تھا۔
''چائے کوئی اور بھی لے کر آ سکتا تھا، تمہیں یہ زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔'' ٹاول کو صوفے کی طرف اچھالتے ہوئے اس نے بڑا صاف ستھرا طنز کیا تھا، علیزے ایک دم بھنا کر اس جگہ سے کھڑی ہوئی۔
''کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ ریان، کیوں چھوٹی سی بات پر تین دن سے اتنا منہ پھلا رکھا ہے تم نے؟'' اس کی بات پر ریان نے ایک دم گھور کر اس کو دیکھا پھر ایکدم جارحانہ انداز میں اس کے قریب پہنچ کر سختی سے اس کے بازو کو دبوچے غصے سے بولا۔
''یہی تو مسئلہ ہے، میری ہر بات انتہائی چھوٹی اور بہت جذباتی کیوں لگتی ہے تمہیں؟'' اس کے ہاتھ کو جھنجھوڑتے ہوئے جیسے وہ اس کی سوچ کو بدل کے رکھ دینا چاہتا تھا، مگر مقابل علیزے نعیم تھی، ہر بات کو چٹکیوں میں اڑانے کی عادی، اب بھی اپنے ہاتھ کو اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے وہ بڑے آرام سے بولی تھی۔
''ہاں، تو کیا غلط کہتی ہوں میں؟'' ہاتھ کو سہلاتے نظر اس کی جانب اٹھائی تھی جو کب سے بس غصہ کیے جا رہا تھا۔
''نہیں، بس ایک تم ہی تو درست کہتی ہو، باقی تو ہم سب پاگل ہیں جو تمہارے پیچھے خود کو خوار کیے رکھتے ہیں اور ان سب سے بڑا پاگل تو میں ہوں جو اپنی ہر خوشی تمہارے ساتھ سیلبریٹ کرنے کی خواہش رکھے ہوئے تھا، اس پاگل پن نے تو اس دن مجھے دیوانہ کیا تھا جو اپنی پہلی بزنس ڈیلنگ کامیاب ہونے پر تمہیں ڈنر کے لئے میسج کر دیا اور تم......تمہارے پاس تو میرے لئے دو منٹ بھی نہیں، جن میں تم ٹائم نکال کر میرا میسج ہی پڑھ سکو۔'' اس کے انداز میں افسوس ہی افسوس بھرا تھا، علیزے ذرا سی شرمندہ ہوئی تھی، جبھی فوراً وضاحتاً بولی تھی۔
''اب ایسی بھی بات نہیں ہے، میں ہمیشہ تمہارا ٹیکسٹ پڑھتی ہوں، وہ بس اس دن پروجیکٹ کی وجہ سے مصروف تھی تو......'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ریان نے اسے ٹوک دیا تھا۔
''تم اور تمہارے پروجیکٹ، اس کے علاوہ باقی کوئی مر بھی جائے تو، تمہاری بلا سے۔''
''ہاں تو کس نے کہا ہے مرنے کو۔'' خود کو سنبھالے وہ ایک بار پھر اپنے سابقہ انداز میں بولی تھی۔
''کوئی کسی کو کہتا نہیں ہے مرنے کے لئے، مرنے والے خود ہی مر جاتے ہیں۔'' وہ سر جھٹک کر کہتا اس سے فاصلے پر ہوتا مزید بولا تھا۔
''مگر تم جیسی فیلنگ لیس اور دماغ سے سوچنے والی لڑکی کیسے سمجھ سکتی ہے یہ سب، تمہارے نزدیک تو یہ سب جذباتی پن اور وقت کا ضیاع جو ٹھہرا۔'' وہ ایک بار پھر پلٹ کر اسے گھورتا ہوا مزید کہہ رہا تھا۔
''اور بس یہی ایک بات اگر دماغ کی بجائے دل سے سوچ لو تو ہر بات تمہاری عقل دانی میں آ جائے کہ یہ سب جذباتیت دل سے جڑے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہوتے ہیں اور دل سے جڑا کوئی بھی جذبہ بے وقت کا ضیاع ہرگز نہیں ہو سکتا۔" وہ تو جیسے آج اسے دل کے سارے سبق پڑھنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے، مگر ادھر علیزے تھی، جو اتنی آسانی سے کبھی سمجھنے والی ہرگز بھی نہ تھی۔

"مجھے مشورہ دینے کی بجائے جو اگر تم دل کی بجائے اپنے دماغ کو زحمت دے لو، تو یہ سارے اختلاف ہی ختم ہو جائیں۔" جھک کر ٹھنڈی چائے کا کپ اٹھا کر اس نے باہر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا، تو ریان ایک دم اس کے راستے میں آتا بہت بے بسی سے بولا تھا۔

"تم اتنی ظالم کیوں ہو لیزے، کیا تمہیں کبھی ایک پل بھی مجھ پر ترس نہیں آتا؟ کیوں ہر بار میری ہر بات تمہیں مذاق لگتی ہے؟" اس سمے اس کے انداز میں کچھ تو ایسا ضرور تھا جس نے علیزے کے سارے لفظوں کو اپنی قید کی زنجیر میں جکڑا تھا، جبھی وہ چاہنے کے باوجود وہ کچھ نہیں بول سکی تھی جو بولنا چاہتی تھی، چند سیکنڈ کی اس لمحاتی کیفیت کے بعد نظر جھکا کر وہ معذرت خواہ انداز میں فقط اتنا بولی۔

"سوری میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" اس کا اشارہ جس طرف تھا ریان بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا، وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا، ابھی اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور وہ آئندہ اس کی طرف سے اس طرح لاپرواہی کا مظاہرہ نہیں کرے گی، دل کی تحریر سمجھنے کے لئے سب سے پہلے لاپرواہی کے عنصر کو ترک کرنا پڑتا ہے اور اس نے اس سے پہلے مرحلے کو سر کروا لیا تھا، اگلے مراحل کے لئے دل خود بخود ہی خوش گمان ہونے لگا، تو اس نے مسکراتا ہوا اس کے سامنے سے ہٹ کر اسے جانے کا راستہ دے دیا۔

☆☆☆

رحمہ آپی کی ڈیٹ فکس ہوئی ایک دم سب کی مصروفیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا، سبھی لڑکیوں کو اپنی جوتی کپڑے اور میچنگ جیولری کی فکر نے بری طرح اپنی لپیٹ میں لیا تھا، سوائے علیزے کے وہ ان سب فکروں سے آزاد آج بھی آفس پہنچی ہوئی تھی، جب اسے رحمہ آپی کی کال موصول ہوئی۔

"تم کہاں ہو علیزے؟"

"میں آفس۔" سامنے پڑی فائل کے صفحے الٹ پلٹ کرتے ہوئے اس نے جواب دیا تو رحمہ آپی جیسے چیخ پڑی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا علیزے، شادی میں صرف آٹھ دن باقی ہیں اور تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آفس بیٹھی ہوئی ہو؟" انہیں جیسے غصہ ہی تو آ گیا، جسے محسوس کر کے علیزے انہیں ریلیکس کرنے کی خاطر فوراً بولی۔

"ابھی پورے آٹھ دن باقی ہیں آپی، جبکہ میری تیاری کے لئے تو بس ایک دن بھی کافی ہو گا۔" اس سے پہلے اس کی بات کے جواب میں رحمہ کچھ بولتی، ریان نے سیل فون اس کے ہاتھ سے لے کر قدرے چبا چبا کر لفظوں کی ادائیگی کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں علیزے بی بی، پندرہ منٹ تک اپنا سب کچھ بیک اپ کر کے تم مجھے آفس سے نکلنے کا میسج کر رہی ہو، ورنہ آج تمہیں میں اچھے سے دیکھ لوں گا۔" ریان کی بات خوب غور سے سن لینے کے بعد اس نے اوکے کہہ کر سیل فون سائیڈ پر رکھ کر جیسے انہیں ٹالا اور اب وہ پھر سے سامنے پڑی فائل کی طرف متوجہ ہوتی جلدی کام سمیٹ کر شام سے پہلے تایا جی کے گھر پہنچنے کا ارادہ کر رہی تھی، مگر جلدی

جلدی کرتے بھی دیر ہوئی جا رہی تھی، اس وقت بھی اس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں جب ایک دم ریان کی آواز اپنے قریب سن کر وہ اچھل پڑی۔

”علیزے! دس از ٹو مچ۔“ اس نے آواز کے تعاقب میں سر اٹھا کر دیکھا، سامنے گھورتی نظریں لئے ریان اسے بھسم کرنے کو تیار کھڑا تھا، وہ ایکدم گڑبڑائی۔

”ریان تم؟ میں بس ابھی اٹھنے ہی لگی تھی۔“ اس نے صفائی دینا چاہی تھی جیسے ہوا میں اڑاتے ہوئے ریان نے کہا۔

”ہاں نظر آ رہا ہے، جتنا تم اٹھنے کا ارادہ رکھتی نظر آ رہی ہو۔“ اس نے اس کے گرد بکھری فائلز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنز کیا، پھر مزید بولا۔

”مجھے علم تھا، تم یہی سب کرو گی، اس لئے تمہیں مزید زحمت دینے کی بجائے میں خود لینے آ گیا ہوں، اب تم اٹھ ہی جاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہو گا۔“ دھمکی آمیز لہجے میں کہنے کے ساتھ اس نے آگے بڑھ کر اس کی ٹیبل پر بکھری فائلز سمیٹنا شروع کر دی، وہ ایک دم بوکھلائی۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو ریان، میں بس یہ پریذنٹیشن مکمل کر کے آتی ہوں سچ میں۔“ اس نے بے بسی سے سامان سمیٹتے اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر روہانسے لہجے میں کہا، مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا وہ اسی طرح فائلز اور پیپرز بند کر کے ایک طرف رکھنے کے بعد اب اس کے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا، جب اس نے خود تیزی سے اس کے اٹھانے سے پہلے اپنا بیگ اچک لیا۔

”ریان پلیز۔“ اس نے ملتجی نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا۔

”کیا پلیز، تم اب بس کرو علیزے، ہر کام کو خود پر سوار مت کیا کرو، ہزار بار تم کو سمجھایا ہے مگر تم...... سمجھتی کیوں نہیں ہو، تمہارے بنا بھی کام رک نہیں جائے گا، ابھی تم نہیں کر سکو گی تو کوئی دوسرا اس کام کو مکمل کر دے گا، مگر تم کو ہر وقت اہم بننے کا بہت شوق ہے، اپنا ہر کام تم اپنے مبارک ہاتھوں سے انجام دینے کے چکر میں مشین بنی رہتی ہو، ورنہ اگر تم چاہو تو کوئی دوسرا بھی تمہاری مدد کر کے اس کام کو مکمل کر دے گا۔“ دبی دبی آواز میں غصہ کرتا وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی حرکتوں سے عاجز دکھائی دے رہا تھا۔

”تم پاگل ہو ریان کیا؟ کوئی دوسرا میرے حصے کا کام کیوں کرے گا، سب اپنے کام کی تنخواہ لیتے ہیں۔“ وہ بھی آخر میں زچ ہو اٹھی تھی، مگر اس سے پہلے ریان جواب میں کچھ کہتا، نیلما کی اخلاق میں ڈوبی آواز ان کے قریب ابھری۔

”مگر میں بغیر تنخواہ کے بھی تمہاری خاطر تمہارا یہ کام کروں گی۔“ ان دونوں نے بیک وقت پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا، وہ کب سے ان کی گفتگو کو خاموشی سے سننے کے بعد اب ان کے قریب کھڑی بڑی ریلیکس سی مسکرا رہی تھی۔

ریان نے نظروں کا زاویہ بدل کر فوراً جتاتی نظروں سے علیزے کی طرف دیکھا، جو اس کی نظروں سے انجان نیلما کی طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی، جو ایک بار پھر مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

”تم کام کی طرف سے بے فکر ہو کر جاؤ، سر سے میں خود بات کر لوں گی۔“

”مگر یہ پریذنٹیشن۔“ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے نیلما نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیٹ سے کھڑا کیا اور پھر اس کا بیگ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

”تم اگر مگر کو چھوڑو، جب کہا ہے جاؤ تو بس جاؤ، رہی یہ پریذنٹیشن تو اس کی فکر میں مت گھلو،

تم بے فکر ہو کر جاؤ میں یہ پریذنٹیشن خود مکمل کر دوں گی۔" سخاوت کی اس نے آج جیسی انتہا کر دی تھی، علیزے نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، کب سے چپ کھڑے ریان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لئے کچھ اس انداز میں آگے بڑھا جیسے ذرا سی ڈھیل دینے پر وہ اپنا ارادہ بدلتی دوبارہ اپنی سیٹ پر جا بیٹھے گی، اس لئے مضبوطی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبوچے وہ آگے بڑھ گیا، جبکہ پیچھے کھڑی نیلما کی چمکتی نظروں نے بڑی دور تک ان کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز آفس میں کئی چیزوں نے اسے ایک ساتھ خوشگوار حیرت سے دوچار کیا تھا، نیلما نے نا صرف پریزنٹیشن مکمل کر دی تھی بلکہ مطلوبہ کمپنی کو ڈیٹ سے پہلے ای میل بھی کر دی تھی اور تو اور روز کی نسبت آج اس کا انداز بھی بے حد دوستانہ تھا، جبھی اس کے شکریہ کے جواب میں اس نے لاپرواہی سے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"شکریہ وکریہ کو چھوڑو تم یہ بتاؤ کل جس کام کی وجہ سے گئی وہ ہو گیا؟" بظاہر لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی چیزوں کو ان کی جگہ سے ہلاتی در حقیقت وہ توجہ کے سبھی رنگوں سمیت اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"ہاں وہ تو ہو گیا۔" سر ہلا کر جواب سے نوازتی وہ دوبارہ وضاحتاً بولی تھی۔

"کام کوئی اتنا خاص بھی نہیں تھا، وہ بس رحمہ آپی کی شادی کی شاپنگ کرنا تھی، جو میں کام کی وجہ سے کئی دنوں سے ٹال رہی تھی اس لئے کل ریان کو خود یہاں آنا پڑ گیا۔"

"ریان؟" نام دہراتے ہوئے اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے بتایا۔

"ریان عادل، میرے تایا جی کا بیٹا ہے، رحمہ آپی اسی کی بہن جن کی شادی کی شاپنگ کرنا تھی۔" اس نے تفصیل سے جواب دیا تو نیلما سر ہلاتی اپنے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوتی ایک بار پھر سے سوال کر رہی تھی۔

"اچھا تو ہو گئی شاپنگ مکمل؟"

"مجھے شاپنگ کرنے میں کوئی اتنا خاص انٹرسٹ تو نہیں ہے ہاں بس ضرورت کا جو کچھ مجھے چاہیے تھا وہ میں لے چکی ہوں، بس رحمہ آپی کو گفٹ دینے کے لئے ابھی کچھ لینا باقی ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا لوں، بس اس لئے ابھی کچھ بھی ڈیسائیڈ نہیں کر سکی ہوں۔" اس کو اتنا فرینڈلی دیکھ کر اس نے اپنی پریشانی اس سے شیئر کی تو وہ جھٹ سے بولی تھی۔

"یہ کون سی بڑی بات ہے، آج لنچ ٹائم میں ہم دونوں چین ون چلیں گے وہاں ہر قسم کی ڈھیروں ورائٹیز موجود ہوتی ہے، تم کچھ بھی ڈیسائیڈ کر لینا۔" چٹکیوں میں اس کے مسئلے کا حل پیش کر کے اس نے اسے نئی پریشانیوں کی نذر کیا تھا، جبھی وہ فوراً بولی تھی۔

"نہیں، آج نہیں کل چلیں گے۔" اپنی بات شیئر کر کے وہ بری طرح پھنسی تھی، اب اسے کیسے بتاتی کہ آج اس کے بیگ میں اتنا زیادہ کیش نہیں ہے جو وہ چین ون جیسی مہنگی جگہ جا کر کوئی بھی گفٹ پسند کر لے، مگر نیلما نے اس کے انکار کو کسی خاطر میں نہیں لیا تھا، اس لئے پہلے سے لاپرواہ انداز میں بولی تھی۔

"ہرگز نہیں، میں نے آج کہا ہے تو آج ہی چلیں گے، ویسے بھی مجھے آج کا کام کل پر ڈالنا ذرا بھی پسند نہیں۔" ناک چڑھا کر کہتے ہوئے وہ مزید بولی۔

''اور ویسے بھی مجھے تمہاری سست عادت کا پتہ لگ گیا ہے، اس لئے تم بغیر کسی بہانے کے آج ہی میرے ساتھ چل رہی ہو بس۔'' اس نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے بات ختم کی اور تیزی سے اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی، علیزے نے کچھ پل بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ہونٹ چباتی وہ خود بھی اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی، پھر جیسے ہی لنچ آور سٹارٹ ہوا نیلما اسے لئے چین ون چلی آئی، جہاں اس کی سوچ کے مطابق چھوٹے سے چھوٹے گفٹ آئٹم کی قیمت آسمان کو چھوتی محسوس ہو رہی تھی، نیلما چاہتی تھی کہ وہ رحمہ کے لئے کوئی اچھا سا ڈریس پسند کرے مگر اس نے سہولت سے انکار کرتے ہوئے اپنے بجٹ کے حساب سے تاج محل کا ایک خوبصورت اور نازک سا ڈیکوریشن پسند کیا تھا، اس کے بعد نیلما نے اپنے لئے بھی شاپنگ کی اور اس کے لاکھ انکار کے باوجود ایک قیمتی اور نفیس سا ہینڈ بیگ اس کے لئے بھی خرید لیا، خریداری مکمل کرنے کے بعد وہ دونوں نیلما کی کار میں واپس آفس کی طرف آ رہی تھیں، جب نیلما نے بے حد سرسری انداز میں سوال کیا تھا۔

''علیزے! یہ تمہارا کزن ریان کیا کرتا ہے؟''

''ریان؟ تایا جی کی اپنی ٹیکسٹائل ملز ہیں، جن میں سے ایک مل ریان سنبھالے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سائیڈ بزنس کے طور پر وہ اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی کرتا ہے۔'' اس نے بے حد لاپرواہی سے جواب دیا تھا، مگر نیلما بری طرح چونکی تھی، اس نے تو سوچا تھا ریان علیزے کا کزن ہے تو اس کی طرح کہیں جاب کرتا ہوگا، مگر اس سے اس کا خیال بری طرح غلط ثابت ہوا تھا، جبھی اس نے حیرت سے ایک بار پھر سوال کیا تھا۔

''تمہارے تایا کی اپنی ملز ہیں تم نے کبھی بتایا ہی نہیں؟'' اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنے سوال کے جواب کا انتظار کیے بنا مزید ایک اور سوال کر دیا تھا۔

''اور تمہارے تایا اس قدر اسٹیبلش تو پھر تمہارے فادر؟'' نیلما نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی تھی، جانتی تھی کہ علیزے اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی ہو گی اور وہ خود بھی تو اتنا عرصہ علیزے کے ساتھ رہ کر اتنا تو جان ہی گئی تھی کہ علیزے کا تعلق مڈل کلاس سے ہے، جبھی تو وہ بے حد نارمل لباس پہنتی تھی، آفس آنے جانے کے لئے بھی لوکل بس استعمال کرتی تھی، مگر اب اس کے تایا کے متعلق سن کر وہ ذرا الجھن کا شکار ہوئی تھی، اس کی یہی الجھن محسوس کرتے ہوئے علیزے نے مسکرا کر بتانا شروع کیا۔

''دراصل میرے بابا گورنمنٹ سروس میں تھے، تایا جی نے تو بہت چاہا کہ بابا ان کے بزنس میں شریک ہو جائیں، مگر بابا کا اس طرف کوئی رجحان ہی نہیں تھا، اس لئے بابا وہیں کے وہی رہ گئے اور تایا جی ایک کے بعد ایک کامیابی کی منازل طے کرتے گئے، جبھی تو آج ان کا شمار شہر کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔'' وہ اپنے سادہ لہجہ میں تایا جی کی کامیابیوں کا فخر سمیٹے اسے تفصیل بتاتی گئی یہ جانے بنا کہ اس کے لفظوں نے نیلما کو کس حد تک مسرور کر دیا ہے، جبھی تو آنکھوں میں محسوس کی جانے والی چمک لئے وہ تیزی سے آگے کی پلاننگ کرتے ہوئے اسے فراموش کر چکی تھی۔

☆☆☆

کے ایف سی سے لنچ کے بعد فرینڈز کے ساتھ اپنی گاڑی کی بڑھتے ہوئے اس کی نظر بی

ایم ڈبلیو سے نکلتے ریان پر پڑی، تو اس کے قدموں کی سپیڈ کو خود بخود بریک لگ گئی، کچھ سوچ کر اس نے اپنی فرینڈز سے ایکسوز کیا اور لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں مخصوص چمک لئے وہ ریان کی طرف بڑھی، جس کے ساتھ اب کوئی لڑکی کھڑی اس سے کچھ کہہ رہی تھی، بے تحاشا خوشی کو دبائے وہ اس کے قریب آ کر بڑی پر جوش آواز میں چہکی۔

''ہیلو ریان...... کیسے ہو؟'' سلام کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اس کے ساتھ اس کی کوئی پرانی شناسائی ہو، جبکہ ریان نے چونک کر پہلے اس کو دیکھا پھر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے اس کے ہیلو کے جواب میں شائستگی سے بولا۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟'' اپنی خیریت بتا کر اس نے رسماً خیریت دریافت کی تھی، دوسری طرف نیلما اپنے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز ہوتا دیکھ کر اہانت محسوس کرتے ہوئے لب بھینچ کر ہاتھ پہلو میں گرانے کو تھی جب ریان کے ساتھ کھڑی رحمہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے ریان سے پوچھا تھا۔

''یہ اتنی پیاری سی لڑکی کون ہے ریان، تم نے مجھ سے تعارف تو کروایا ہی نہیں اس کا۔'' رحمہ کے پوچھنے پر ریان نے ایک اچٹتی سی نظر اس کے حوالے کر کے دوبارہ رحمہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے تعارف میں کہا تھا۔

''یہ علیزے کی دوست ہے آپی۔'' بڑا ہی مختصر اور نامکمل سا تعارف تھا جسے محسوس کر کے رحمہ نے پھر سے سوال کیا تھا۔

''اور نام؟''

''وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔'' اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تو نیلما ایک دم ہی اس کے انداز پر بھنائی تھی، بہت اندر کہیں اس کے انداز نے دل پہ جا کر اس بری طرح اثر کیا کہ وہ بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگی جو اس کی طرف بالکل بے نیاز، حد درجہ مغرور دکھائی دے رہا تھا اور وہ خود اس کے لئے، اپنے سارے قاعدے قانون بھلائے خود اس کی راہ میں بچھنے کو تیار کھڑی تھی، ضبط کے نوکیلے کانٹوں پر چل کر پیروں کو لہولہان کیے اس نے دقت سے مسکراتے ہوئے اپنا مکمل تعارف پیش کیا تھا۔

''میں نیلما ہوں...... نیلما منیر...... علیزے کے ساتھ اس کے آفس میں جاب کرتی ہوں۔'' رحمہ نے اس کے تعارف کروانے پر ایک جانچتی نظر سے بغور اس کی طرف دیکھا تھا، ریڈ ٹاپ اور بلیک جینس پہنے وہ اپنے حلیے سے اسے کہیں سے بھی جاب کی مستحق نہیں لگی تھی اور سب سے زیادہ حیرت اسے علیزے کی دوست کی حیثیت سے جان کر ہوئی تھی، مگر اپنی حیرت کو چھپائے اس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا لگا آپ سے مل کر۔'' گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑتے ہوئے وہ مزید بولی تھی۔

''اور آپ ہماری علیزے کی دوست ہو تو پھر ہماری بھی دوست ہوئیں۔'' ان کی بات کے اختتام پر نیلما ہلکا سا مسکرائی، پھر کچھ یاد آنے پر استفساریہ انداز میں بولی۔

''آپ رحمہ؟ دراصل علیزے بہت ذکر کرتی ہے، اپنی رحمہ آپی کا تو......؟'' ذرا رک رک کر اس نے بات مکمل کی تو رحمہ کھلکھلائی۔

''جی میں رحمہ ہی ہوں۔''

''اوہ...... ڈیٹس گریٹ، مجھے واقعی بہت

خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" اب تک وہ خود کو سنبھال چکی تھی اس لئے نارمل ہو کر مزید بات بڑھاتی ہوئی بولی تھی۔

"شادی کی بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔"

وہ کسی بھی صورت یہ موقع ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتی تھی اس لئے بات سے بات بڑھاتی کوئی بھی تعلق بنا لینے کی کوشش میں تھی، جبکہ ریان اب بری طرح بوریت کا شکار ہو کر ان سے ذرا فاصلے پر ہوتے ہوئے اردگرد کے مناظر میں خود کو مصروف کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور رحمہ آپی پہلی ہی ملاقات میں تکلف کی ساری حدیں پھلانگتی اس لڑکی کو دیکھ کر تکلفاً بولی تھی۔

"تھینک یو، آپ آیئے گا میری شادی پر۔"

پہلے تو اس نے رسماً دعوت نامہ دیا، پھر علیزے کا خیال آنے پر اس نے ریان کے ہاتھ میں پکڑے انویٹیشن کارڈ میں ایک کارڈ لے کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے باقاعدہ اسے شادی پر آنے کا دعوت نامہ دیا، تو نیلما کارڈ پکڑ کر بے تحاشا خوش ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ نے کہا ہے تو میں ضرور آؤں گی۔"

وہ ایسا ہی موقع تو چاہ رہی تھی جس میں وہ زیادہ سے زیادہ ریان کے آس پاس رہ کر اسے اپنی طرف متوجہ کر سکے اور آج ایک موقع قدرت نے خود بخود اسے فراہم کر دیا تھا، اس لئے اپنی بے تحاشا خوشی کو ان سے چھپائے خدا حافظ کرتی وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

انویٹیشن کارڈ کو کسی قیمتی متاع کی طرح ہاتھ میں دبوچے بڑی مسروری جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلا سامنا اس کا اپنی مما سے ہوا، جنہوں نے اسے اس درجہ خوش دیکھ کر فوراً لاڈ سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

"آج تو ہماری پرنس بہت خوش دکھائی دے رہی ہے۔"

"بات ہی کچھ ایسی ہے مما۔" خوشی سے مغمور لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کارڈ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے مزید کہا۔

"یہ دیکھیں۔"

"کس کی شادی کا کارڈ ہے یہ؟" کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے انہوں نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اس کی بہن کی جس نے آپ کی بیٹی کے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔" بنا کسی شرم و حیا کے اس نے بڑی بے باکی سے ماں کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کیا اس کے اس درجہ کھلم کھلا اظہار پر عفرا بیگم نے بے حد چونک کر بیٹی کے چہرے کی طرف دیکھا، جہاں اس انجانے شخص کی چاہت گلال بن کر اس کے رخساروں پر کھنڈی پڑی تھی وہ ان کی لاڈلی اور اکلوتی اولاد تھی، اس کی خوشی ہی خود ان کی خوشی کا باعث تھی، اس لئے بنا کسی روایتی سوال کے انہوں نے سیدھا سیدھا پوچھا تھا۔

"کون ہے وہ؟"

"ریان عادل۔" بڑے جذبے کے عالم میں بولتے ہوئے اس سے اسے اس نام میں بھی مٹھاس محسوس ہوئی تھی، عفرا بیگم نے اس کی دیوانگی کو محسوس کیا تو مسکرا کر بولی۔

"وہ بھی میری پرنس سے اتنا ہی پیار کرتا ہے جتنا میری پرنس اس سے کرتی ہے؟" اپنی طرف سے انہوں نے بڑا چاہت بھرا سوال کیا تھا۔

مگر ان کے سوال پر اس کا ری ایکشن ان کی سوچ کے بالکل برعکس تھا، چاہت کے وہ سارے رنگ جو خوشی بن کر اس کے چہرے پر

بکھرے ہوئے تھے، سیکنڈ سے بھی کم وقت میں اڑنچھو ہو کر اسے غمگین کر گئے تھے، اس کے چہرے کے اڑتے رنگوں کو دیکھ عفرا بیگم نے بے حد پریشانی سے اپنا سوال دوہرایا تھا۔

''بتاؤ ناں نیلما۔'' وہ جواب کی منتظر تھی، جب لفظوں کو ترتیب دے کر نیلما نے کہا۔

''نہیں تو مما، وہ تو اس قدر انجان ہے کہ آج کی ملاقات سے پہلے تک میرے نام تک سے واقف نہیں تھا۔'' اس کا لہجہ بری طرح اداسیوں کی نذر ہونے لگا تو عفرا بیگم تڑپ اٹھی۔

''تو پھر تم کب کیسے اور کیوں اس سے پیار کر بیٹھی ہو نیلما۔'' آنے والے متوقع غموں کی آہٹوں سے خوف زدہ ہو کر انہوں نے بیٹی کو خود سے لپٹا لیا تھا۔

''میں خود بھی نہیں جانتی مما، بس مجھے وہ اچھا لگا اور بے حد اچھا لگا، اتنا اچھا کہ میرا دل اس کو پانے کی ضد کرنے لگا ہے۔'' دل کے ہر ورق کو کھلی کتاب کی طرح ماں کے سامنے وہ لفظ لفظ بیان کر رہی تھی۔

''اس کو دیکھ کر اسے سوچ کر مجھے اس درجہ خوشی محسوس ہوتی ہے، اور جو اگر وہ مجھے مل گیا تو مجھے لگتا ہے میں خوشی سے ہی مر جاؤں گی۔'' محبت کی پینگ پر بیٹھے اس نے ایک لمبی اڑان بھری تھی، جبکہ عفرا بیگم اس کے لئے بے تحاشا پریشان ہو اٹھی تھی جبھی اس کی بات کے اختتام پر تڑپ کر اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھتی اسے ڈپٹتی ہوئی بولی۔

''خدا نہ کرے، جو تمہیں کچھ ہو، آئندہ ایسی بات منہ سے مت نکلنا نیلما۔''

''مجھے وہ اچھا لگتا ہے مما، مگر وہ اسٹون مین تو میری طرف دیکھتا بھی نہیں۔'' منہ بسورے ماں سے اس کی بے توجہی کی شکایت کرتی وہ گھلنے لگی تھی، مگر اگلے ہی پل نجانے اس کے دل و دماغ میں کیا سمائی کہ وہ ایک بار پھر سے پہلے کی طرح مطمئن سی مسکرائی، عفرا بیگم نے ایک بار پھر اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا تو استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا، ان کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے وہ ان سے الگ ہوتی سامنے پڑے صوفے پر بیٹھتی بڑی پر جوش سی بولی تھی۔

''اس کا مجھے اس قدر نظر انداز کرنے کی وجہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔'' ذرا توقف کے اس نے مزید کہنا شروع کیا۔

''مجھے نظر انداز کیے جانے کی ساری وجہ علیزے ہے، علیزے، ریان عادل کی کزن، جس کو وہ پسند کرتا ہے، مگر علیزے نے ریان کو کبھی بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ پسند کرنا تو دور کی بات اس نے تو کبھی اسے اپنی ہلکی سی توجہ سے بھی نہیں نوازا ہے اور یہی بات میرے لئے پلس پوائنٹ ہے، میں ریان کو اتنی توجہ دوں گی کہ وہ علیزے کو پسند کیے جانے کے خیال کی پرچھائی تک کو بھول جائے گا۔'' کسی خیال کے تحت چمکتی آنکھوں سے ریان کی محبت پانے کے منصوبے بناتی وہ اس بات سے بالکل انجان تھی کہ محبت کلیم اس کے عین سامنے کھڑی عجیب نظروں سے دیکھتی اسے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھی۔

☆☆☆

آج مایوں کی تقریب تھی، فضا میں چار سو ابٹن اور مہندی کی خوشبو بڑی بھلی محسوس ہو رہی تھی، رسم کی ادائیگی کے لئے گھر کے بڑے سے لان کو گلاب، چنبیلی اور گیندے کے پھولوں کے ساتھ ساتھ ڈھیروں چیئرز اور ٹیبل بڑے اچھے انداز میں سیٹ کیے گئے تھے، تاکہ کوئی بھی مہمان بنا کسی دقت کے رسم کی ادائیگی کے مناظر کو با آسانی دیکھ کر تقریب کو انجوائے کر سکے، رونق

پوری طرح اپنے عروج پر تھی ہر طرف گہما گہمی کا یہ عالم تھا کہ ہر کوئی ایک دوسرے سے بے خبر اپنے آپ میں مگن اس طرح مصروف تھا جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر انہیں انسان سے کام کی مشین میں تبدیل کر دیا ہو، ویسی ہی ایک مشین بنا ریان کسی کام کی ادائیگی کے لئے بڑی تیزی سے اندر کی جانب بڑھ رہا تھا، جب سامنے سے پھولوں کی باسکٹ اٹھا کر آتی علیزے کو دیکھ کر جہاں اس نے ہونٹ سیٹی کے سے انداز میں سکیڑے تھے وہیں اس کے پیروں میں بڑی زور سے بریک لگی تھی، ایک بار...... دو بار، اور پھر کئی بار اس نے اس کی طرف دیکھا تھا جو یلو اور ریڈ کنٹراس کے چنری کے سوٹ میں ہلکا سا میک اپ اور مناسب جیولری پہنے بالوں کی سائیڈ مانگ نکال کر اپنے لمبے بالوں کی چٹیاں کے ہر بل میں چنبیلی کی کھلی کلی اٹکا، پیشانی کے عین درمیان میں چھوٹی سی بندیاں سجائے، وہ مگن سی آگے بڑھ رہی تھی، جب بے خودی کے عالم میں اس نے اسے پکارا تھا۔

''علیزے۔'' وہ چونک کر ٹھہری اور پھر اس کی طرف پلٹتی بولی۔

''کیا ہوا ریان کوئی کام تھا کیا؟'' تیزی سے پلٹنے کی وجہ سے باسکٹ سے گرتے گجرے کو گرنے سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے مصروف سے انداز میں پوچھا تھا، دل کے ایک کونے سے انگڑائی لیتی شرارت کی شدت کی بدولت، دوسرے کونے سے ابھرتے پیار بھرے جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ مکمل شرارتی انداز میں بولا۔

''نہیں کام تو کوئی نہیں تھا۔'' نفی میں سر کو ہلاتے ہوئے آنکھوں اور لفظوں میں کوٹ کوٹ کر بھری شرارت لئے وہ مزید بولا۔

''وہ مجھے کچھ کہنا تھا تم سے۔'' اس کا جگر جگر کرتا روپ مسلسل فوکس میں تھا۔

''ہاں تو کہو۔'' انتہائی مصروف انداز میں بڑی ادا سے اجازت دی گئی تھی، وہ فدا ہی تو ہو اٹھا، جبھی دل پر ہاتھ رکھے بڑے نرم گرم سے لہجے میں بولا۔

''آج کیا میری جان لینے کا ارادہ کر کے گھر سے نکلی ہو؟''

''کیوں میں نے کیا کرنا تمہاری جان کا؟'' اس کا دھیان اس طرف تھا ہی نہیں اس لئے اس کی بات کا مطلب سمجھے بنا بڑی حیرت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے فوراً اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کچھ کرنے نہ کرنے کا فیصلہ تم بعد میں کر لینا، پہلے جان لینے کی راضی مندی تو دو۔'' بڑی معصومیت سے درخواست کی گئی تھی، مگر وہ اس کی فضول باتوں سے تنگ ہی تو آ گئی تھی جبھی جھنجھلا کر بولی۔

''ریان! پتا نہیں کیا کیا فضول بولے جا رہے ہو۔'' سر جھٹک کر وہ مزید بولی تھی۔

''لگتا ہے کام کی زیادتی نے تمہارے دماغ پر اثر کر دیا ہے، مگر اس کا ہرگز بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے کام ادھورے چھوڑ کر تم اس طرح فضول گوئی میں وقت خراب کرو، اس لئے شرافت سے آگے بڑھو اور چیک کرو کتنے کام تمہاری ایک نظر کے بن ادھورے پڑے ہونگے۔'' ناصح انداز میں نصیحت کرتی وہ مڑنے کو تھی، جب وہ منہ بنا کر بولا تھا۔

''پہلے تم کو تو نظر بھر کے دیکھ لوں، باقیوں سے میں بعد میں نمٹ لوں گا۔''

''مجھے تو تمہاری آدھی نظر بھی نہیں چاہیے تم ایک کی بات کرتے ہو۔'' ناک چڑھا کر قطعی

انکار کرتے ہوئے اب کی بار اس نے آگے کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے، پیچھے کھڑا رہ جانے والا ریان ٹھنڈی آہ بھر کے بڑبڑایا تھا۔

بڑھتا ہے اور شوق
ان کی نہیں نہیں سے

پھر وہاں سے ہٹنے سے پہلے اس نے اس سنگدل کی طرف ایک بار پھر دیکھا تھا جو خوب مسکرا مسکرا کر خواتین کو پہننے کے لئے گجرے پیش کر رہی تھی۔

''ساری مسکراہٹیں غیروں پر لٹائے رکھتی ہو، کچھ میرے لئے بھی بچا کر رکھو ظالم لڑکی۔'' دل میں اس سے مخاطب ہوتے ہوئے اس سے شکوہ کرتا وہاں سے ہٹ گیا۔

ذرا دیر کے بعد رسم کی ادائیگی کے لئے رحمہ کو سٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا، جو کہ بلو گرین اور ریڈ کنٹراس کے سوٹ میں پھولوں کا زیور پہنے بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی، فوٹو سیشن کے بعد جیسے ہی رسم کی ادائیگی کے لئے کہا جانے لگا تو لڑکے والوں کی پارٹی نے رسم سے پہلے بھنگڑے کا مقابلہ کرنے کا شور مچا دیا تو پھر وہ لوگ بھی ہنستے مسکراتے مقابلہ کرنے کی خاطر درمیان میں کود پڑے، وہ لوگ مکمل تیاری کے ساتھ تھے، اس لئے خود کو ہارتا دیکھ کر لڑکے والوں نے مقابلے کو درمیان میں ادھورا چھوڑ کر ان میں سے کسی ایک نے بڑی خوشدلی سے اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہمیں معلوم ہے ہم آپ لوگوں سے جیت نہیں سکیں گے اس لئے پہلے سے اپنی ہار تسلیم کرتے ہیں، بس اب آپ لوگ اس مقابلے کو یہیں سٹاپ کر کے ہمیں کوئی بہت اچھا سا سانگ سنا دیں۔'' بڑے جی دار لوگ تھے جو اپنی ہار خود تسلیم کرنے کے بعد بھی ان سے فرمائش کر رہے تھے، مگر بھنگڑے کا سارا مزا کرکرا ہوتا دیکھ کر ایمان نے منہ بنا کر کہا تھا۔

''جب سے آپ لوگ آئیں ہیں تب سے ہم کوئی نہ کوئی گانا سنا ہی رہے ہیں آپ لوگوں کو، میوزک ایک منٹ کے لئے بھی ہم نے بند نہیں ہونے دیا ہے، پھر بھی اس طرح کی فرمائش؟'' اس نے ایک ٹیڑھی نظر سے کہنے والے کو دیکھا جو پہلے ہی سے اس کو میٹھی نظروں سے دیکھتا دل میں اتارے جا رہا تھا، مگر اب جو اس کی ناک چڑھتے دیکھی تو وہ فوراً وضاحتاً بولا تھا۔

''ہم نے اس میوزک کی بات تھوڑی کی ہے، ہم نے تو کہا ہے آپ اپنی سریلی آواز میں ہمیں کوئی اچھا سا سانگ سنا دیں۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے سیدھا سیدھا اس سے فرمائش کی تو وہ ایک دم گھبرا کر یہاں وہاں دیکھنے لگی، پھر دائیں طرف سے آتے ریان پر جیسے ہی اس کی نظر پڑی وہ لپک کر اس کی طرف بڑھتی ہوئی ''ریان بھائی، ہم میں سے تو کسی کو بھی گانا گانے نہیں آتا ہے، سوائے آپ کے۔'' وہ پریشانی سے مزید بولی تھی۔

''آج کا دن ان لڑکے والوں کا ہے، ان کی فرمائش تو ہمیں ہر صورت پوری کرنی ہی ہو گی، اس لئے آپ اپنی پیاری آواز میں گانا سنا کر ان کی فرمائش پوری کر دیں۔'' ریان جو سارے معاملے سے بے خبر اپنی ہی جھونک میں سفید کلف لگے کرتے شلوار پر نیٹ کا یلو اور گرین پٹکا سیٹ کرتا ہوا ان ہی کی طرف آ رہا تھا، اس اچانک پیش آنے والی افتاد پر ایک دم بوکھلا کر بولا۔

''ایمان...... ٹیک اٹ ایزی گڑیا، ریلیکس ہو کر پہلے مجھے پوری بات تو سناؤ۔'' وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا، تو اس نے بھنگڑے سے لے کر ان کی فرمائش تک کی پوری روداد اس کے گوش

گزار کی جسے سن کر وہ خفا لہجے میں بولا۔
''فرمائش کے وقت بھائی کی یاد آئی آپ کو، بھنگڑے کے وقت کہاں تھی یہ یاد۔'' ابرو اچکا کر خفگی سے اس کی طرف دیکھتا وہ مزید بولا تھا۔
''میں کام میں مصروف ہوں، سامنے نہیں ہوں تو کوئی مجھے یاد بھی نہیں رکھے گا، حالانکہ تم سب جانتے ہو، مجھے بھنگڑے کی رسم کتنی پسند ہے اور اب تو میری بہن کی شادی ہے، مجھے اس میں خود بھنگڑا ڈالنا تھا۔'' انتہائی دلگیر انداز میں اس نے ان کی غلطی کا احساس کرا کر ڈھیر سارے شکوے کر ڈالے تو ایمان روہانسی ہو کر بولی۔
''ایم سوری بھائی، وہ لڑکے والوں نے بالکل اچانک شور ڈالا تو ہمیں واقعی کوئی خیال نہیں رہا۔''
ریان نے کچھ کہنے کو منہ کھولا تھا، مگر اس کی رونی صورت پر نظر پڑی تو چپ کرتا ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر چپت لگاتا بولا۔
''اچھا...... بس اب رونا مت شروع کر دینا۔'' ایمان نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، جس کے چہرے کے کسی بھی نقوش میں کہیں کوئی خفگی کا تاثر نہیں تھا وہ پرسکون ہوتی دوبارہ سے بولی۔
''تو پھر اب آپ گانا سنا رہے ہیں ناں؟''
حامی بھرنے سے پہلے اس نے دونوں پارٹیوں کی طرف ایک نظر ڈالی، جو سب اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے، اس کی نظر علیزے پر پڑی تو، گھنی مونچھوں تلے اس کے براؤن مائل لب بے ساختہ مسکرائے تو دل نے بڑی ہی بے ساختگی سے ہاں کی صورت لفظ اس کی زبان سے ادا کروائے تھے۔
''ہاں...... کیوں نہیں۔''
''یا ہو...... تو پھر چلیں۔'' خوشی سے بھرپور انداز میں نعرہ لگاتی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ان سب کے درمیان انہیں لے آئی، منٹوں میں ساری سیٹنگ ہوئی اور اب وہ سب اس کی طرف متوجہ سے اس کے گانے کے منتظر تھے، جب علیزے پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے بڑے میٹھے اور سریلے انداز میں گانے کا آغاز کیا تھا۔

کوئی رہتا ہے میرے دل میں
کچھ کہتا ہے میرے دل میں
سنو دل کی دھڑکن جانے جاں
بے چین ہے یہ من جانے جاں
جاگتی آنکھوں خواب دکھائے
ساری رہنا نیند نہ آئے
اک جھلک دیکھوں چھپ جائے
سایہ بن کر پھر لہرائے

انتہائی خوبصورت انداز میں سر بکھیرتا وہ اپنی آواز کے سحر میں تمام حاضرین کو جکڑ چکا تھا اور وہ خود مکمل طور پر گانے کے بولوں میں ڈوبا، پیار کے سارے جذبوں کو نظروں میں سموئے علیزے کی طرف دیکھتا گا رہا تھا۔

جس کا ہوا یہ دل دیوانہ
اس نے دل کا راز نہ جانا
دھڑکن ہے اک اور دل ہیں دو
کوئی رہتا ہے میرے دل میں
کچھ کہتا ہے میرے دل میں
سنو دل کی دھڑکن جانے جاں

وہ جذبوں کی رو میں بہتا مسلسل اس پر نظر جمائے ہوئے تھا، اس کی گانے کی سلیکشن اور مسلسل جمی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے علیزے لب بھینچ کر جھٹکے سے وہاں سے اٹھی اس سمیت اس کے گانے کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ وہاں سے جا چکی تھی، جبکہ وہ اسی طرح گاتا جیسے اپنے جذبوں کو اس کے دل تک پہنچانے کی بھرپور

کوشش کر رہا تھا۔

مگر دل میں رہنے والی کب کی وہاں سے جا چکی تھی وہ دل مسوس کر رہ گیا، علیزے کے جانے سے اسے وہاں کی رونق میں کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوئی تو وہ خود بھی اندازے سے اس طرف آیا جہاں اسے علیزے کی موجودگی کی امید تھی۔

علیزے کچن میں کھڑی پانی کا گلاس لبوں سے لگائے پانی پی رہی تھی، وہ وہیں چوکھٹ میں رک گیا۔

''گانا پورا ہونے تک تو وہاں رکتی۔'' ڈھکے چھپے لفظوں میں اس نے شکوہ کیا تھا۔

گلاس واپس رکھنے کی خاطر اس کی طرف سے رخ موڑتے ہوئے وہ سارے جہاں کے لاپرواہ انداز میں بولی۔

''مجھے اس گانے میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا، تو پھر پورے ہونے تک کیوں رکتی۔'' رخ ہنوز مڑا ہوا تھا۔

''تمہیں تو مجھ میں انٹرسٹ نہیں ہے یہ تو بس ایک گانا تھا۔'' اتری صورت کے ساتھ مزید شکوہ ہوا تو وہ جھٹکے سے اپنی پنسل ہیل کے نیچے اس کے دل کو مسلتی بڑے سخت لہجے میں بولی تھی۔

''جب سب جانتے ہو تو پھر اس طرح کے فضول سین کیوں کری ایٹ کرتے ہو؟'' اس کا اشارہ جس طرف تھا ریان نے بخوبی سمجھا تھا جبھی تڑپ کر بولا۔

''میرے قیمتی اور سچے جذبات تمہیں فضول کے سین لگتے ہیں۔'' حد درجہ بے یقینی لہجے میں سموئے وہ بولا۔

''فضول سے بھی کہیں زیادہ۔'' پہلے سے کہیں زیادہ سختی اور لاپرواہی سے کہتی اس کی سائیڈ سے ہوتی وہ باہر نکلتی بولی تو وہ اپنے جذبوں کی اس درجہ توہین پر تڑپ کر ایک دم سلگا تھا۔

''علیزے! اگر تم میرے جذبوں کی قدر نہیں کر سکتی تو میں تمہیں ان کی بے قدری کی اجازت ہرگز بھی نہیں دوں گا۔''

آج سے پہلے تک اس نے اس سب کو ہمیشہ مذاق میں لیا تھا، علیزے کے انداز کو اس کے الفاظ کو ہنسی میں اڑایا تھا، مگر آج نجانے کیا ہوا تھا، اس کا انداز اس کا ہر لفظ اسے اپنے دل میں اتر کر آنی کی طرح چبھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''تو کس نے کہا ہے اپنے جذبے مجھ پر ضائع کرو۔'' ہلکے سے غصے میں انگلی اٹھا کر وارن کرتی وہ مزید بولی تھی۔

''اور آئندہ اس طرح سین کری ایٹ کر کے سب کے بیچ مجھے تماشا تو ہرگز بھی مت بنانا۔'' ضبط کرتے ریان کا اس بات پر تو جیسے دماغ غصے سے جھنجھنا اٹھا تھا، اس لئے آگے بڑھتی علیزے کے پیچھے وہ غصہ کی حالت میں تیزی سے لپکا تھا، مگر چار قدم کے فاصلے پر ہی اسے اپنے قدموں کو روکنا پڑ گیا، کیونکہ خود علیزے بھی اس کے کچھ فاصلے پر رکی بلیک سوٹ میں نک سک سے تیار نیلما سے بڑے خوشگوار موڈ میں ملتی کہہ رہی تھی۔

''واٹ آ سرپرائز نیلما، تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر واقعی خوش ہوئی تھی مگر ذرا سی الجھن کا شکار تھی اس لئے اس نے اپنی الجھن کو سوال کی صورت اس کے سامنے بیان کیا تھا۔

''مگر تم یہاں کیسے؟'' اس کے سوال پر نیلما نے اس کے پیچھے سنجیدہ صورت لئے ریان کو کھڑا دیکھ کر چہکتے لہجے میں کہا تھا۔

''میرے یہاں ہونے کی وجہ تمہاری رحمہ آپی اور ریان ہے، ان ہی کے پرزور اصرار پر میں یہاں دکھائی دے رہی ہوں۔'' رحمہ کے

ساتھ درمیان میں اس کا نام اپنی مرضی سے گھسیٹرتے ہوئے اس نے مبالغہ آرائی سے کام لیا تھا، جبکہ علیزے نے بنا کسی تاثر کے اسی طرح اس کی آمد پر خوش ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا ہی تھا، ہوا کی دوش پر اس کی بات سنتے ریان کے دماغ میں اچانک ہی کوئی خیال ابھرا تو اس کی آنکھوں میں ایکدم پراسراری چمک ابھری، تو وہ پراسرار مسکراہٹ لبوں پر سجائے، نیلما کے قریب آ کر بولا۔

''ارے نیلما...... آپ اس قدر لیٹ؟ آپ کے انتظار میں ہم رحمہ کی رسم روک کر بیٹھے ہیں۔'' رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے علیزے کو مکمل نظر انداز کیے اس نے نیلما سے بڑے جلد باز انداز میں کہا۔

''اب باتوں میں مزید لیٹ مت کریں، سٹیج پر چلیں رحمہ آپی ہمارا انتظار کر رہی ہوگی۔'' نیلما جو اس کے خود اپنے پاس آ کر بولنے پر بے ہوش ہونے کو تھی، اب اپنے ساتھ چلنے کا سن کر تو وہ جیسے اپنے آپ میں ہی نہیں رہی تھی، اسی لئے خواب کی سی کیفیت میں چلتی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر سٹیج کی طرف بڑھ گئی، پیچھے اکیلی کھڑی رہ جانے والی علیزے نے خاموشی سے سب کچھ سنا اور دیکھا، پھر ان کے آگے بڑھ جانے پر کندھے اچکا کر خود بھی آگے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

مایوں کے بعد بارات اور ولیمے کی تقریب بڑی خاموشی سے گزر گئی، ریان نہ تو دوبارہ اس کے پاس آیا نہ اس سے کچھ کہا، وہ سارا وقت یا تو کام میں مصروف رہا اور جو اگر تھوڑا بہت ٹائم ملا بھی تو وہ سارا ٹائم اس نے نیلما اور ایمان کے ساتھ باتوں میں گزارا تھا، علیزے کو وہ مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھے اور حیرت کی بات تو یہ تھی علیزے نے اس کے اس قدر نظر انداز کرنے کو ذرا سا بھی محسوس نہیں کیا تھا، شادی کے بعد سب کچھ پہلے کی سی طرح معمول پر آیا تو روز و شب بھی پہلے کی سی روٹین پر ایک بار پھر گزرنے لگے تھے، روز و شب کے اس کی آمد سے ایک بار پھر بڑی خوشگوار سی تبدیلی رونما ہوئی تھی، کل چاند نظر آنے کے بعد آج پہلا روزہ تھا، ہر سال چاند نظر آنے سے پہلے ریان ان کے گھر آ کر ان سب کو لئے چھت پر چلا آتا تھا، پھر وہ سب مل کر چاند کے نکلنے کا انتظار کرتے جیسے ہی چاند نظر آنے کا اعلان ہوتا، وہ ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس کو نہ دیکھائی دینے والا چاند دکھا کر اپنے سمیت ان سب کے لئے دعا کرنے کے بعد بہت خوشی سے ان کو رمضان شریف کی مبارک باد پیش کیا کرتا تھا اور اس بار نہ تو ریان آیا تھا، نہ ہی چھت پر جا کر چاند دیکھنے کا خیال آیا تھا اور یہ خیال اسے آتا بھی ناں جو اگر ایمان سمیت امی بابا ریان کے نہ آنے پر بار بار اسے یاد کرتے ہوئے اس کی توجہ اس جانب مبذول نہ کراتے، جوں ہی اس کی توجہ اس جانب گئی تو اسے ریان کی غیر موجودگی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی، دل میں ابھرتے جذبات کو نا سمجھتے ہوئے اسے بس یہی ایک خیال آ رہا تھا کہ رحمہ آپی کی شادی کے بعد سے ریان نے نہ تو اس سے کوئی رابطہ کیا تھا، نہ ہی وہ اس سے ملنے آیا تھا، حالانکہ پہلے جب جب اسے ٹائم ملتا وہ اس سے فوراً رابطہ کر کے بات کرتا، یا پھر اس سے ملنے کی کوشش کیا کرتا تھا اور اب، شاید اس نے اپنے جذبے اس پر ضائع کرنے کی بجائے خود اپنا راستہ بدل لیا تھا۔

باقی گھر والوں کی نسبت اس نے اس کی کمی کو اتنی شدت سے محسوس تو نہیں کیا تھا، مگر پھر

بھی تھوڑی ہی صحیح مگر اس کی کمی کو محسوس ضرور کیا تھا۔

☆☆☆

امی تایا جی کی فیملی کے ساتھ رحمہ آپی کو ان کی سسرال سمیت شادی کی دعوت کے لئے افطار پر بلانے کا ارادہ رکھتی تھیں، بابا سے مشورے کے بعد انہوں نے دسویں روزے کو ان سب کو دعوت کے لئے فون کر دیا، دعوت کے انتظام کے لئے اسے آفس سے چھٹی کرنی پڑی تھی اور اب سب انتظام مکمل کرنے کے بعد وہ سب فریش ہو کر ان سب کی آمد کے منتظر تھے، افطار سے ذرا پہلے ان لوگوں کی آمد شروع ہوئی، افطار سے پہلے سب آ گئے سوائے ریان کے ان سب سمیت رحمہ نے اس کی غیر حاضری کو شدت سے محسوس کیا تو اس نے قریب بیٹھی ایمان سے بڑی آہستگی سے پوچھا تھا۔

''کیا ریان نہیں آیا؟''

''ریان بھائی تو بہت سارے دنوں سے نہیں آ رہے رحمہ آپی۔'' ایمان نے بڑے اداس لہجے میں اسے بتاتے ہوئے شکوہ کرتی نگاہوں سے رحمہ کی دوسری طرف بیٹھی علیزے کی طرف دیکھا تھا، اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے رحمہ نے گردن گھما کر علیزے کی طرف دیکھا جو خواہ مخواہ ان کی طرف سے نظر چراتے ہوئے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ لڑکی میرے بھائی کو کسی لائق نہیں چھوڑے گی دیکھنا۔'' نیچی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے سر جھٹک کر بیگ میں ہاتھ ڈالا اور اب موبائل نکالے وہ ریان کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، جو پہلے ہی نمبر بند کیے ہر طرف کے راستے بند کیے بیٹھا تھا، وہ گہری سانس بھر کے علیزے کی طرف دیکھتی مایوس و دلگرفتہ انداز میں اسے سنانے کو قدرے اونچی آواز میں بولی۔

''نمبر بند کیے بیٹھے ہیں محترم۔'' ان کی بات سن کر وہ اپنی جگہ چور سی بنی بیٹھی رہ گئی تھی وہ تو اپنی جگہ بالکل مطمئن تھی، مگر اس طرح روز کسی نہ کسی بات پر ان میں سے کوئی ایک ضرور ہی کوئی ایسی بات کر دیتا جس سے وہ دل میں بری طرح جھنجھلا کر رہ جاتی، آخر اس نے ایسا کیا کر دیا تھا جو وہ محترم اس طرح ان سے قطع تعلق کر چکا تھا اور یہاں یہ سب کسی نہ کسی بات پر اسے کچوکے لگائے جاتے تھے؟ یعنی کے اسے اپنی غلطی کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا اور اس بات کا سراسر مطلب یہی تھا کہ وہ خود کو حق پر سمجھے بیٹھی تھی اور ساری غلطی ہی اسی ایک بات سے شروع ہوئی تھی کوئی اسے سمجھا نہیں سکتا تھا اور نہ ہی وہ خود اس وقت تک سمجھ سکتی تھی جب تک وہ خود سمجھنے کی کوشش نہ کرتی، اسی ایک پوائنٹ کو لے کر وہ سب چپ ضرور تھے مگر وقتاً فوقتاً کوئی ایک بات ایسی ضرور کہہ جاتے جس سے اس کی توجہ اس بات کی طرف مبذول ہو جاتی، پھر ذرا دیر کو ہی صحیح مگر وہ ریان کو سوچتی ضرور تھی، اس سے دل میں عجیب و غریب سے جذبات سر اٹھا کے اسے پریشان کرتے، مگر وہ سر جھٹک کر ان تمام سمجھ میں نہ آنے والے خیالات کو دماغ سے نکال کر خود کو کسی دوسرے کام میں مصروف کر لیتی، اسی آنکھ مچولی میں بیس روزے گزر گئے تھے۔

اب آخری عشرہ باقی بچا تھا، ہمیشہ کی طرح خود سے لاپرواہ اسے اپنی کسی شاپنگ کی نہ تو فکر تھی نہ ہی کوئی پرواہ، مگر ایمان ہمیشہ کی طرح اپنے عید کے جوڑے کو لے کر بے انتہا فکرمند سی روز اس کا سر کھائے رکھتی تھی اور وہ بڑی خوبصورتی سے روز کل کا کہہ کر اسے ٹال جاتی تھی، حقیقت تو یہ تھی وہ ان دنوں بڑی ہی عجیب کیفیات کا شکار

تھی، جس کو سمجھنے سے وہ خود بھی قاصر تھی، آج بھی وہ افطار کے بعد قرآن پڑھنے کی نیت سے اسے ہاتھ میں لے کر بیٹھی ضرور تھی، مگر قرآن کھولنے سے پہلے نجانے ایسی کون سی بات اس کے ذہن میں آئی تھی جو وہ اب قرآن پاک کو سینے سے لگائے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی جب ایمان اس کے قریب پہنچتی اس کے گھٹنے کو ہلاتی اس کو اپنی طرف متوجہ کرتی بولی تھی۔

''آپی آج شاپنگ کے لئے چلیں گے ناں؟'' اس کے متوجہ کرنے پر علیزے نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا ضرور تھا، مگر وہ ذہنی طور پر اس کی طرف مکمل بھی توجہ نہیں تھی اس لئے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی، جب سامنے صوفے پر بیٹھی امی نے ایمان سے کہا۔

''تمہیں پتہ تو ہے علیزے کس قدر مصروف ہوتی ہے اس کے پاس کہاں اس طرح کے کاموں کے لئے ٹائم ہوتا ہے۔'' بڑے سادہ سے انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے دوبارہ کہا تھا۔

''تم ایسا کرو ریان کو فون کر کے بلا لو، ہر بار تو تم دونوں اسی کے ساتھ جا کر شاپنگ کیا کرتی تھی، تو پھر اس بار علیزے کو اتنا تنگ کیوں کر رہی ہو۔'' وہ شاید ریان کے پچھلے دنوں سے چلتے رویے کو بھولی ہوئی تھیں یا پھر شاید جان بوجھ کر بھولنے کی اداکاری کرتی اس طرح کی بات کہہ رہی تھیں، جو بھی تھا، ان کی بات پر علیزے نے اپنے حواسوں کو پوری طرح بیدار کر کے ان کی طرف متوجہ کیا تھا، تبھی اس نے ایمان کو منہ بسور کر کہتے سنا تھا۔

''ریان بھائی اب کہاں آتے ہیں امی، ہر بار فون کرنے پر وہ یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں بہت مصروف ہیں نہیں آ سکتے۔''

علیزے نے اس کی بات کو بہت غور و توجہ سے سنا اور پھر گہرا سانس بھر کے قرآن پاک کو احترام کے ساتھ اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر پڑے اپنے موبائل کو اٹھاتے ہوئے ریان کا نمبر ڈائل کیا۔

''میں فون کر کے بلاتی ہوں ریان کو، پھر ہم شاپنگ پر چلیں گے۔'' نجانے کون سے جذبے کے تحت اس نے بڑے میکانکی انداز میں کہہ کر موبائل کو کان سے لگایا تو ان دونوں نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر دوبارہ سے علیزے کی طرف دیکھا تھا جو دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے کی منتظر تھی، مگر دوسری طرف سے فون اٹھانے کی بجائے ریان نے کی کال ڈسکنٹ کر دی تھی، اس نے آنکھیں سکیڑ کر بڑی حیرت سے کال ڈسکنٹ کا سائن شو کرتی موبائل کی سکرین کو دیکھا اور پھر لب بھینچ کر ایک بار پھر وہ ریان کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، مگر اس بار بھی نتیجہ وہی نکلا تھا، پہلی ہی بیل پر ریان نے اس کی کال ڈس کنیکٹ کر دی تھی، اب کی بار حیرت کے ساتھ ساتھ غصے نے بھی اسے بری طرح اپنی لپیٹ میں لیا تھا، اس نے اپنی ساری انا وخودداری کو ایک طرف کیے خود اسے کال کی تھی، وہ اس کی کال ڈس کنیکٹ کر رہا تھا، وہ غصے سے پاگل ہونے لگی تو ایکدم اٹھ کر فیصلہ کن لہجے میں ایمان سے بولی۔

''تم تیار ہو جاؤ ہم خود چلتے ہیں شاپنگ کرنے۔'' ایمان نے چونک کر پہلے اس کی طرف دیکھا اور ایمان آنکھوں میں چمک لئے چادر کو اچھی طرح خود پر لپیٹ کر اس کے پیچھے لپکی تھی، جو اس کے انتظار میں کھڑی تھی، مگر جانے سے پہلے اس نے سیل سے بڑا مختصر سا میسج کسی کو سینڈ کیا اور وکٹری کا نشان بنا کر ماں کی طرف دیکھتی

اس کے ساتھ گیٹ سے نکل گئی، پیچھے بیٹھی رابعہ بیگم نے مطمئن سی مسکراہٹ کے ساتھ بنا کسی اعتراض کے بڑھتی رات کے باوجود جانے کی اجازت دے دی تھی۔

☆☆☆

''مال پر'' میں کھڑی وہ سوٹ سلیکٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر ایمان کو نجانے کیا ہوا تھا، جو یکے بعد دیگرے ناک چڑھائے ہر اچھے سے اچھے سوٹ کو ریجکٹ کیے جا رہی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے ایمان، آج تمہیں کوئی بھی سوٹ کیوں پسند نہیں آ رہا ہے؟'' اس کو تواتر سے ہر سوٹ ریجیکٹ کرتا دیکھ کر آخر علیزے نے زچ ہو کر سوال کیا، تو وہ فوراً بولی۔

''یہاں اس بار اچھی ورائٹی ہے ہی نہیں آپی، میری فرینڈ نے بتایا تھا اس بار کینٹ میں بڑی اچھی ورائٹیز آئی ہوئی ہیں ڈریسز کی، آپ مجھے وہاں لے چلیں پلیز۔'' اس نے جیسے منت کی تھی، علیزے نے چند سیکنڈ اسے گھورنے کے بعد نیچی آواز میں جیسے اسے ڈپٹا تھا۔

''اگر تم یہ بات پہلے کہہ دیتی تو ہمارا اتنا ٹائم یہاں ضائع نہ ہوتا۔'' اس کے گھورنے پر ایمان نے معصومیت سے نگاہیں جھکا لیں، آخر اسے کیسے بتاتی کہ اس نے خود جان بوجھ کر ہی تو اتنا وقت ضائع کیا ہے، جبکہ علیزے اس کی سوچ سے بے خبر ایک آخری گھوری اس کے حوالے کرنے کے بعد اب اس کو لئے آگے بڑھ گئی تھی، کچھ منٹوں کے سفر کے بعد رکشہ نے انہیں کینٹ کے بارونق ایریا میں پہنچا دیا تھا، وہ مختلف شاپس کا وزٹ کرنے کے بعد اب وہ سن سلک سنٹر میں کھڑی سوٹ سلیکٹ کر رہی تھیں، یہاں بالآخر ایمان کو اپنے لئے ایک سوٹ پسند آ ہی گیا، علیزے نے شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اور امی کے لئے بھی وہیں سے ایک ایک سوٹ پسند کیا، اس کے بعد شوز اور جیولری کی شاپنگ مکمل کرنے کے بعد علیزے نے جیسے ہی واپسی کے لئے قدم بڑھائے ایمان نے راستے میں نظر آنے والے آئس کریم پارلر کو دیکھ کر آئس کریم کھلانے کی فرمائش کی تو اس نے کہا۔

''رات زیادہ ہوتی جا رہی ہے ایمان، ہم آئس کریم پیک کروا لیتے ہیں، پھر گھر جا کر کھا لیں گے۔'' مگر ایمان مچل اٹھی۔

''نہیں آپی پلیز، مجھے آئس کریم یہیں پر کھانی ہے، ویسے بھی اتنی گرمی ہے گھر جانے تک تو پگھل پگھل کر آئس کریم اپنا مزہ ہی کھو دے گی۔'' علیزے نے اس کو منہ بسورتے دیکھا تو اسے ساتھ لئے پارلر کے اندر داخل ہو گئی جہاں انہوں نے کونے والی ٹیبل تو منتخب کرنے کے بعد آئس کریم کا آرڈر دیا اور خود ٹیبل کے گرد بڑی چیئرز پر آ کر بیٹھ گئیں، ویٹر نے فوراً ہی ان کا آرڈر سرو کیا تھا، ابھی انہیں آئس کریم کھاتے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا، جب ایمان نے بڑی حیران سی آواز میں بولتے ہوئے اسے اس ٹیبل کی طرف دیکھنے کو کہا جہاں ریان اور نیلما بیٹھے تھے۔

اس کے کہنے پر اس نے بری طرح چونک کر اس جانب دیکھا، جہاں واقعی ریان خوشگوار موڈ میں بیٹھا نیلما کے ساتھ باتوں میں مگن تھا، اس کی طرف سے غصہ تو وہ پہلے ہی تھی اب جو اسے اس طرح نیلما کے ساتھ دیکھا تو دل جلے جذبات لئے اس نے بہت ساری دیر اسے گھورنے کے بعد کچھ سوچتے ہوئے سیل فون اٹھا کر ایک بار پھر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی، سیل فون کان سے لگائے وہ نظر اسی پر ٹکائے ہوئے

تھی، جس نے اس بار بھی پہلی ہی بیل پر بڑی بے نیازی سے اس کی کال کو ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے سیل کو سائیڈ پر رکھا تھا، وہ غصے سے کھول کر رہ گئی، جبھی غصیلے انداز میں بولی تھی۔

''ہمارے لئے اس کے پاس ٹائم نہیں ہے اور اب دیکھو کیسے ساری مصروفیات ترک کیے نیلما کے ساتھ بیٹھا گپیں لگا رہا ہے۔'' غصے سے اٹھ کر وہ شاید اس کی طرف جانے لگی تھی، جب چپکی بیٹھی ایمان نے ایک دم بوکھلا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپی؟''

''اس کے پاس۔'' ریان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس نے مزید کہا۔

''آخر پوچھوں تو صحیح اب اس کے پاس ٹائم کہاں سے نکل آیا ہے جو اتنی فرصت سے بیٹھا ڈیٹ اڑا رہا ہے۔''

''ہاں تو ان کے پاس ہمارے لئے ٹائم نہیں ہوگا ناں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس چیئر پر بیٹھاتے ہوئے وہ بڑے سادہ سے لہجے میں مزید بولی تھی۔

''اور مصروفیت جس قدر بھی ہو، اپنی زندگی میں موجود خاص لوگوں کے لئے انسان کسی نہ کسی طرح ٹائم نکال ہی لیتا ہے، نکال لیا ہوگا ریان بھائی نے بھی اب ٹائم۔'' اس کا انداز بڑا سادہ مگر الفاظ ہرگز بھی سادہ نہیں تھے، علیزے بہت بری طرح چونکی تھی، اتنے دنوں سے تو وہ بس ریان کو لے کر الجھی ہوئی تھی، اس لئے اور کسی جانب اس کی توجہ گئی ہی نہیں تھی، مگر اب جب ایمان نے بے دھیانی میں اس کی توجہ اس جانب کروائی تو اسے نیلما کا وہ رویہ یاد آنے لگا جو وہ پچھلے بہت سارے دنوں سے اپنائے ہوئے تھی، خیال آنے پر اس کی سوچ کا طائر اس جانب گیا تو اسے یاد آیا کہ نیلما کا رویہ اب اس کے ساتھ بدل گیا ہے، وہ پہلے کی طرح نہ تو اس سے دوستانہ انداز میں باتیں کرتی تھی اور نہ ہی اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اس کے لئے فکر ظاہر کرتی تھی، بلکہ ایک بار اس کے شکوہ کرنے پر اس نے ہنسی میں اس کے شکوے کو اڑا دیا تھا اور تو اور اب وہ پہلے کی طرح ریگولر آفس بھی نہیں آتی تھی، اکثر وہ آفس سے غیر حاضر ہوتی اور اگر کسی دن آفس آ بھی جاتی تو ذرا دیر کے بعد واپس چلی جاتی تھی، اس وقت نہ تو اس نے اس کے رویے اور اطوار پر توجہ دی تھی اور نہ ہی اس ساری تبدیلی کی وجہ جاننے کی کوشش کی تھی، مگر اب وقت کی کروٹ نے اپنے آپ ہی تبدیلی کی ساری وجوہات بڑی تفصیل کے ساتھ اس کے سامنے عیاں کی تو وہ گم صم بیٹھی رہ گئی، وہ نہیں جانتی تھی کہ اس سمے اسے اپنا دل اس قدر خالی محسوس کیوں ہو رہا تھا اور وہ ہرگز بھی یہ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ آخر ریان کو نیلما کے ساتھ دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن نے اپنی رفتار کو روا بربیٹ پر کیوں ڈال دیا ہے، بلکہ وہ تو اس سے کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی، اس لئے بنا کچھ بھی بولے، اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھائے تو ایمان اپنے شاپنگ بیگز سنبھالتی ہوئی اس کی طرف لپکی، مگر باہر نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر ریان کی جانب دیکھا تھا، جو پہلے سے اس کی طرف متوجہ اسی کو دیکھ رہا تھا، اس نے ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے حوالے کی اور پارلر کے باہر نکل کر تاریکی میں ڈوبے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اللہ جی پلیز آپی کو بتا دیجئے کہ وہ ریان بھائی کے بغیر بالکل ادھوری ہیں۔'' دل میں ذرا سے التجا کرتے ہوئے وہ تیز قدم اٹھاتی علیزے کے پاس آئی اور پھر رکشہ کروا کر وہ گھر لوٹ

آئیں۔

☆☆☆

آئس پارلر میں ریان کو نیلما کے ساتھ دیکھنے کے بعد وہ بالکل ہی چپ ہو کر رہ گئی تھی، ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں ڈوبی رہتی تھی، آج انتیسواں روزہ تھا، سب پر امید تھے کہ آج عید کا چاند نظر آ جائے گا، اس لئے افطار کی تیاری کے ساتھ ساتھ سب متوقع عید کی تیاری کی فکر میں پریشان ہوئے جا رہی تھی اور وہ ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی ہی کسی سوچ میں ڈوبی روزہ کھلنے کے انتظار میں شربت کا گلاس سامنے رکھے اس پر نظر جمائے بیٹھی تھی، جب بابا نے اس کے برابر پڑی چیئر گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے رابعہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بھائی صاحب کی کال کی تھی، کہہ رہے تھے ریان کے لئے لڑکی پسند کر لی ہے۔''

اسی پل مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی شربت کی گھونٹ لیتی علیزے کے حلق میں شربت پھنس کر رہ گیا، مگر وہ اس سے بے خبر مزید بتا رہے تھے۔

''عید کے فوراً بعد ان کا ارادہ ریان کی شادی کر دینے کا ہے۔'' ٹیبل پر پڑی ساری اشیاء سے ایکدم ہی اس کا دل اچاٹ ہوا تھا، مگر وہ خود پر جبر کیے ان لوگوں کا خیال کر کے بیٹھی رہی تھی، کھانے کی کسی بھی دوسری چیز کی طرف نظر کیے بنا وہ اپنی پلیٹ میں رکھے چاولوں میں چمچ گھما گھما کر اس پل اپنے دل میں اس سارے ماحول سے وحشت محسوس کر رہی تھی اور جب وحشت حد سے سوا ہونے لگی تو وہ چمچ کو پلیٹ میں رکھتی اٹھی اور وہاں سے جانے کے لئے آگے بڑھی، مگر ابھی وہ دروازے تک نہیں پہنچی تھی جب اس کی سماعتوں سے رابعہ بیگم کی آواز ٹکرائی تھی۔

''چلو اچھا ہے اب ریان کی شادی بھی ہو ہی جائے، بہت عرصہ کنوارہ پھر لیا۔'' اس کی شادی کا سن کر وہ خوش ہو رہی تھیں، اس نے پلٹ کر دیکھا، ان میں سے کسی نے بھی اس کے اٹھ کر جانے کو محسوس نہیں تھا، بس ریان کی شادی کا سن کر خوش ہوئے جا رہے تھے، اس کا دل دکھ کی نجانے کون سی گہرائی میں جا کر گرا تھا جو اس کی آنکھیں آنسو سے لبالب بھر کر بہنے لگی تھیں، ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتی وہ تیزی سے وہاں سے نکلی اور تیز قدموں سے چلتی چھت پر چلی آئی۔

ریان اس کے لئے کبھی بھی اہم نہیں تھا، اس نے تو بس اپنے اوپر پڑی ذمہ داری کو ہمیشہ اہم جانا تھا، تو پھر اب، ریان کے نظر انداز کرنے پر اور سب کے احساس دلانے پر اس نے جانا تھا کہ سب سے پہلے اور سب سے اہم اس کے صرف ریان عادل ہے، جس کا نظر انداز کرنا اسے تکلیف میں مبتلا کرتا ہے، وہی ریان عادل جس کو نیلما کے ہمراہ دیکھ کر اسے اپنے بدن سے جان نکلتی محسوس ہوتی ہے، بہت تھک کر بڑی آہستگی سے اس نے اپنے لبوں سے اعتراف کیا تھا۔

''ریان عادل تم میری زندگی میں وہ خاص مقام رکھتے ہو جو میں نے اپنے دل میں کبھی کسی کے لئے محسوس نہیں کیا ہے۔''

مگر اس مقام پر آ کر اس کا اعتراف شاید اب کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا، ریان تو کب کا اپنا راستہ بدل چکا تھا اور اب شادی کرنے جا رہا تھا۔

اس کی شادی کا خیال ایک بار پھر دل میں جاگا تو وہ نئے سرے سے وحشت زدہ ہوتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، اردگرد کی چھتوں پر بھی لوگ اب چاند دیکھنے کے لئے جمع ہونا شروع ہو

گئے تھے، مگر اس بار اسے چاند دیکھنے کی ذرا سی بھی تمنا نہیں تھی، حالانکہ ہر بار عید کا چاند دیکھنے کے لئے وہ سب سے زیادہ پرجوش ہوا کرتی تھی، اس کا اس درجہ جوش دیکھ کر ریان ہر بار جھوٹ موٹ کی اطلاع دے کر اسے چاند دیکھنے کے لئے آسمان کی طرف متوجہ کیا کرتا تھا اور پھر جب بہت ڈھونڈنے پر بھی اسے چاند دکھائی نہ دیتا تو وہ ہر بار کی طرح اس جھگڑ پڑتی تھی اور اس بار ہر بار سے مختلف سب کچھ بدلا ہوا تھا اور اس سب بدلاؤ کی وجہ سراسر وہ خود ہی تھی، اس سے اسے اپنی تمام غلطیوں کا اپنی بے وقوفیوں کا شدت سے احساس ہوا تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

کچھ دیر پریشانی کے عالم میں یہاں وہاں ٹہلنے کے بعد ایک جگہ رکتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

''اب جب مجھے اپنی زندگی میں ریان کی موجودگی کا احساس ہو ہی گیا ہے تو میں اتنی آسانی سے اسے کھونے نہیں دوں گی۔''

''اچھا...... تو پھر تم کیا کرو گی۔'' اس کے دل نے فوراً ہی بڑی طنزیہ سرگوشی کی تھی۔

''میں اس کو بتاؤں گی کہ وہ میرے لئے اہم ہے اور یہ کہ میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔'' دماغ نے فوراً جواب دیا تھا اور محبت دھیما سا مسکراتی بڑے سبھاؤ سے قدم رکھتی اس کے دل کے ہر کونے میں اترنے لگی تو دل ایکدم پریشان ہو کر بولا۔

''مگر تم نے دیر کر دی، وہ اب شادی کرنے والا ہے، تمہاری محبت قبول نہیں کرے گا۔''

''ایسے ہی قبول نہیں کرے گا، میں اس کا سر توڑ دوں گی۔'' دل و دماغ کی اس جنگ کے نتیجے میں وہ کسی حتمی فیصلے پر پہنچتی اپنے ازلی انداز میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے ریان کے پاس جانے کے لئے قدم بڑھائے تو دل و دماغ دونوں شانت ہو کر خاموش ہو گئے۔

نیچے آ کر اس نے چائے پیتے امی بابا کو تایا جی کی طرف جانے کی اطلاع دی اور خود جانے کے لئے آگے بڑھی تو پیچھے سے بابا نے اونچی آواز میں اسے پکار کر کہا تھا۔

''تمہارے تایا جی نے ہمیں لینے کے لئے پہلے سے ڈرائیور سمیت گاڑی بھیجی ہوئی ہے، ہم تو ابھی لیٹ ہے، مگر تم جلدی میں لگتی ہو اس لئے گاڑی میں تم چلی جاؤ، ہم بعد میں رکشہ سے آ جائیں گے۔'' اس سے وہ جلدی میں تھی ورنہ رک کر دیکھتی تو ان کے چہروں پر بچی معنی خیز مسکراہٹ اسے منٹ میں سارے کھیل کی خبر کر دیتی، وہ کسی بھی طرف غور کیے بنا سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

تایا جی کے گھر پہنچ کر اسے پتا چلا کہ تایا جی اور تائی ماں رحمہ آپی کی عیدی دینے ان کے گھر گئے ہوئے ہیں اور یہ کہ گھر میں اس وقت صرف ریان موجود ہے، اس کی موجودگی کا سن کر ملازم کے بتانے پر وہ چھت پر چلی آئی، جہاں ریان خاموش بیٹھا چائے کے کپ کی جانب متوجہ تھا اور کپ میں موجود چائے کی سطح کو گھورے جا رہا تھا، اس نے آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر بغور اس کی جانب دیکھا، وہ اردگرد سے بے نیاز نجانے کس سوچ میں ڈوبا تھا، اس کے دل نے بڑی خوشگوار سی سرگوشی کی تھی۔

''کیا معلوم، اتنا اداس بیٹھا یہ تمہیں ہی سوچ رہا ہو، آخر کو تم سے محبت کا دعویدار تو یہ بھی رہا ہے۔'' من چاہی سرگوشی پر اس کے لب بڑا بے ساختہ مسکرائے، تو اس نے پیار سے ایک بار پھر اس بے خبر کی طرف دیکھا اور اسی طرح

مسکراتے ہوئے دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس کے قریب آ کر چہکی۔

''یقیناً اس سے تم بڑی شدت سے مجھے یاد کر رہے ہونگے ہے ناں؟'' اپنے ازلی پر اعتماد انداز میں کہتے ہوئے اس نے آخر میں سوال کیا، تو چونک کر سیدھے ہوتے ریان نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی خوش فہمی کو ہوا میں اڑایا تھا۔

''نہیں، میں تو نیلما کی کال کا انتظار کر رہا ہوں، اس نے کال کرنے کا کہا تھا، مگر نجانے کیا ہوا ہے جواب تک اس کی کال نہیں آئی ہے۔'' اس کے انداز میں نیلما کے لیئے اس درجہ فکر مندی دیکھ کر وہ جل بھن کر بولی تھی۔

''بڑی فکر ہے تمہیں نیلما کی؟'' اس کے اندر کی ساری جلن اس سے باہر نکلی تھی مگر ریان توجہ دیئے بنا اسی سنجیدگی سے بولا تھا۔

''جو ہماری فکر کرتے ہیں، تو ہمیں خود بخود ان کی فکر ہونے لگتی ہے۔'' اس کے جواب نے جیسے اس کے سارے وجود کو آگ کے بھڑکتے شعلوں کی نذر کیا تھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ طیش میں آ کر اس کا حشر کرتی۔

ٹیبل پر پڑے ریان کے سیل فون کی رنگ ٹیون گنگنائی، اس کے اٹھانے سے پہلے ہی اس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھا لیا، ریان نے اٹھ کر سیل فون اس کے ہاتھ سے لینے کی کوشش کی تو اس نے خشمگی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے غرا کر کہا۔

''اب تم اپنا منہ بند رکھو گے سمجھے۔'' اس کے اس قدر غصیلے انداز کو دیکھ کر ریان واقعی چپ کا چپ رہ گیا، جبکہ علیزے نے کال پک کرنے کے بعد سیل فون کان سے لگا کر دوسری طرف سے آتی نیلما کی آواز کو سنا، جو اپنی طرف سے ریان ہی سے مخاطب تھی۔

''ایم سوری ریان، میں تھوڑا سا لیٹ ہو گئی۔'' معذرت خواہ انداز میں اس سے سوری کرتے ہوئے وہ مزید کہہ رہی تھی۔

''بالکل اچانک ہی مما کے کچھ گیسٹ آ گئے، جنہیں مما کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ مجھے کمپنی دینی پڑ گئی، بس اسی لئے تمہیں انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔''

''یہ تمہاری سوچ ہے نیلما میڈم کہ ریان تمہارے لئے انتظار کی زحمت اٹھائے گا، ورنہ حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' خاموشی سے اس کی بات کو سننے کے بعد علیزے نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا، جبکہ دوسری طرف موجود نیلما ریان کے موبائل سے اس کی آواز سن کر ایک دم بوکھلائی، اس لئے اس کی بات پر زیادہ غور کیے بنا وہ حیرت سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

''تم اس وقت ریان کے گھر پر کیا کر رہی ہو؟'' سوال تو اس کا بجا تھا، مگر علیزے کا دماغ اس سے اپنی جگہ پر نہیں تھا، اس لئے غصیلے انداز میں جواباً بولی تھی۔

''وہی جو تم نہیں کر سکتی۔'' حد درجہ غصے میں بھی اس نے اپنے اعتماد کو ایک انچ بھی ہلنے نہیں دیا تھا، ریان بس اس کا تھا، اور کوئی دوسرا اسے اس سے کسی صورت چھین نہیں سکتا تھا، اسی ایک سوچ نے اس کے دماغ کی ساری سوچوں کو پھرکی بنایا ہوا تھا جن کے درمیان میں بل کھاتی وہ خود بھی مسلسل گھورے جا رہی تھی۔

''فون ریان کو دو، مجھے تم سے نہیں اس سے بات کرنی ہے۔'' نیلما نے بھی جیسے اب مقابلے کی ٹھانی تھی، مگر وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں تلملا کر بولی تھی۔

''پہلے تم مجھے سنو، اس کے بعد تمہیں ریان

سے بھی بات کروا دوں گی نیلما منیر۔'' پھر اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے اس نے بات کا پھر سے آغاز کیا تھا۔

''مجھے بالکل بھی حیرت نہیں ہو رہی کہ تم نے دوست ہو کر یہ سب کیوں کیا ہے، کیونکہ میں اچھی طرح جان گئی ہوں کہ تم آستین کا وہ سانپ ہو جسے دودھ پلا کر میں نے خود پالا ہے۔'' اس کو اس کی اوقات یاد دلاتے ہوئے وہ مزید بولی تھی۔

''مگر میں علیزے نعیم ہوں، نیلما منیر، جو اگر دودھ پلا کر سانپ پال سکتی ہے تو وقت آنے پر اسی سانپ کے سر کو کچل بھی سکتی ہے، تم صرف اس وقت یہ شکر کرو کہ اس وقت تم میرے سامنے نہیں ہو ورنہ میں تمہارا حشر بڑی بری طرح خراب کرتی۔''

''بند کرو تم اپنی بکواس۔'' وہ دوسری طرف سے چیخی تھی، مگر وہ بہری بنی بس اپنی ہی بولے جا رہی تھی۔

''نہیں ابھی تم میری بکواس کو سنو، ابھی تو مجھے تمہیں یہ بھی بتانا ہے کہ محبت کے وجود سے پہلے ہم دونوں انکاری تھے، مگر اب جب محبت ہو ہی گئی ہے تو تم یہ جان لو کہ محبت کبھی بھی دھوکے باز اور خائن لوگوں کا ساتھ نہیں دیتی ہے اور تم وہی دھوکے باز اور خائن لڑکی ہو جس نے اپنی ہی دوست کی محبت پر چوری چھپے ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔'' اپنی بات کے ردعمل کو اس نے ریان کی نظروں میں مسکراہٹ کی صورت اترتے دیکھا تھا، مگر ابھی اسے صرف نیلما کو سنانا تھا اس لئے ریان کو نظر انداز کیے بولے جا رہی تھی۔

''اور میں یہ بات اچھے سے جان چکی ہوں کہ تم جیسے لوگوں کا ساتھ محبت ہرگز بھی نہیں دیتی ہے اور خود میں جس نے محبت کو جان لینے کے بعد یہ بھی جان لیا ہے کہ میں سینتیسویں صدی کی وہ شیریں ہوں جو انیسویں صدی کی شیریں سے بالکل الگ اور مختلف ہے، جو اپنے حق پر کسی کو ذرا سی میلی نظر بھی ڈالنے نہیں دے گی اور رہا ریان تو یہ بھی مجھے معلوم ہے وہ بھی انیسویں صدی کے فرہاد کے جیسا ہرگز بھی نہیں کر سکتا، وہ اپنی شیریں کو کبھی بھی کسی کی بے وقوفی کی نذر نہیں ہونے دے گا، اس لئے تم یہاں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے کسی اور طرف ٹرائی مارو، تمہیں اپنے ہی جیسا کوئی دوسرا ضرور مل جائے گا، کیونکہ میرا دل کہتا ہے کہ محبت روئے زمین پر ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، بس اس کی صورتیں الگ الگ ہیں، سچے لوگوں کو سچی محبت مل جاتی ہے اور جھوٹے لوگوں کو انہی کی طرح کی محبت نصیب ہوتی ہے، اب تم سوچ لو تمہیں کس ٹائپ کی محبت چاہیے۔'' وہ شاید اب سب کچھ کہہ چکی تھی، اس لئے بات کا اختتام کرتے ہوئے اس نے سیل فون بڑے سکون سے ریان کی طرف بڑھایا، جو سینے پر ہاتھ باندھے بڑی مسکراتی نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھے جا رہے ہو؟'' اس کی مسکراتی نظروں کو دیکھ کر اسے ایکدم ہی احساس ہوا کہ وہ اس کی موجودگی میں کس قدر کھلے لفظوں میں اپنی محبت کا اظہار کر گئی ہے، اس خیال کے آتے ہی وہ بری طرح نروس ہونے لگی، تو ریان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے سیل فون پکڑا، نیلما کے پاس اتنا کچھ سننے کے بعد اب شاید کوئی جواز ہی باقی نہیں بچا تھا ریان سے بات کرنے کا، اس لئے اس سے بات کیے بنا وہ کال ڈسکنیکٹ کر چکی تھی، اس نے موبائل کی تاریک ہوتی سکرین کو بس ایک نظر دیکھنے کے بعد سائیڈ پاکٹ میں رکھتے ہوئے پہلے کی سی پوزیشن

اپناتے ہوئے ایک بار پھر سے اس کی طرف ویسی ہی میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''دیکھ رہا ہوں، کہ تم ہر بار یہ غلطی کیوں کرتی ہو، جو بات مجھ سے کہنے کی ہوتی ہے، وہ ہمیشہ دوسروں کو کیوں کہہ دیتی ہو۔'' ذرا توقف کے بعد وہ پھر سے بولا تھا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہیں جو کہنا ہو وہ ڈائریکٹ تم مجھے کہو۔'' پہلے تو وہ اس کے انداز سے نروس ہو کر گلابی پڑتی رہی، مگر پھر خود کو سنبھال کر اپنی شاندار گھوری سے نوازتی بولی۔

''مگر میں تمہیں کچھ کیوں بتاؤں، تم تو اس نیلما سے شادی کرنے جا رہے تھے ناں۔'' جلا پہ ایک دم پھر سے عود کر آیا تو وہ محسوس کرتا کھلکھلا کر بولا۔

''وہ سب تو ہمارا ڈرامہ تھا تمہیں سیدھے راستے پر لانے کے لئے، ورنہ تمہیں کیسے سمجھ میں آتا کہ تم اور میں سینتیسویں صدی کے بڑے جی دار شیریں فرہاد ہیں، جو نہ تو کسی کی سنے گئیں اور نہ ہی کسی تیسرے کو درمیان میں آنے دیں گے۔'' اس کے الفاظ اسی کے سے انداز میں دہراتے ہوئے وہ مکمل شرارت کے موڈ میں تھا۔

''ہمارا ڈرامہ سے کیا مراد ہے تمہاری؟'' وہ ساری بات پر توجہ دیئے بنا اس کے لفظ ہمارا ڈرامہ پر اٹکی تو ریان نے ہنس کر کہا۔

''ڈرامہ ہی تو تھا یہ سب، جس کے پوشیدہ کرداروں میں امی ابو، چچا چچی، ایمان اور رحمہ شامل تھی، ریئل کریکٹرز میں بس ہم تین نمایاں تھے، تم میں اور نیلما۔'' اس نے وضاحت کی تو وہ ایک دم خفا ہوتی بولی۔

''کتنے خراب ہو ناں تم سب، مجھے کس قدر تنگ کیا۔''

''ہم جتنے بھی خراب صحیح مگر تم سے ذرا کم خراب ہیں اور ویسے بھی ہمیں خراب کہنے سے پہلے ایک بار خود کا سوچ لو، تم نے کیا کچھ کیا۔'' اس نے ایک ناراض نظر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے اس کا پچھلا رویہ یاد کراتے ہوئے پھر سے کہا۔

''وہ جو بھلا ہو سب کا جنہوں نے میرا ساتھ دیا، ورنہ تم نے تو میرا کباڑہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' اس کی ناراضگی محسوس کرتے ہوئے اس نے نظر جھکا کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے معذرت خواہ انداز میں کہا تھا۔

''آئی ایم سوری ریان، وہ اس وقت مجھے بالکل نہیں پتا تھا کہ تم میرے لئے کس قدر اہم ہو، اس لئے میں انجانے میں وہ سب کر کے تمہیں ہرٹ کرتی رہی۔'' بڑی معصومیت سے نظر جھکائے اس نے اس کے لئے اپنی محبت کا اعتراف کیا تو وہ مچل کر اپنی جگہ چھوڑے فوراً اس کے قریب آ کر بہت گمبھیر لہجے میں بولا تھا۔

''اب تو جان چکی ہو ناں کہ میں تمہارے لئے کس قدر اہم ہوں تو اب بتا دو کہ اس قدر کی قدر کس قدر ہے۔'' اس سمے ریان کا دل کچھ اس طرح اس کی نگاہوں میں سمٹ آیا تھا کہ وہ شپٹا کر اس کی طرف سے رخ موڑ گئی۔

''بتاؤ ناں لیزے۔'' جذبوں سے پر آواز میں پوچھتا وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آیا، جو لرزتی پلکوں کے ساتھ نظر جھکائے نروس سی انگلیاں مروڑتی سیدھی اسے اپنے دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

''تم مجھے پریشان کر رہے ہو ریان۔'' اپنا سارا اعتماد ختم ہوتا محسوس کر کے وہ بڑا ہلکا سا بولی تھی۔

''اور وہ جو اتنا عرصہ تم نے مجھے پریشان

کیسے رکھا ہے وہ؟'' وہ اسے بالکل بھی تنگ کرنا نہیں چاہتا تھا مگر ہمیشہ کی طرح اسے مقابل دیکھ کر دل ہمک ہمک کر شرارت پر مائل کیے دے رہا تھا، مگر اس بار علیزے کے دل کی حالت بدل چکی تھی اس لئے ہمیشہ کی طرح اس کی شرارت پر بھڑکنے کے بجائے وہ اسی دھیمے سے انداز میں بولی۔

''اس کے لئے میں نے سوری کی ہے۔''

''تو پھر ایک بار میرے سامنے اعتراف کر لینے میں بھی کیا حرج ہے۔'' وہ کسی صورت ٹلنے کے موڈ میں نہیں تھا، علیزے نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، ہمت کر کے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے جب پاس کی کسی مسجد سے عید کے چاند نظر آنے کی نوید سنائی دی تو وہ اس سے ذرا فاصلے پر ہوتی آسمان پر چاند تلاشتے ہوئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''چاند نظر آ گیا ہے، اپنے لئے دعا مانگ لو۔'' وہ دھیما سا مسکرا کر آہستگی سے چلتا عین اس کے مقابل آ کر بولا۔

''اپنا چاند میں دیکھ چکا ہوں اور اپنی دعا کی قبولیت کے یقین کی بدولت تمہیں انعام کی صورت پا چکا ہوں۔'' جذبوں سے چور لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے دعا کے لئے اٹھے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کچھ اس انداز میں دبایا جیسے ہاتھوں کی اس نرم گرم حدت کی صورت اپنی ساری کی ساری محبت اس کے دل میں اتار دینا چاہتا ہو، اس کی اس درجہ قربت کو محسوس کرتی علیزے نے بے انتہا دھڑکتے دل کے ساتھ شرم سے سرخ پڑتے ہوئے نرمی سے اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکالتے ہوئے اس سے دور ہو کر نیچے کی جانب جاتے راستے کی طرف تیزی سے قدم اٹھا کر دروازے تک آئی، پہلی سیڑھی پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا، جو ابھی تک اسی انداز میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''جب اپنے چاند پر اور اپنی دعا کی قبولیت پر اس درجہ یقین رکھتے ہو تو یہ یقین بھی کر لو کہ اب تم بھی میرا وہ چاند ہو جسے میں نے اپنی ہر رات میں اپنی زندگی کے ہر سویرے کے لئے دعاؤں میں بڑی شدت سے مانگا ہے۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ تیزی سے مڑتی سیڑھیاں اتر کر نیچے اس طرف آئی تھی جہاں سب جمع ہوئے اسے عید کی مبارک کے ساتھ ساتھ اس کی نئی زندگی کی شروعات کے لئے بھی مبارک دینے کو پر جوش کھڑے تھے۔

ان تک پہنچنے سے پہلے ذرا دیر کو رک کر آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا جس نے اس چھوٹی عید پر زندگی کی سب سے بڑی خوشی عطا کر دی تھی۔

☆☆☆

حنا بشریٰ

''رمیل اب اٹھ بھی جاؤ۔'' صبا بیگم نے کمرے کی لائیٹ آن کرتے ہوئے کہا۔

''امی سونے دیں نا ابھی ایک تو بجا ہے۔'' رمیل نے لائیٹ سے بچنے کے لئے منہ پر کشن رکھ لیا۔

''تمہارے ابو جاتے ہوئے کہہ کر گئے تھے کہ آج ہمدانی صاحب سے ملنے جاؤ، انہوں نے تمہاری جاب کی بات کی تھی اور تمہاری سستی پر، خفا ہو رہے تھے تمہارے ابو۔'' صبا بیگم روانی سے بولتے بولتے بیڈ کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے پچھ تلاش بھی کر رہی تھیں۔

''لو ابھی پیپرز ختم ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو ابو کو جاب کی فکر پڑ گئی ہے، ابھی تو مجھے تھکاوٹ اتارنی ہے۔'' احمر رمیل کشن کے نیچے سے خوابیدہ آواز میں بولا۔

''رمیل تمہارے ابو مارکیٹ گئے ہیں، رمضان کے لئے سودا سلف لینے آتے ہی ہوں گے تمہیں سوتا دیکھ کر ان کا پارا چڑھ جائے گا،

ناولٹ

کیوں تم بات نہیں سنتے، اصولاً تمہیں ان کے ساتھ مارکیٹ جانا چاہیے تھا، گھر کا بڑا بیٹا اور اتنا غیر ذمہ دار اچھا نہیں لگتا۔'' صبا بیگم کو وہ مطلوبہ چیز مل ہی گئی جو وہ جگہ جگہ ڈھونڈ رہی تھیں، ملی بھی تو رمیل کے تکیے کے نیچے سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ نیند میں نہیں بلکہ پورے ہوش وحواس میں اسے یہاں چھپایا گیا ہے صبا بیگم نے اے سی کا ریموٹ پکڑا اور اسے آف کر دیا۔

''یہ کیوں بند کیا ہے؟'' رمیل نے تڑپ کر کشن کے نیچے سے منہ نکال کر کہا۔

''یہ بند کروں گی تو تمہاری نیند کا بھوت اترے گا۔'' صبا بیگم قدرے غصے سے بولیں۔

سوتے میں کوئی اے سی بند کر دیتا تو رمیل کا دل چاہتا کہ چیخ وپکار شروع کر دے، اس قدر

ہنگامہ کرے'' اسے سی بند کرنے والا یا تو پسپائی اختیار کرتے ہوئے اے سی دوبارہ آن کر دے یا پھر کمرہ چھوڑ کر بھاگ جائے مگر آج ایسا کچھ نہیں ہوا، صبا بیگم ریموٹ واپس کرنے پر کسی طور آمادہ نہیں ہو رہی تھیں۔

''دس منٹ میں فریش ہو کر کمرے سے باہر آؤ، تمہارے ابو کی بھتیجی طہیرہ آ رہی ہے اسے اسٹیشن سے لینے جانا ہے تم نے۔'' صبا بیگم نیا فرمان جاری کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''چلو اب اتنی گرمی میں اس مصیبت کو لینے جاؤ۔'' رمیل منہ ہی منہ بڑبڑایا۔

''رمیل بھائی میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ طہیرہ آپی کو لینے۔'' رائمہ جوش و خروش سے بولی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے گھر ہی آنا ہے اس کی شاہی سواری نے مل لینا، ایک تو گرمی سے برا حال ہو رہا ہے اور اوپر سے ان کے یہ میلے ٹھیلے۔'' رمیل نے غصے سے گاڑی کی چابی پکڑتے ہوئے رائمہ کی طبیعت بھی ٹھیک ٹھاک صاف کر دی۔

''بہت برے ہیں رمیل بھائی، اے سی والی گاڑی میں جانا ہے اور پھر بھی گرمی گرمی کا شور مچایا ہوا ہے۔'' رائمہ چڑ کر بولی۔

''بری بات ہے بڑا بھائی ہے تمہارا۔'' صبا بیگم نے رائمہ کو ڈانٹا۔

☆☆☆

اسٹیشن پر پہنچ کر رمیل اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا مگر محترمہ کہیں نہیں دکھائی دے رہی تھی، بلیک گلاسز لگائے قدرے کوفت زدہ انداز میں وہ اسے ڈھونڈ رہا تھا، آہستہ آہستہ لوگوں کا ہجوم کم ہونے لگا، وہ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر چڑ سا گیا تھا، آخر کار تھک ہار کر اس نے طہیرہ کا نمبر ڈائل کیا۔

چند لمحوں کے بعد ایک نقاب پوش دوشیزہ اس کی نظروں کے سامنے آ گئی، سیاہ نقاب میں دودھیا رنگت دمک رہی تھی، آنکھوں میں کاجل کی گہری دھار آنکھوں کی خوبصورتی کو دوچند کر رہی تھی۔

''یہ اتنا نقاب پوش ڈاکو بننے کی کیا ضرورت تھی، صرف تمہارے اس نقاب کی وجہ سے تمہیں پہچان نہیں سکا ورنہ پچھلے ایک گھنٹے سے تم پر نظر پڑ رہی تھی اور دل کہہ رہا تھا کہ یہی تو نہیں شہزادی طہیرہ صاحبہ۔'' رمیل نے گاڑی میں بیٹھتے ہی توپ کا رخ طہیرہ کی جانب کر دیا۔

''بندہ ایک فون ہی کر دیتا ہے کہ میں نقاب پوش حسینہ یہاں کھڑی ہوں۔'' رمیل نے غصے سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

''امی نے کہا تھا کہ بڑے ابو لینے آئیں گے میرے پاس ان کا نمبر تھا آپ کے آنے کا مجھے اندازہ نہیں تھا اور نہ ہی آپ کا فون نمبر بھی میرے پاس نہیں تھا۔'' طہیرہ دلنشین سی آواز میں بولی۔

رمیل ایک لمحے کے لئے دنگ رہ گیا، خوبصورت آواز تو ہمیشہ سے اس کی کمزوری تھی، مگر جلد ہی اس نے اپنے تاثرات کو قابو میں کر لیا۔

''ویسے پہلے تو تم یہ نقاب نہیں کرتی تھی اب کیوں شروع کر دیا وہ بھی اتنی خونخوار گرمی میں۔'' رمیل نے کہتے ہوئے قدرے کوفت سے اسے گھورا۔

''بس مجبوری ہے۔'' طہیرہ نے مختصراً جواب دیا، گھبراہٹ اس کی جھیل جیسی آنکھوں سے ہلکورے لے رہی تھی۔

اس کی گاڑی سامنے کھڑے ریڑھے سے

جا کر ٹھک گئی، چند لمحوں ریڑھے والے سے منہ ماری ہوتی رہی، ایک کھا جانے والی نظر طیبرہ پہ ڈالی کہ جیسے ہر کام خراب آج اسی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

☆☆☆

کلیم صاحب گھنٹوں طیبرہ کو سینے سے لگا کر آنسو بہاتے رہے۔

''ابھی تمہارا تایا زندہ ہے، زندگی میں کبھی اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھنا، میری کوتاہی کہ زندگی کے جھمیلوں میں ایسا الجھا کہ تمہارا خیال نہ رکھ سکا اور تم سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر پلتی رہی، شیراز نے کوئی وجہ بتائے بغیر تمہیں طلاق دے دی حالانکہ ابھی صرف نکاح ہی ہوا تھا، چلو خیر روز قیامت اپنے اس فعل کا جوابدہ ہوگا، تم خوش رہو اور اب کبھی نہ رونا۔'' تایا کی محبت پر وہ آبدیدہ ہو گئی، صبا بیگم اور رائمہ کی محبت نے اسے پرسکون کر دیا تھا۔

موسم نے پلٹا کھایا ٹھنڈی ہوا اور سیاہ بدلیوں نے یوں آنکھیں دکھائی کہ گرمی کو منہ کی کھانی پڑی، ہر چہرہ شاداب و تر و تازہ دکھای دینے لگا، ہر طرف مٹی کی سوندھی مہک پھیل گئی، جب بارش کے رم جھم قطروں نے زمین کا رخ کیا، وہ کافی دیر تک رائمہ کے ساتھ بارش انجوائے کرتی رہی، اس لمحے زندگی کی تلخ حقیقتوں باتوں کے دوران بھول سی گئی، رمیل کا کمرہ خالی دیکھ کر وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گئی، اپنے کام میں اتنی مگن تھی کہ اردگرد کے ماحول سے بیگانہ ہی ہو گئی۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' رمیل کی آواز پر وہ چونکی۔

''وہ......وہ دراصل۔'' وہ گھبرائی۔

دودھیا رنگت، ستارہ آنکھیں، یاقوتی ہونٹ اور سیاہ ناگن جیسی زلفیں رمیل لمحے بھر کو مبہوت سا رہ گیا، اس کی آواز کے ساتھ ساتھ حسن بھی قیامت تھا مگر رمیل احمد شاہ بھی کچھ کم تو نہ تھے کہ چند لمحوں میں اس کے اسیر ہو جاتے بھنویں اچکا کر اس ساحرہ کے بولنے کا منتظر تھا۔

''وہ......نیٹ پر کچھ سرچ کرنا تھا۔'' وہ اس کی محویت پر گھبراتے ہوئے بولی۔

''محترمہ یہ میرا کمرہ ہے اور یہاں مکھی بھی میری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوتی۔'' رمیل نے رعب دار انداز میں کہا۔

''اصل میں مجھے بہت ضروری کام تھا اور کمپیوٹر صرف آپ کے کمرے میں تھا۔'' وہ اس کی حد درجہ تفتیش پر بولی اور آنکھیں میں نمی تیرنے لگی۔

''اچھا اب بتاؤ کیا دیکھنا تھا؟'' اچھا خاصا رعب ڈال کر جب اس کا دل بھر گیا تو بولا۔

''وہ رزلٹ چیک کرنا تھا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''نویں یا دسویں جماعت کا۔'' رمیل نے کمپیوٹر پر نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔

''جی......کیا مطلب؟'' وہ حیران رہ گئی۔

''او موٹے دماغ کی لڑکی، پوچھ رہا ہوں نویں یا دسویں کلاس کا، ہونق پن کا یہ عالم ہے کہ انشاء اللہ العزیز تین چار مضامین میں لازمی کمپارٹ آئی ہوگی۔'' رمیل نے کہتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں اس کی طرف یوں دیکھا کہ دنیا کا سب سے نالائق انسان اگر کوئی ہے تو وہ طیبرہ ذوالقرنین ہے۔

''جی نہیں، مجھے ایم ایس سی کیمسٹری کا رزلٹ معلوم کرنا ہے۔'' وہ ناگواری سے بولی۔

''اف اتنا ڈرانا اور ٹف سبجیکٹ رکھا ہے تم نے۔'' رمیل کی آنکھوں میں حیرت ابھری، لہجے

سے جلن وحسد کی بو آنے لگی تھی۔
نا جانے کیا بات تھی اس لڑکی میں کہ رمیل اس کے سحر میں جکڑنے لگتا، کبھی دلکش آواز گھائل کرتی تو کبھی حسن بے مثال راستہ روک لیتا، مگر کلیم صاحب کی لاڈلی ہونے کی وجہ سے تو رمیل اسے بخشنے کو بالکل تیار نہ تھا۔
''اوہ...... یہ تو بند ہو گیا ہے شاید کوئی پرابلم ہو گئی ہے۔'' رمیل نے چپکے سے بٹن آف کرتے ہوئے بہانہ بنایا۔
رقابت وحسد کے ہاتھوں مجبور ہو کر رمیل نے کمپیوٹر بند کر دیا، طاہرہ کی قابلیت کا جان کر اس کے سینے پر سانپ لوٹ گئے، طاہرہ کے چہرے پر چھائی رنجیدگی کے گہرے بادل دیکھ کر اس کے حاسد دل کو سکون مل رہا تھا۔

☆☆☆

طنز اور کڑوے جملوں کے تیر وہ اکثر وبیشتر اس پر برساتا رہتا، آنکھوں میں نمی لئے وہ خاموش رہ جاتی، رمیل کی چڑ اور نفرت اس کی سمجھ سے باہر تھی، بچپن کی کوئی یاد ایسی نہ تھی کہ رمیل کے ساتھ اس نے کوئی ناروا سلوک کیا ہو جس کا بدلہ وہ اب لے رہا تھا، بے حد واجبی سا تعلق رہا تھا ان دونوں کا، پھر ماموں زاد شیراز سے نکاح کے بعد تو وہ رمیل کے گھر بھی بہت کم آئی تھی، پانچ سال نکاح رہنے کے بعد شیراز نے کچھ بھی بتائے بغیر اسے طلاق کا نوٹس بھجوا دیا اور وہ اپنا ناکردہ قصور ڈھونڈتی رہ گئی، اس اچانک صدمے نے طاہرہ کی زندگی کو لق ودق تپتے صحرا میں بھٹکنے پر مجبور کر دیا، دور دور تک کوئی سایہ تھا نہ ہی مہربان دوست جو ہمدردی کے بول بول دیتا، سوتیلی ماں کے رحم وکرم پر زندگی گزرنے لگی، دن رات منحوس ہونے کے طعنے دیتی۔
''نا جانے کب میرے سینے سے یہ سل ہٹے گی۔'' سوتیلی ماں کے طعنے جلتی پر تیل کا کام کرتے زندگی آبلہ کرب بن کر رہ گئی۔

☆☆☆

''کب تک تمہاری واپسی ہو گی؟'' رمیل نے کچن میں کام کرتی طاہرہ سے پوچھا۔
''پتہ نہیں، جب تک بڑے ابو کہیں گے۔'' طاہرہ ہمیشہ اس کی آمد اور بات پر گھبرا جاتی تھی۔
''ٹھیک ہے، جب جانا ہو تو مجھے بتا دینا، آخر اسٹیشن پر تو میں ہی چھوڑنے جاؤں گا۔'' رمیل مصروف انداز میں کیلے کھاتا ہوا بے نیازی سے بولا۔
''جی ٹھیک ہے۔'' اداسی طاہرہ کے لہجے سے عیاں ہونے لگی۔
لیکن رمیل اس کی اداسی کو مکمل نظر انداز کر کے محویت سے کیلے کھا کر چھلکے فرش پر پھینکنے میں مصروف تھا۔
''رمیل کوئی گر سکتا ہے، یوں چھلکے مت پھینکیں۔'' طاہرہ زمین سے ایک ایک چھلکا اٹھاتے ہوئے ناصحانہ انداز میں بولی۔
''میں تو کیلے اسی اسٹائل سے کھاتا ہوں اور اللہ کا شکر ہے گھر میں سب کی آنکھیں سلامت ہیں، اندھا تو کوئی ہے نہیں، جو کچن میں آئے گا اسے چھلکے نظر تو آ ہی جائیں گے۔'' رمیل نے قدرے مغرورانہ انداز میں کہا اور پینٹ سے ہاتھ رگڑتا ہوا باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ کیلے کا چھلکا سچ مچ پاؤں کے نیچے آ گیا۔
دھڑام کی آواز پر طاہرہ نے مڑ کر دیکھا، رمیل انتہائی تکلیف دہ انداز میں زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔
''اوہ لگتا ہے زیادہ چوٹ آ گئی۔'' طاہرہ بھاگ کر قریب پہنچی اور اسے سنبھالتے ہوئے بولی، شرمندگی کے مارے رمیل کا چہرہ سرخ ہو رہا

تھا، مگر طہیرہ کے سامنے اپنی اکڑ توڑنے پر بالکل تیار نہ تھا۔
چند دن موچ کی وجہ سے بیڈ پر ہی گزارنے پڑے، گھر والوں کو یہ بہانہ بتایا کہ گاڑی سے ٹکرا کر پیر میں چوٹ آ گئی، پورا گھر لاڈ ناز نخرے اٹھا رہا تھا مگر طہیرہ اصل بات سے بخوبی آگاہ تھی، ماں نے صدقے میں بکرا دیا، رائمہ نے شکرانے کے نوافل ادا کیے، کہ اللہ نے ایک اکلوتے ہونہار بھائی کی جان بچالی، طہیرہ خاموشی سے رمیل کے یہ ناز نخرے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

''یہ تم نے طہیرہ سے کس قسم کی بات کی ہے؟'' رمیل جواب خاصا بہتر تھا اور ٹیبل پر بیٹھا ناشتے سے انصاف کر رہا تھا، کلیم صاحب کی بات پر چونک کر دیکھا۔
''کیا بات......کون سی بات؟'' رمیل جوس پیتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔
''یہی کہ طہیرہ واپس کب جا رہی ہے؟'' کلیم صاحب نے وضاحت کی۔
''ہاں تو اس میں ایسی کون سی غلط بات کہہ دی میں نے جو ''بی بی سی'' نے خبر آپ تک پہنچا دی۔'' رمیل نے زہریلی نگاہ طہیرہ پر ڈالتے ہوئے کہا۔
''وہ یہاں کب تک رہے گی اور کب واپس جائے گی اس کا فیصلہ کرنے والے تم کون ہوتے ہو۔'' کلیم صاحب گرجدار آواز میں بولے، صبا بیگم اور رائمہ بھی سناٹے میں آ گئیں۔
''ابو ایسی کون سی گولی چلا دی ہے میں نے آپ کی لاڈلی پر جو آپ مجھ پر یوں غصہ کر رہے ہیں۔'' رمیل کا ڈھیٹ پن برقرار تھا۔
''سوری کرو طہیرہ سے۔'' کلیم صاحب کڑک دار انداز میں بولے۔

''ابو کیا ہو گیا ہے، جو یوں سب کے سامنے بھائی کی انسلٹ کر رہے ہیں۔'' رائمہ بھائی کی حمایت میں بولی۔
''چپ کرو، تم سب کے بے جا لاڈ پیار نے اس کا دماغ آسمان پر پہنچا دیا ہے۔''
''یہ سوری کرے ورنہ۔'' کلیم صاحب نے آگے پڑی ناشتے کی پلیٹ اٹھا لی جو مختلف لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔
رمیل بے عزتی کے احساس سے کھول اٹھا، دل چاہ رہا تھا کہ طہیرہ کا خون پی جائے کلیم صاحب نے ناشتے کی پلیٹ اس کے سامنے سے اٹھا کر انوکھے لاڈلے کی جو بے عزتی کی تھی اس نے اس کا دماغ گھما ڈالا تھا۔
''سوری۔'' انتہائی غصے سے کہتا ہوا وہ کرسی دھکیل کر تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اس واقعے کے بعد تو طہیرہ کو رمیل نے اپنا حریف بنا لیا تھا، وہ کوئی کام کہتی سو سو بہانے کرتا، وہ اس کے کمرے میں صفائی کے لئے جاتی تو وہ کوئی نہ کوئی چیز گم ہو جانے کا ڈرامہ کرتا، ہر معاملے میں طہیرہ کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا۔
''میں سوچ رہا ہوں رائمہ، ابھی سی ایس ایس کا رزلٹ آنے میں کافی ٹائم ہے کوئی تخلیقی کام کر لوں۔'' رمیل نے انگریزی ناول پڑھتی طہیرہ پر فخریہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔
''کیسا تخلیقی کام بھائی؟'' رائمہ پرجوش انداز میں بولی۔
''اصل میں ایک افسانہ لکھا ہے ''دل نادان تجھے ہوا کیا ہے'' سوچ رہا ہوں کسی ڈائجسٹ میں بھیجوں۔'' رمیل نے اس ادا سے کہا کہ چہرے پر چھائے فخر و غرور کے بادل مزید گہرے ہونے لگے تھے، طہیرہ نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور

دوبارہ سے محو مطالعہ ہوگئی۔

''ارے واہ بھائی واہ، میرا بھائی رائیٹر بننا چاہتا ہے۔'' رائمہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''میں افسانہ جتنی جلدی بھیجوں گا ہوسکتا ہے عید نمبر میں شامل ہو جائے۔'' رمیل نے کہتے ہوئے پین کو فخریہ انداز میں گھمایا جیسے بہت بڑا ادیب غور و فکر میں مبتلا ہو، طاہرہ کے ہونٹوں پر مدھم سی ہنسی آگئی، یہ تو وہ جان چکی تھی کہ رمیل کو جب سے پتہ چلا ہے کہ اس نے ایم ایس سی کیمسٹری کیا ہے وہ ایک عجیب سے کمپلیکس میں آ گیا ہے ہر وقت طاہرہ کو نیچا دکھانے کی خواہش رہتی تھی۔

''کہاں بھیجوں ہر ڈائجسٹ پر تو خواتین کا قبضہ ہے، پھر بھی ہر وقت ناانصافی کا رونا روتی رہتی ہیں۔'' رمیل نے قدرے گھور کر طاہرہ کو دیکھا۔

''بھائی ایک ڈائجسٹ ایسا ہے، جس میں مرد و عورت دونوں لکھتے ہیں آپ وہاں ٹرائی کریں۔'' رائمہ نے فوراً مشورہ دیا۔

☆☆☆

افسانہ بھیج کر رمیل اس کے قابل اشاعت یا ناقابل اشاعت ہونے کے بارے میں جاننے کے لئے بے تاب تھا، سو سو بار گھڑی دیکھتا کب وقت ہو آفس ٹائم ہو اور ایڈیٹر سے بات ہو، آخر انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں اور صبر اپنی مراد کو پہنچا۔

''میں رمیل احمد شاہ بات کر رہا ہوں، ایڈیٹر صاحب سے بات ہوسکتی ہے۔'' رمیل نے قدرے مودب انداز میں پوچھا۔

''جناب رمیل صاحب اس ادارے کو ایڈیٹر صاحب نہیں بلکہ ایڈیٹر صاحبہ چلاتی ہیں۔''

ایک خوبصورت دلنشین مترنم آواز اس کی سماعت میں رس گھول گئی۔

خوبصورت آواز ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہی تھی مگر یہ آواز تو بے حد شیریں اور دل آویز تھی، اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہونے لگیں، اس نے بے قابو ہوتے ہوئے دل کو سنبھالا اور ہاتھ سے موبائل کو جو ابھی گرتے گرتے بچا تھا۔

''نام جان سکتا ہوں؟'' رمیل نے اپنی گھبراہٹ سات پردوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

''ماہ لقا خان!'' وہ دلکش انداز سے گویا ہوئی۔

''اف ایک تو آواز قاتل اور اوپر سے نام مہا قاتل۔'' رمیل خوشی سے جھوم اٹھا، یوں لگا کہ زندگی میں تراشا آئیڈیل خود چل کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

''ارے جناب کہاں کھو جاتے ہیں لمبے لمبے وقفے کے لئے، کس لئے فون کیا تھا۔'' وہ اس کی بار بار خاموشی پر بولی۔

''اصل میں ایک افسانہ بھیجا ہے ''دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے'' اس کے بارے میں پوچھنا تھا کہ وہ قابل اشاعت ہے بھی یا نہیں۔'' رمیل جو اس کی آواز کے سحر میں تھا، بمشکل بولا۔

''اچھا اچھا یہ افسانہ آپ کا ہے، میں اسی کو پڑھ رہی تھی، انداز بیاں متاثر کن ہے۔'' وہ پھر سے اسی دلنشین لہجے میں بولتی ہوئی ہنسی۔

''تو پھر کیا رائے ہے آپ کی؟'' رمیل بے تابی سے بولا۔

''ارے ارے اتنی بھی کیا جلدی ہے جب مکمل پڑھ لوں گی تب ہی مکمل رائے دے سکوں گی کہ یہ قابل اشاعت ہے یا نہیں۔'' وہ پھر سے

بولی، رمیل خاموش ہو گیا۔
''بھئی مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، آج کل ہم پرچے کی تیاری کر رہے ہیں اسی لئے مصروفیت ہے آپ کے افسانے کا نام ہی اتنا اٹریکٹیو تھا کہ میں پڑھے بغیر نہ رہ سکی۔'' وہ یوں بہلانے والے انداز میں بولی کہ رمیل کی ساری اداسی اڑنچھو ہو گئی۔
''ٹھیک ہے میں پندرہ دن بعد فون کرلوں گا۔'' رمیل کا فون بند کرنے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی۔
''ارے ارے سنیے۔'' ماہ لقا اسی قاتل انداز میں بولی۔
''جی۔'' رمیل نے کہتے ہوئے دل تھام کر قدرے نڈھال لہجے میں کہا۔
''خوش آمدید، ہماری محفل میں ایک نئے لکھاری کا اضافہ ہونے والا ہے، میں ہر لکھاری کو خوش آمدید ضرور کہتی ہوں چاہے اس کی تحریر قابل اشاعت ہو یا نہ ہو۔'' ماہ لقا نے دلکش سا قہقہہ لگا کر فون رکھ دیا۔
رمیل نڈھال ہو کر بیڈ پر گر گیا، موبائل اس کے سینے پر دھرا تھا اور بازو پھیلائے وہ یوں گرا تھا جیسے کوئی لمبی ریس لگا کر آیا ہو، ماہ لقا کی خوبصورت آواز اسے اپنے سحر میں لے چکی تھی اور یہ قید بھی بے حد حسین تھی۔
جس کی آواز اتنی خوبصورت ہے وہ خود کتنی پری چہرہ ہو گی، بینا کماری، مدھو بالا، یا پھر شمیم آراء جیسی، عمر بھی کچھ زیادہ نہیں لگ رہی، اس کے دماغ کے گھوڑے تیزی سے بھاگ رہے تھے۔
''شادی شدہ تو نہیں۔'' حسد کے زہریلے ناگ نے اپنا پھن اٹھایا۔
''اللہ نہ کرے۔'' دل اس وہم پر ہول سا گیا۔
''نہیں نہیں، شادی شدہ تو بالکل نہیں لگ رہی، شادی شدہ خواتین اتنی خوش اخلاق اور خوش مزاج تھوڑی ہوتی ہیں ان کے ہاتھ میں تو ہتھوڑا اور زبان کی جگہ خنجر ہوتا ہے جو ذرا سی بات پہ سامنے والے پر دونوں چیزوں سے حملہ کر دیتی ہیں۔'' دل رمیل کو محبت بھرے انداز میں تھپکی دی تو حسد کا ناگ بھی اطمینان سے غنودگی میں چلا گیا۔

☆☆☆

ماہ لقا رمیل کے ہوش و حواس پر قابض ہو گئی تھی، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے چشم تصور میں وہی رہتی، دل کی وادی کے کسی درخت پر بیٹھی وہ کوئل کوکتی رہتی اور رمیل مجنوں بنا اسی آواز کے سحر میں کھویا رہتا، آدھی رات کو آنکھ کھل جاتی تو بے قراری سے کروٹیں بدلتا رہتا، دل اس تبدیلی کی وجہ پوچھتا تو ایک ہی نعرہ بلند ہوتا۔
اے محبت زندہ باد۔
پندرہ دن انتظار کی سولی پر گزارنے محال ہو گئے تھے، ماہ لقا کے آفس کا ٹائم ہوتا اس کے دل کی گھڑی کی ٹک ٹک تیز ہو جاتی، نا جانے کون کون سے بہانے تراشتا اس پری پیکر کی آواز سننے کے لئے۔
''آئیڈیا۔'' اس نے چٹکی بجاتے ہوئے ماہ لقا کا نمبر ملایا۔
''ہیلو۔'' دلکش آواز فون کے دوسری جانب تھی۔
''وہ اصل میں میرا ایک کزن ہے وہ بھی آپ کے ادارے میں افسانہ بھیجنا چاہتا ہے اگر آپ اجازت......'' رمیل نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
''واہ بھئی آپ کا تو پورا قبیلہ ہی رائیٹر لگتا

ہے، بھیجئے ضرور افسانہ، اجازت لینے کی کیا بات ہے، ہمارا پرچہ آپ جیسے ہونہار ادیبوں کی وجہ سے ہی تو مقبول و معروف ہے۔" ماہ لقا اس قدر شائستہ میٹھے لہجے میں بول رہی تھی۔

رمیل کے کانوں میں رس گھول رہی تھی، وہ کیا کہہ رہی تھی یہ کون کم بخت سن رہا تھا وہ تو مختلف زاویوں سے اس کی آواز کی دلکشی نوٹ کر رہا تھا۔

"جناب رمیل صاحب، اپنے کزن کو کہیے کہ رائیٹر بننے کا شغف رکھتے ہیں تو خدارا اتنا اعتماد تو اپنے اندر جمع کیجیے کہ ایڈیٹر سے خود بات تو کر سکیں، ان شرمیلے بنے کو میرا پیغام دے دیجئے گا، آپ کو بیچ میں خواہ مخواہ کیوں "پوسٹ مین" بنایا ہے۔" ماہ لقا نے دلربا سا قہقہہ لگایا اور فون بند کر دیا رمیل مجسمہ حیرت بنا بیٹھا تھا۔

ماہ لقا کا ایک ایک لفظ سن کے دل و دماغ میں سرائیت کر رہا تھا، اس نے اتنے نشیلے انداز میں رمیل کے "فرضی کزن" کے نام پیغام بھیجا کہ رمیل کو جلن ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

طیرہ کو نیچا دکھانے کے چیلنج میں آ کر رمیل نے تخلیقی کام کی راہ تو اختیار کر لی مگر اسے کیا معلوم تھا اس راہ میں ایک حسینہ اسے ٹکرا جائے گی، ایک عجیب سا جذبہ رمیل کے دل میں انگڑائی لے رہا تھا، آج تک کسی لڑکی نے اس کے دل کے دروازے پر دستک نہیں دی تھی مگر ماہ لقا تو بنا دستک دیئے دل کی وادی میں داخل ہوئی اور نہایت شان بے نیازی سے تخت شاہی پر براجمان ہو گئی۔

ہر روز آفس ٹائم شروع ہوتے ہی رمیل کی حالت ماہی بے آب جیسی ہونے لگی، دل کو سنبھالنا مشکل ہونے لگتا، ماہ لقا شمع اور وہ پروانہ بن جاتا، اضطرابی حالت میں ٹہلتا، ناخن کترتا، ٹہل ٹہل کر ٹانگیں شل کر لیتا، اس سے بات کرنے کے لئے سو سو بہانے تراشتا، دل میں ڈر بھی ہوتا کہ کہیں ماہ لقا اس کی بے قراری نہ سمجھ جائے، مگر دل مضطر کو کسی طرح تو سکون دینا تھا نا، اس کے لئے رمیل نے ایک ترکیب سوچی، چپکے سے فون کرتا ماہ لقا کی آواز سنتا اور خود خاموش رہتا۔

"ارے جناب کیوں دشمن بنے ہوئے ہیں اپنے کریڈٹ کے اتنی مہنگائی کے دور میں خدارا خیال ہی کر لیں، بات تو کرنی نہیں تو کیوں ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔" بار بار فون اٹھانے پر جب مکمل خاموشی ملتی تو ماہ لقا ایک دو سخت باتیں انتہائی شیریں انداز میں کہہ کر فون بند کر دیتی۔

ماہ لقا کی بات سن کر رمیل کا دھیان واقعی کریڈٹ کی طرف جاتا جو خطرناک حد تک کم ہو رہا ہوتا تھا، وہ صرف ماہ لقا کی آواز سننے کے لئے بیلنس بچا بچا کر استعمال کرتا، بیلنس کو تو وہ یوں سنبھال کر رکھتا جیسے قارون کا خزانہ ہو۔

☆☆☆

رمیل کو ماہ لقا کی آواز سننے کا نشہ ہو گیا تھا، جب تک آواز نہ سن لیتا اسے قرار نہ ملتا، بکھرے بال، بڑھی شیو، کمرے کا سامان بکھرا ہوا، طیرہ اور رائمہ متعدد بار کمرے کو ٹھیک کرتیں مگر دل کی بے قراری اسے چین نہیں لینے دیتی تو وہ پھر سے کمرے کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیتا۔

"رمیل بیٹا جب تک سی ایس ایس کا رزلٹ نہیں آتا اس وقت تک کے لئے ہمدانی صاحب کے آفس میں جاب کر لو۔" صبا بیگم اس کے ماتھے پہ شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"اتنی گرمی ہے امی میں نے نہیں جانا کسی چھوٹے موٹے آفس میں انشاء اللہ میں سی ایس

ایس کلیئر کر لوں گا اور بہت بڑا افسر بنوں گا۔''
رمیل تکیے میں منہ چھپائے ہوئے بیزاریت سے بولا۔

''ارے پگلے! آج کل تو ہر چھوٹے موٹے آفس میں بھی اے سی لگے ہوتے ہیں ہم تمہیں کون سا تنور پر نوکری کرنے کو کہہ رہے ہیں۔''
صبا بیگم نے خفگی سے کہتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔

کیا بتا تا کہ ''مسئلہ گرمی'' یا ''مسئلہ چھوٹا بڑا آفس'' نہیں ہے مسئلہ محبت ہے جو اس سے سلجھایا نہیں جا رہا، ماہ لقا اس کے دل و روح میں سما گئی تھی، روئے زمین پر ابھی تک ایک انسان بھی ایسا نہیں تھا جسے وہ اپنا راز دار بنا سکے، ویسے بھی کسی کو کیا بتا تا کہ ایک انجان حسینہ سے محبت ہو گئی ہے جس کو دیکھا تک نہیں کبھی ملا بھی نہیں، بس اس کی آواز سن کر حالت مجنوں جیسی ہونے لگی ہے، جو لیلیٰ لیلیٰ کہتے ہوئے صحرائے محبت میں بھاگ رہا ہے۔

کتنا اذیت ناک ہوتا ہے انتظار کرنا، اس کا احساس اسے ان پندرہ دنوں میں ہوا تھا، کتنی راتوں سے ٹھیک طرح سے سو نہیں سکا تھا، دل ہی دل میں خود سے ہم کلام رہتا، ماہ لقا کی یاد اس کے دل پہ آرے کی طرح چلتی تو وہ بلک کر رہ جاتا، مگر اس تکلیف میں بھی میٹھا میٹھا سا سکون ملتا۔

اللہ اللہ کر کے پندرہ دن گزرے، کہنے کو تو پندرہ دن تھے مگر محبت کا دیوانہ صحرائے محبت میں پندرہ صدیاں بھٹکتے ہوئے گزار آیا تھا۔

''جی شاہ جی کیسے ہیں آپ؟'' پندرہ دن بعد ماہ لقا نے رمیل کو یوں ہوشربا انداز میں خوش آمدید کہا کہ شاہ جی خوشی سے دیوانے ہو گئے۔

''رمیل کہنے کی بجائے شاہ جی، یا ہو۔''
رمیل نے دل ہی دل میں خوشی سے نعرہ لگایا۔

''آپ نے میرا افسانہ پڑھا، قابل اشاعت ہے یا نہیں۔'' جوش میں رمیل نے ایک ساتھ پوچھا۔

''ارے ارے بے صبروں کے سردار رکیے ذرا، میں آپ کا افسانہ ڈھونڈ تو لوں آج کی نسل تو بہت بے صبری ہے۔'' ماہ لقا کی مدھر سی آواز ابھری۔

''بے صبرا۔'' رمیل تو اس لفظ پر پتھر ہو گیا، کس قدر قاتل اور توبہ شکن انداز میں ماہ لقا نے اسے بے صبرا کہا تھا، وہ واقعی بے صبرا تھا، کبھی بھوک میں، کبھی گرمی میں، اس کی بے صبری سوا نیزے پہ پہنچ جاتی تھی، گھر میں غلطی سے اسے کوئی ''بے صبرا'' ہونے کا طعنہ دیتا تو رمیل کا دل چاہتا اس کا سر توڑ دے۔

''آپ کا افسانہ تو ہمیں بہت پسند آیا ہے، آپ میں لکھنے کی بے پناہ صلاحیت ہے رمیل صاحب، آپ میں تو بہت بڑا ادیب چھپا ہوا ہے۔'' ماہ لقا دلکش انداز میں بولی۔

''تو نکالیے نا میرے اندر سے آپ اس چھپے ہوئے ادیب کو، جو شاید آپ کی توجہ کا منتظر ہے۔'' رمیل نے ذو معنی انداز میں کہا۔

''اتنی سی عمر میں اتنی پختگی۔'' ماہ لقا نے پھر سے سراہا۔

''ابھی تو شروعات ہے ماہ لقا جی، آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا۔'' رمیل نے دل کی حالت لفظوں میں بیان کرنے کی پوشیدہ سعی کی مگر، ماہ لقا اپنی ہی سناتی رہی۔

☆☆☆

دروازے پر دستک ہوئی اور کوئی اندر داخل ہوا تھا، کمرہ اے سی کی وجہ سے یخ بستہ ہو رہا تھا اور کمرے کی لائیٹ آف تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے، کسی کے کمرے میں آنے کی تمیز نہیں کہ پہلے اجازت لیتے ہیں۔''
رمیل جو پیٹ کے بل لیٹا بے فکری سے ٹانگیں دائیں بائیں جھلا رہا تھا غصے سے فوراً سیدھا ہوتے ہوئے بولا، طبیرہ کے آنے کی وجہ سے فون بھی آف کرنا پڑا تھا۔

''جب آپ جاگ رہے ہیں اور کسی سے فون پر باتیں کر رہے ہیں تو پھر لائیٹ کیوں آف ہے؟'' طبیرہ حیرت زدہ سی بولی۔

لائیٹ آن کرتے ہوئے اس نے رمیل کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔

''اپنے بے وقت آنے اور اجازت کے بغیر آنے کا مقصد بتاؤ، خواہ مخواہ میری انکوائری نہ کرو۔'' رمیل کے لہجے میں بوکھلاہٹ نمایاں تھی۔

چند لمحوں پہلے چہرے پر چھایا خمار محبت طبیرہ سے چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

''میں نے بہت دفعہ دستک دی تھی، مگر آپ باتوں میں اتنے مگن تھے کہ آپ کو سنائی نہیں دے رہا تھا۔'' طبیرہ نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، میں بہرا ہوں مجھے کچھ سنتا نہیں ہے۔'' رمیل نے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے مصنوعی رعب ڈالا، طبیرہ نے کچھ کہنا مناسب نا سمجھا اور ریموٹ پکڑ کر اے سی آف کر دیا۔

''یہ اے سی کیوں آف کیا ہے؟'' رمیل نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بڑے ابو نے کہا تھا کہ اے سی بند کر دو اور رمیل کو بلا کر لاؤ۔'' طبیرہ پیغام پہنچا کر باہر نکل گئی، رمیل کا دماغ ہی گھوم گیا تھا، سارے موڈ کا ستیاناس ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا طریقہ ہے برخوردار، چار چار بجے سو کر اٹھتے ہو، اے سی ایک منٹ کے لئے بند نہیں ہوتا اور کتنی بار کہا ہے کہ ہمدانی صاحب جاب کی آفر کر رہے ہیں ان سے مل لو، جب تک سی ایس ایس کا رزلٹ نہیں آتا کم از کم تجربہ ہی حاصل کر لو۔'' کلیم صاحب رمیل کی لاپروائی کئی دنوں سے برداشت کر کے عاجز آ گئے۔

''ابو ایک مہینے تک رزلٹ آ جانا ہے، پھر کیا فائدہ ہے ان ٹکے ٹکے کی نوکریاں کرنے کا۔'' رمیل نے بے نیازی سے کہا۔

''میاں لوگ ترستے ہیں نوکریوں کے لئے، تمہیں پلیٹ میں رکھ کر پیش کی جا رہی ہے تو نازنخرے دکھا رہے ہو، آج باپ سر پر ہے تو یہ عیش ہو رہے ہیں، جب نہیں ہوں گا تو دیکھوں گا کہ یہ اے سی چوبیس گھنٹے کیسے چلتا ہے اور تو اور نوکری سے بچنے کے لئے نیا ڈرامہ شروع کر دیا ہے لاڈلے صاحب نے، رائیٹر بننے چلے ہیں ہاں جی باپ کی بوٹیاں توڑو اور آرام سے اے سی میں بیٹھ کر کاغذ کالے کرو، موج لگی ہوئی ہے۔'' کلیم صاحب نے انتہائی دکھ بھرے انداز میں کہتے ہوئے صبا بیگم اور رائمہ کو دیکھا، رمیل اپنی درگت بننے پر بل کھا کر رہ گیا۔

''اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو، اپنے ابو کے ساتھ مارکیٹ جاؤ، کسی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' صبا بیگم نے رمیل کو سن کھڑا دیکھ کر گھر کا۔

● گھر والوں کے طعنے سن کر وہ مجبور ہو کر کام میں دل لگانے کی کوشش کرتا مگر دل نادان کہیں بھی توجہ لگانے سے انکار کر دیتا، دل و دماغ میں ماہ لقا کا خیال ہی ڈیرے جمائے رکھتا، واقعی محبت بہت حسین جذبہ ہے انسان کو بے خود سا کر دیتا ہے، اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے، کسی کو چاہنے کا احساس اس قدر انمول ہوتا ہے پہلی بار رمیل کو زندگی میں پہلی بار احساس ہو

رہا تھا، ماہ لقا کی زندگی سے بھرپور باتیں، اس کے کانوں میں رس گھولتی، نا جانے کیا طلسم پڑھ کر ماہ لقا نے اس پر پھونکا تھا۔

☆☆☆

اب اس کے ماہ لقا کے درمیان خاصی بے تکلفی آ گئی تھی، رمیل اب کسی بہانے کے بغیر بھی وہ ماہ لقا کو فون کر لیا کرتا، وہ نہایت خوشدلی کے ساتھ گپ شپ لگاتی۔

''میں آپ کو رسالے کے لئے کچھ شاعری بھی بھیجنا چاہتا ہوں۔'' رمیل محبت سے لبریز لہجے میں بولا۔

''ارے شاہ جی واہ، آپ صرف ادیب ہی نہیں شاعر بھی ہیں۔'' ماہ لقا نے یوں لہک لہک کر ''شاہ جی'' کہا کہ رمیل کا دل بہکنے لگا۔

''جدوں ہولی جئی لیندا میرا ناں میں تھاں مر جاں نی آں۔'' رمیل کو تھاں مر جانے کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ بھیجنے سے پہلے آپ کو اپنا تازہ کلام ایک دفعہ سنا دوں تاکہ پتہ تو چلے کہ میں شاعر ہوں بھی یا نہیں۔'' رمیل پرانے رسالوں سے شاعری چوری کرتا اور ماہ لقا کے سامنے ظاہر کرتا کہ شاعری اس کی اپنی ہے، شاعری سناتے ہوئے کان خرگوش کی طرح کھڑے رکھتا کہ ماہ لقا کو شک تو نہیں ہو رہا کہ یہ شاعری چوری شدہ ہے۔

''جی جی ارشاد۔'' ماہ لقا پاکیزہ کی مینا کماری کے اسٹائل میں گویا ہوئی۔

غمزہ نہیں ہوتا اشارہ نہیں ہوتا
آنکھ ان سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا
اللہ بچائے مرض عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا
تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گل تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

''ارے واہ واہ شاہ جی آپ نے تو شاعری میں بھی میلہ لوٹ لیا ہے، جلدی ارسال کریں ہمیں اپنی شاعری۔'' ماہ لقا خوش دلی سے بولتی گئی۔

عشق و مشک چھپائے نہیں چھپتے، رمیل کا ہر وقت فون کان سے لگائے رکھنا، رائمہ کو بہت کچھ سمجھا گیا، بہت کرید نے کے بعد رمیل نے راز محبت اس سے شیئر کر ڈالا۔

''رائمہ تمہارا بھائی ایڈیٹر صاحبہ کو افسانہ بھیجتے بھیجتے اپنا دل ہی دے بیٹھا ہے۔'' رمیل دردناک لہجے میں بولا۔

''بھائی کیا وہ بھی آپ سے محبت کرتی ہے کبھی انہوں نے اظہار محبت کیا؟'' رائمہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی مجھے کچھ آئیڈیا نہیں کہ یہ آگ دونوں طرف لگی ہوئی ہے یا صرف میں ہی آتش محبت میں تنہا جل رہا ہوں۔'' رمیل غمناک لہجے میں بولا، بھائی کی نم نگاہوں نے رائمہ کو تڑپا دیا۔

''لیکن بھائی آپ کو ان سے ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں پوچھنا چاہیے۔'' رائمہ نے مشورہ دیا، رمیل پل بھر کے لئے چپ سا ہو گیا، درد دل بڑھتا جا رہا تھا۔

''بھائی کیا پتہ وہ منگنی شدہ ہوں یا شادی شدہ ہوں۔'' رائمہ نے خدشے کا اظہار کیا، دروازے پر دستک نے دونوں کو چونکا دیا۔

''ارے رائمہ تم یہاں ہو، میں سارے گھر میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی، آؤ رمضان المبارک کا چاند دیکھنے چھت پر چلیں۔'' طہیرہ نے رمیل پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے رائمہ سے کہا۔

''آئیں بھائی آپ بھی۔'' رائمہ نے رمیل کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کے لئے اصرار کیا، وہ بے دلی

سے چل پڑا۔

رمضان کا چاند نظر آ گیا، طہیرہ اور رائمہ گلے لگ کر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہی تھیں، طہیرہ کی نظر رمیل پر پڑی تو وہ خلاف معمول سنجیدہ سا دکھائی دیا، ورنہ سنجیدگی اور رمیل دونوں ندی کے کنارے تھے جو جدا جدا ہی رہتے۔

رمیل اداس آنکھوں سے آسمان کی وسعتوں میں کھویا تھا، چاند کو دیکھا تو چشم تصور میں اپنا چاند آنکھوں کے سامنے آ گیا، گلابی رنگت، یاقوتی لب، سیاہ گھنی زلفیں ماہ لقا کا فرضی خاکہ اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا، ویسے بھی جن کی آواز خوبصورتی ہوتی ہے وہ خود بھی بے حد حسین ہوتی ہیں، مدھو بالا، مینا کماری، ہیما مالنی خود بھی پری چہرہ تھیں اور ان کی آواز بھی دلنشین، دل کی تسلی پر وہ پرسکون ہونے لگا۔

☆☆☆

رائمہ کی بات رمیل کے دل کو لگی واقعی ہی اسے ماہ لقا سے ذاتی طور پر پوچھنا چاہیے کہ کہیں اس کی زندگی میں کوئی اور تو نہیں۔

رمیل جب بھی اس سے ذاتی نوعیت کی بات کرتا تو وہ ٹال مٹول کر جاتی۔

''آپ مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتی۔'' رمیل خفا ہونے لگا۔

''ارے ارے ہمارا دوست ناراض ہو گیا۔'' ماہ لقا شوخ ادا سے بولتی۔

''دوست...... صرف دوست ہوں آپ کا میں۔'' رمیل گمبھیر لہجے میں بولا۔

''اور کیا کہیں ہم...... آج تک کسی رائیٹر کے ساتھ نہ تو دوستی کی ہے اور نہ ہی بے تکلف ہوئی ہوں، آپ سے بات کر کے اچھا لگتا ہے۔'' ماہ لقا روٹھے ہوئے رمیل کو مناتے ہوئے ادائے دلنشین سے بولی۔

''دل کی بات...... آپ نے ابھی مجھ سے دل کی بات ہی کون سی کی ہے۔'' رمیل کی ناراضگی برقرار تھی۔

☆☆☆

''ارے واہ، آج تو افطاری میں بہت کچھ بن رہا ہے۔''

رمیل کے منہ میں پانی آ گیا بھری ٹیبل دیکھ کر۔

''جس نے روزہ نہیں رکھا، وہ ٹیبل پہ نہیں بیٹھ سکتا، کیونکہ یہاں روزہ دار روزہ افطار کریں گے۔'' کلیم صاحب قدرے سخت لہجے میں بولے، سب کی نظریں بے اختیار ہی رمیل کی جانب اٹھ گئیں۔

''کلیم صاحب! کیا ہو گیا ہے، آپ تو حد کر دیتے ہیں بچہ ہے گرمی کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا، کیا اب کچھ کھانا منع ہے۔'' صبا بیگم اس کے خفت سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر بلبلا اٹھیں۔

''یہ بچہ ہے، جوان ہو گیا ہے، پہلے تو پڑھائی کا بہانہ بنا کر روزہ چھوڑ دیتا تھا اب کیا بہانہ ہے اس کے پاس اور کیا گرمی اسی کو لگتی ہے، جب اللہ کا حکم نہیں مانتا تو بغیر روزہ رکھے اس کا رزق کھانے کا بھی کوئی حق نہیں۔'' کلیم صاحب درشتی سے بولے۔

شرمندگی اور غصے کے مارے رمیل کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، وہ غصے سے اٹھا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا، دل چاہ رہا تھا کہ ماہ لقا کو فون کرے اور اپنا دل ہلکا کرے اس کا میٹھا لہجہ اس کے سارے غم دور کر دے ہر کوئی زہر لگ رہا تھا، صرف ایک ماہ لقا تھی جس نے کبھی بھی رمیل سے رکھائی سے بات نہیں کی تھی۔

''بھائی کھانا کھالیں۔'' رائمہ اور طیبرہ کھانے کی ٹرے لئے اندر آگئیں، لائیٹ، پنکھا، بند، رمیل پسینے میں شرابور خود کو اذیت دے رہا تھا۔

''نہیں کھانا مجھے کھانا، مرنے دو مجھے بھوکا۔'' رمیل دکھ بھرے لہجے میں بولا، کلیم صاحب کا ایک ایک لفظ اس کی روح کو چھلنی کر گیا تھا۔

''رمیل آپ بڑے ابو کی باتوں کا ہمیشہ نیگٹیو کیوں لیتے ہیں، بے شک ان کا انداز سخت مگر بات درست تھی ایک صحت مند انسان کے لئے بغیر شرعی عذر روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔'' طیبرہ ناصحانہ انداز میں بولی۔

''رائمہ بڑے ابو کی اس لاڈلی سے کہو کہ یہ کمرے سے چلی جائے ورنہ میں سارا غصہ اسی پر نہ نکال دوں۔'' رمیل غصے سے غرایا۔

دہکتی ہوئی آنکھیں طیبرہ کے پاکیزہ چہرے پر ٹکی تھیں کہ آج جلا کر بھسم کر دے گا رمیل کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا، رائمہ کو ایک ترکیب سوجھی۔

''بھائی آپ کو ماہ لقا بھابھی کی قسم ہے کچھ تو کھالیں۔'' رائمہ نے کان میں سرگوشی کی۔

ماہ لقا کا نام سن کر رمیل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، طیبرہ دونوں بہن بھائی کی بات تو سن نہ سکی مگر حیرت میں مبتلا ہو گئی، آخر رائمہ نے تاش کا ایسا کون سا پتہ کھیلا تھا کہ بازی ایکدم سے الٹ گئی، دونوں کی آپس کی بات تھی وہ کرید نہیں سکتی تھی مگر حیران تو جی بھر کر ہو سکتی تھی۔

''شرعی عذر۔'' رمیل کے دماغ میں طیبرہ کے کہے گئے الفاظ گردش کرنے لگے۔

کروٹیں بدلتے بدلتے وہ تھکنے لگا، یہ رت جگا نا جانے کس بات کی سزا تھی، وہ سونے کے لئے خود سے لڑ رہا تھا، مگر نیند نے آج آنکھوں میں نہ سمانے کی قسم کھا رکھی تھی، دور مسجدوں سے سائرن بجنے کی آوازیں آنے لگیں۔

قرب و جوار کی مسجدوں سے مولوی حضرات سحری کا وقت شروع ہونے کا اشارہ دے رہے تھے۔

رمیل تھک ہار کر اٹھ بیٹھا، واقعی طیبرہ صحیح کہتی ہے ایک جوان صحت مند انسان کے لئے روزہ چھوڑنے کی ممانعت ہے، جان بوجھ کر اللہ کا فرض صرف اس لئے چھوڑ دے کہ گرمی بہت ہے پیاس کی شدت برداشت نہیں ہوتی، یہ تو حقوق اللہ میں صریح زیادتی ہے بندے کی۔

ضمیر کے کوڑے برس رہے تھے، ضمیر کی مار اور مزید طعنے رمیل کی برداشت سے باہر ہونے لگے تھے، وضو کیا اور خدائے بزرگ و برتر کے حضور سجدہ ریز ہو گیا، گزشتہ سال کی کوتاہیوں کا اعتراف کیا اور آئندہ کے روزے پابندی سے رکھنے کا عہد کیا۔

اور پھر سحری کھانے کے لئے یوں اکڑ کر وہ بیٹھا تھا، کہ لوگو دیکھو رمیل احمد شاہ روزہ رکھنے آئے ہیں، یہ کوئی عام بات نہیں ہے، کوئی ہے جو رمیل احمد شاہ کو سحری کھانے سے بے دخل کر سکے، صبا بیگم اور رائمہ خوشی سے نہال ہو رہی تھیں۔

طیبرہ کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی، رمیل کے چہرے کے فخریہ تاثرات اسے محظوظ کر رہے تھے۔

''ارے بھئی طیبرہ جلدی سے پراٹھے اور دہی لے آؤ، بہت سست ہو تم۔'' رمیل جو بے حد مصروف انداز میں بولا۔

''صرف سحری کھانے بیٹھے ہو یا سچ مچ کا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے۔'' کلیم صاحب نے

زہر خند لہجے میں کہا۔

''روزہ اللہ کے لئے ہے میں خواہ مخواہ کیوں اعلان کرتا پھروں، کہ میں روزہ رکھ رہا ہوں ویسے بھی افطار تک معلوم ہو جائے گا آپ لوگوں کو کہ میرا روزہ ہے یا نہیں۔'' رمیل نے کالر ٹھیک کرتے ہوئے یوں فخر سے کہا کہ رائمہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، طہیرہ اور صبا بیگم کے لبوں پر ہنسی آ گئی۔

مگر کلیم صاحب اس کی غیر سنجیدہ طبیعت سے سخت نالاں تھے۔

''بھائی چڑی روزہ تو نہیں رکھ رہے؟'' رائمہ بمشکل ہنسی ضبط کرتی شرارت سے بولی۔

''ارے ارے لڑکی صبر، اتنی جلدی کس بات کی ہے ذرا چڑیوں کو صبح میدان میں نکلنے دو پھر خود بخود عیاں ہو جائے گا کہ کس کا چڑی روزہ تھا۔'' رمیل نے تفاخر سے کلیم صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

کلیم صاحب کے سامنے اپنے آپ سے لڑ کر روزہ تو رکھ لیا مگر ہمت جواب دینے لگی تھی، روزہ گزارنے کے لئے رمیل ماہ لقا سے گپ شپ لگانے لگا اور بہانے بہانے سے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں سوال کرنے لگا مگر وہ ہر بار ہنسی میں ٹال دیتی۔

ماہ لقا کا سارا دھیان افسانے، ناول اور ناولٹ کی باریکیاں سمجھانے کی طرف لگا رہتا، کبھی شاعری کے داؤ پیچ تو کبھی گہرے اصول سمجھاتی، رمیل اس کی ان خشک باتوں سے چڑ سا جاتا، وہ بار بار پٹری سے اترنے کی کوشش کرتا مگر ماہ لقا بھی اس کی ہر کوشش ناکام بنا دیتی۔

''میں آپ سے ملنے آنا چاہتا ہوں، آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' رمیل نے دل کی بات قدرے خفگی سے کہہ ڈالی۔

''سو بسم اللہ شاہ جی جب دل کرتا ہے میرے آفس آئیں مگر آنے سے پہلے اطلاع ضرور کر دیں، رمضان کے دن ہیں ٹائم ٹیبل بدل جاتا ہے، یہ نا ہو کہ میرا پیارا سا دوست آ کر بیٹھا رہے اور میں مل ہی نہ پاؤں۔'' ماہ لقا کے لہجے میں نامعلوم سی شفقت اُمڈ آئی۔

''کتنی بار سمجھایا ہے آپ کو مجھے صرف دوست نہ سمجھا کریں۔'' رمیل حسب توقع چڑ سا گیا۔

''تو کیا بنا چاہتے ہیں آپ کو میں کیا سمجھا کروں؟'' ماہ لقا شرارتی لہجے میں بولی۔

''آتا ہوں کسی دن آپ کے آفس، پھر بتاتا ہوں آپ کو ''ہم آپ کے ہیں کون'' اور کیا بنا چاہتا ہوں۔'' رمیل نے ذومعنی انداز میں فلمی ڈائیلاگ مارا۔

آدھا دن گزر گیا تھا، عام دنوں کی نسبت آج کا روزہ کچھ زیادہ ہی گرم تھا، پیاس کی شدت سے رمیل کا چہرہ سفید ہونے لگا تھا، حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے، طہیرہ کام کاج کرتے ہوئے انوکھے لاڈلے کی نازک مزاجیاں ملاحظہ کر رہی تھی، مگر کسی چیز سے بھی رمیل کو افاقہ نہیں ہو رہا تھا، ماہ لقا کے آفس کا ٹائم بھی ختم ہو چکا تھا ورنہ اس کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا، اب تو روزہ گزارنا عذاب ہو رہا تھا، ٹائم پاس کرنے کے لئے اس نے فلم لگا لی۔

''رمیل کیا فائدہ ایسے روزے کا جس میں سارے کام شیطانی ہو رہے ہوں اور رب کریم کی نافرمانی ہو رہی ہو۔'' گانے کی آواز سن کر طہیرہ کمرے میں داخل ہوئی گہری طائرانہ نگاہ ٹی وی پر ڈالتی ہوئی بولی۔

''تو نہیں گزر رہا روزہ کیسے ٹائم پاس کروں۔'' رمیل زہر خند لہجے میں بولا۔

''کیا روزہ صرف ٹائم پاس ہوتا ہے، کیا یہ رحمت کا مہینہ صرف ہمیں ٹائم پاس کرنے کے لئے عطا کیا گیا ہے۔'' طبیرہ ناصحانہ انداز میں بولی۔

''اچھا جی ملانی صاحبہ معاف کر دیں، پھر کیا کروں۔'' رمیل قدرے نڈھال لہجے میں ہار مانتے ہوئے بولا۔

''نماز پڑھیں، قرآن کو کھولیں جو ہم سارا سال کھولنے کی زحمت نہیں کرتے اس پر غور کریں پھر دیکھیں روزہ گزرتا ہے یا نہیں۔'' طبیرہ نے ریموٹ سے ٹی وی آف کیا اور ملامت بھری نگاہ رمیل پر ڈال کر باہر نکل گئی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے، روزے کی اصل روح یہی ہے کہ نفس پر قابو پایا جائے، زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارے، فضولیات سے بچا جائے، جب روزہ رکھ کر بھی یہ سب الٹے سیدھے کام کرنے ہیں تو ایسا احسان عظیم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' رمیل اٹھ کر وضو کرنے لگا، تلاوت قرآن پاک سے اس کے دل کو سکون ملا، اپنا آپ بہت ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔

افطاری کے وقت ٹیبل پر آکے بیٹھا تو بے اختیار نظر طبیرہ پہ اٹھ گئی، سفید شلوار قمیض میں وہ بے حد پاکیزہ اور تر و تازہ لگ رہی تھی، روزے کی اصل روح کو سمجھ کر اسے گزارنے والے یوں مطمئن و پرسکون نظر آتے ہیں، اس کے اندر کی اچھائی اس کے ظاہر کو روشن کر رہی تھی، رمیل نے نظریں چرالیں۔

ابو کی حمایت اور محبت نے اسے خواہ مخواہ طبیرہ کا حریف بنا دیا تھا، مگر دل اس کی حمایت میں قلابے ملانے لگتا، اگر وہ ماہ لقا کا اسیر نہ ہوتا تو طبیرہ سے محبت کرنے میں دیر نہ لگاتا کیونکہ دل اکثر و بیشتر یہی پکارتا تھا۔

''بات جو بھی یہ لڑکی کہتی ہے اس میں وزن ہوتا ہے، سیدھی جا کر دل کو ٹھا لگتی ہے۔''

☆☆☆

روزہ کھولنے کے بعد ہی رمیل پانی پر ٹوٹ پڑا، پیٹ نے جواب دے دیا تھا مزید پانی سٹور کرنے سے، روزہ کھول کر یوں آنکھیں بند کیے پڑا تھا کہ جیسے مریض وینٹی لیٹر پر زندگی کے آخری سانس لے رہا ہو، طبیرہ اور رائمہ اس کی حالت پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔

''امی ان دونوں کو منع کر لیں، ورنہ میں ٹھنڈے پانی کی بوتل ان پر پھینک دوں گا۔'' رمیل صبا بیگم کی گود میں سر رکھ کر لیٹا تھا قدرے نقاہت بھری آواز میں بولا اور کھا جانے والی نظروں سے دونوں کو گھورا۔

''رمیل! میری جان مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' صبا بیگم کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔

''جی امی! پوچھیئے۔'' رمیل نے محبت سے ماں کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''بیٹا رائمہ بتا رہی تھی کہ تم کسی لڑکی کو پسند کرنے لگے ہو، وہ کسی رسالے کی ایڈیٹر ہے۔'' صبا بیگم بغیر کسی تمہید کے اصل بات پر آگئیں۔

''جی امی، ماہ لقا بہت اچھی لڑکی ہے۔'' رمیل کے لہجے میں ماہ لقا کے لئے بے حد محبت تھی۔

''پھر بھی بیٹا، کون ہے کیسی ہے، تم نے دیکھا تک نہیں ہے، صرف فون پر بات ہوئی ہے اور تم نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا ہے۔'' صبا بیگم ہنوز تشویش زدہ تھیں۔

''امی بالکل پریشان نہ ہوں، آپ اس سے

ملیں گی تو آپ کو اپنے بیٹے کی پسند پر ناز ہوگا۔“ رمیل پریقین لہجے میں بولا۔

”بیٹا تم ابھی جاب پر بھی نہیں لگے اور اوپر سے یہ محبت کا چکر، اپنے ابو کے سامنے شرمندہ نہ کروادینا۔“ صبا بیگم کی آواز رندھ گئی۔

”امی میں اس لڑکی سے بے پناہ محبت کرنے لگا ہوں، کوئی ٹائم پاس نہیں کررہا، اس کے ساتھ جو آپ سب کے لئے باعث ندامت ہو، میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، بس آپ کا بیٹا بڑا افسر بن جائے پھر ماہ لقا کے گھر ملوانے کے لئے لے کر جاؤں گا۔“ رمیل نے بھرپور انداز میں کہہ کر انہیں مطمئن کرنا چاہا، مگر ان کے چہرے پر بے اطمینانی ہنوز قائم تھی۔

☆☆☆

جوں جوں وقت گزر رہا تھا، رمیل کی ماہ لقا کے ساتھ محبت شدت اختیار کرتی جارہی تھی، بہت دفعہ فون پہ اظہار محبت کرنے کی کوشش کرتا مگر، ماہ لقا اسے موقع نہیں دیتی تھی کہ وہ کوئی بھی ایسی بات کرتا، وہ اسے کامیاب رائٹر بننے کے گر سکھاتی جنہیں وہ بے دلی سے سنتا رہتا۔

رمیل کیسے اسے سمجھاتا کہ ماہ لقا کے بغیر اب زندگی گزارنا محال ہے، آتش محبت اس کے وجود کو جلا کر راکھ کردیتی تھی، صرف آواز سن کر یہ حال ہوگیا تھا دیدار کا عالم کیا ہوگا۔

عورتیں اس معاملے میں بہت سمجھدار ہوتی ہیں اشارے کنایوں کو فوراً سمجھ جاتی ہیں، مگر ماہ لقا، دو مہینے بات کرتے ہوگئے ہیں، وہ اسے ابھی تک رائیٹر کی طرح ڈیل کررہی تھی اس کے جذبات سے یکسر لاعلم تھی۔

”کہیں وہ کسی اور سے محبت تو نہیں کرتی۔“ یہ خیال آتے ہی حسد کا زہریلا ناگ رمیل کو ڈسنے لگتا ان ہی دنوں۔

رمیل کا سی ایس ایس کا رزلٹ آگیا تھا، شاندار کامیابی نے اسے پھر سے گھر بھر کا منظور نظر بنا دیا، کلیم صاحب کی تمام شکایتیں دور ہو گئیں، صبا بیگم اپنے لاڈلے پر صدقے واری جا رہی تھیں، رائمہ اور طیبہ بھی اس کی خوشی میں شریک تھیں۔

موقع بھی تھا اور دستور بھی، رمیل نے چند قیمتی گفٹ ماہ لقا کے لئے خریدے اور اپنی خوشی میں اسے شریک کرنے اور حال دل سنانے بتائے بغیر اس کے آفس جا پہنچا۔

”آج تو وہ اظہار محبت کر ہی ڈالے گا، ہر بات کھل کر کرے گا، دیکھے گا کہ وہ پری چہرہ کیسی ہے جس نے اسے اپنی آواز کے سحر میں جکڑ کر دیوانہ بنا دیا ہے، جو اب ساری زندگی اس ساحرہ کی قید میں رہنا چاہتا ہے۔“

سارے راستے وہ اپنے جذبات کے اظہار کے بارے میں سوچتا رہا، کافی دیر انتظار کرتا رہا، مگر وہ گل رخ نہ آئی۔

”جناب میڈم بہت مصروف ہیں وہ آج کسی سے نہیں مل سکتی۔“ پیون نے اطلاع دی۔

اس کا دل بجھ کر رہ گیا، آج بھی وہ دیدار یار سے محروم رہا، اس کا دل ماتم کناں تھا، کیوں آخر ماہ لقا اور اس کے درمیان اتنی رکاوٹیں حائل ہیں، وہ تمام گفٹ ماہ لقا تک پہنچانے کا کہہ کر آفس سے باہر آگیا، گھر پہنچا ہی تھا کہ ماہ لقا کا فون آ گیا۔

”رمیل صاحب پہلے تو آپ کو اتنی شاندار کامیابی پر بہت بہت مبارکباد، آپ کے قیمتی تحائف کا بہت شکریہ، مجھے دل کی گہرائیوں سے افسوس ہے کہ میں آپ سے مل نہ سکی، میں نے آج تک کبھی کسی رائیٹر کو فون نہیں کیا مگر آپ بہت اپنے اپنے سے لگتے ہیں۔“ ماہ لقا انداز

دلربائی سے بولی۔

اس کی باتیں رمیل کے دل کے غم کو دور کر رہی تھیں، وہ اس کے دلی جذبات پر بہت خوشی محسوس کر رہا تھا۔

''ماہ لقا مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے، آپ کی آواز نہ سنوں تو میرا دن نہیں گزرتا، آپ میری دل و جان میں سما گئی ہیں، میں...... میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' رمیل نے بے دھڑک دل کی بات کہہ ڈالی۔

تیری یاد علاج غم ہے
سوچ تیرا مقام کیا ہو گا؟

''ماہ لقا آپ میری بات سن رہی ہیں۔''

دوسری جانب مکمل خاموشی پر رمیل نے پوچھا۔

وہ شدت سے ماہ لقا کے جواب کا منتظر تھا، مگر فون کے دوسری جانب خاموشی کا راج تھا، گہری خاموشی۔

''ہیلو...... ہیلو۔'' بولتے ہوئے رمیل کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

خراب سگنل کے باعث رابطہ منقطع ہو گیا تھا، آج بھی وہ ماہ لقا تک اپنے جذبات نہیں پہنچا سکا تھا، اس کا دل جلنے لگا اور آنکھیں سلگنے لگیں وہ اضطرابی حالت میں ٹہلنے لگا۔

☆☆☆

رمیل دیدار یار کے لئے تڑپ رہا تھا، کہ کلیم صاحب کے نئے فیصلے نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

''عید کے تیسرے دن بعد تمہارا اور طاہرہ کا نکاح ہے۔''

''کیا میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ میری مرضی کے خلاف کر لیا اور مجھ سے کسی نے پوچھا بھی نہیں، میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور اسی سے شادی کروں گا۔'' رمیل نے بلا جھجک سب گھر والوں کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کر ڈالا۔

''میرے جیتے جی، طاہرہ کے علاوہ کوئی لڑکی اس گھر میں بہو بن کر نہیں آ سکتی۔'' کلیم صاحب نے آخری فیصلہ سنایا۔

''ٹھیک ہے ابو آپ اپنی مرضی کر لیں، مگر میں ماہ لقا سے شادی ضرور کروں گا، پھر گلہ نہ کیجئے گا کہ آپ کی لاڈلی پر سوتن آ گئی، کیونکہ اس سب کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔'' وہ طاہرہ کو گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

طاہرہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مورد الزام ٹھہرائی گئی تھی، زندگی نے ہر قدم پر اس کو تماشا بنا دیا تھا سدا ان چاہی رہی تھی وہ۔

سارا دن روزہ رکھے وہ سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا، ماہ لقا سے ملنے کی ہر تدبیر ناکام ہوئی جا رہی تھی، اس سے رابطہ بھی ممکن نہیں تھا، ہر بار ظالم سماج اسے ماہ لقا سے دور کر رہا تھا۔

''یا اللہ تو ہی میری مشکل آسان فرما۔'' رمیل نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دعا مانگی، آنکھیں بھیگنے لگیں تھیں۔

☆☆☆

رمیل گھر میں داخل ہوا تھا کہ صبا بیگم اور رائمہ کے ہاتھوں میں سرخ عروسی جوڑا اور زیورات دیکھ کر اس کا دل رونے لگا، یعنی کلیم صاحب اپنے فیصلے پر قائم تھے، رمیل نے سب چیزوں کو نفرت سے دیکھا اور جانے لگا تھا کہ۔

''رمیل بات سنو۔'' صبا بیگم کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔

''رمیل! طاہرہ بہت نیک بچی ہے، تمہارے ابو کا فیصلہ غلط نہیں ہے، تم ٹھنڈے دل سے ان کی بات پر غور تو کرو، وہ اپنے فیصلے کو کسی صورت نہیں بدلیں گے، بیٹا بھول جاؤ اس لڑکی کو جس کو تم نے کبھی دیکھا تک نہیں ہے اور بس اس کی آواز کے دیوانے ہو کر اپنی زندگی کی خوشیوں

کو خود پر حرام کر لیا ہے۔'' صبا بیگم بھیگے لہجے میں اسے سمجھا رہی تھیں۔

''امی...... مجھے یقین ہے وہ بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے، میں اس کے بغیر مر جاؤں گا۔'' رمیل آبدیدہ ہو گیا، وہ شکستہ انداز میں کہتا ہوا صبا بیگم کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

صبا بیگم بیٹے کی حالت پر بے چین ہونے لگیں، ایک انجان لڑکی پر غصہ آنے لگا تھا جس نے رمیل کی کیا حالت کر ڈالی تھی۔

رمیل نے اپنے آپ کو ایک کمرے میں قید کر لیا تھا، نہ سحری نہ افطاری میں وہ سب کے ساتھ بیٹھتا، پورے گھر میں اداسی کا راج تھا، طبیرہ اپنی جگہ پر چور بن گئی تھی، صبا بیگم اور رائمہ خاموش تھیں، رمیل کی شوخی سارے گھر میں رنگ بھر دیتی تھی سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر جاتی تھی۔

''سمجھا لو اپنے لاڈلے کو، اس لڑکی کا خیال دل سے نکال دے اور یہ بلیک میل کرنے والے ڈرامے بند کر دے، میں اس کے ڈراموں کی وجہ سے اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔'' کلیم صاحب بظاہر صبا بیگم سے مخاطب تھے مگر سنا رمیل کو رہے تھے۔

کچن میں کام کرتے ہوئے طبیرہ سب کچھ خاموشی سے سن رہی تھی، آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، اس کی ذات ایک بار پھر متنازعہ ہو گئی تھی، بہت دفعہ سوچتی کہ بڑے ابو سے کھل کر بات کروں اور شادی سے خود ہی انکار کر دے، ویسے بھی زندگی میں جس سے محبت کی تھی اسی نے ٹھکرا کر دنیا کے سامنے اس کی ذات کو رسوا کر دیا تھا، رمیل کے حوالے سے اسے بہت سے خدشات تھے وہ تو اسے اپنے گھر میں برداشت نہیں کر رہا تھا اپنی زندگی میں اسے کیسے برداشت کرے گا، کیسے قبول کرے گا اس نئے رشتے کو وہ، جبکہ اس کی زندگی میں ماہ لقا کی محبت پہلے سے ہی موجود تھی، ہر آنے والا پل طبیرہ کو ہوا ہوئے جا رہا تھا، سوچ سوچ کر دماغ بند ہونے لگا تھا مگر حل سمجھ نہیں آ رہا تھا، بڑے ابو انکار کو اگر برداشت نہ کر پائے تو نا جانے کیا ہو جائے گا جو اسے مجرم بنا دے، رمیل سے آتے جاتے جب بھی سامنا ہوتا تو وہ شرمندگی کے مارے نظریں جھکا جاتی، رمیل قہر آلود نظریں ڈالنا نہ بھولتا۔

رمیل نے گھر والوں سے مکمل بائیکاٹ کر رکھا تھا، اپنے کمرے میں پانی سے افطار کرتا وہ دل ہی دل میں اپنی حالت زار پر دکھی تھی محبت کی پاداش میں کیا کچھ جھیلنا پڑ رہا تھا نم نگاہوں سے وہ دعا مانگنے میں مگن تھا، ورنہ روزہ کھولتے ہی رمیل کھانے کی میز پر جنگلی بھیڑیے کی طرح ٹوٹ پڑتا تھا، اس کے چہرے کا کرب دل کی حالت عیاں کر رہا تھا، کھانے کی ٹرے لے کر وہ اس کے کمرے میں آئی، جہاں اس کی حالت دیکھ کر رائمہ کا دل دکھی ہونے لگا۔

''بھائی رمضان کا آخری عشرہ چل رہا ہے، آپ جو کر سکتے ہیں ان چند دنوں میں کر لیں، فون پر بات کریں یا ذاتی طور پر ملیں۔'' وہ بولی۔

''رائمہ ہر طرح سے کوشش کر رہا ہوں مگر بات نہیں ہو پا رہی۔'' رمیل گہری سنجیدگی سے بولا۔

''کوشش کر کے دیکھ لیں، اگر کامیاب نہ ہو سکے تو پھر طبیرہ کو ہی اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیں۔'' رائمہ ہمدردی سے بولی۔

''نہیں ہے ایک طلاق یافتہ لڑکی میرا مقدر، سارے شہر کی لڑکیاں مر گئی ہیں جو میں اس ٹھکرائی ہوئی لڑکی سے شادی کروں، رخصتی سے پہلے ہی طلاق ہو گئی۔'' رمیل آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔

پورے گھر میں جیسے زلزلہ سا آ گیا، صبا بیگم خوف سے کانپ اٹھیں، رائمہ کا دل دہل کر رہ گیا باپ کا ردعمل اسے سخت پریشان کر گیا تھا، طہیرہ نے یہ چیخ و پکار سنی تو روتے ہوئے اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

زلزلے کے شدید جھٹکے کلیم صاحب کو بھی محسوس ہوئے مگر وہ مضبوط قدموں کے ساتھ کھڑے ہوئے اور رمیل کے کمرے میں جا پہنچے، رمیل ابھی تک زہریلا لاوا اگل رہا تھا، رائمہ ہاتھ جوڑ کر اسے چپ رہنے کا کہہ رہی تھی، کلیم صاحب بڑی خاموشی سے اسے کھڑے دیکھ رہے تھے، ایک زناٹے دار تھپڑ کی گونج بھی اسی شدت سے پورے گھر میں سنائی دی جتنی شدت سے زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے تھے۔

''میری اولاد اتنی ذلیل اور گھٹیا نکلے گی مجھے اندازہ نہ تھا۔'' کلیم صاحب کا لہجہ آگ برسا رہا تھا۔

''ابو آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔'' وہ جو تھپڑ کھا کر سن بیٹھا تھا ایکدم ہوش میں آیا۔

''تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں اتنی نیک اور باکردار لڑکی ملے۔'' کلیم صاحب نفرت سے بولے۔

''میں مر جاؤں گا مگر ماہ لقا کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔'' رمیل کی محبت جنون کو چھونے لگی تھی۔

''اچھا ہے اتنی گھٹیا اولاد مر ہی جائے تو بہتر ہے، اس بابرکت مہینے میں حرام موت مر کے یہ نہ سمجھنا کہ بخشش ہو جائے گی، تمہارا دائمی ٹھکانہ جہنم ہو گا۔'' کلیم صاحب غصے سے دھاڑے، صبا بیگم رمیل کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے چپ کروا رہی تھیں۔

☆☆☆

لاکھ کوششوں کے باوجود ماہ لقا سے رابطہ نہ ہونا تھا نہ ہوا، اس کا فون مسلسل خراب ہی رہا، آفس میں بھی اس سے ملاقات کی صورت نہیں بنی تھی، وہ چھٹیوں پر تھی، رمیل کے دل و دماغ کے سرکش گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے محبت کی ناکامی اسے بغاوت پر اکسانے لگی، محبت و جنگ میں سب کچھ جائز ہے، ماہ لقا کے بغیر تڑپ تڑپ کر زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ موت کو گلے لگا لیا جائے، شیریں نہ ملی تو فرہاد نے اپنا مقدر خود لکھ ڈالا اور موت کو گلے لگا لیا، کتنی ہی زہریلی گولیاں کھا لیں۔

ہوش آیا تو ہاسپٹل میں تھا رائمہ اور صبا بیگم زارو قطار رو رہی تھیں، کلیم صاحب غصے اور نفرت کے مارے اسے دیکھنے ہاسپٹل بھی نہ آئے۔

''رمیل یہ تو نے کیا کر لیا تھا ایک بار بھی اپنی ماں کا نہ سوچا، کیا ماہ لقا تجھے ماں سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی ہے۔'' صبا بیگم اس کو ہوش میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں، رمیل ماں کو دکھی دیکھ کر خود بھی رونے لگا۔

''امی میں ماہ لقا سے بے پناہ محبت کرتا ہوں، میں طہیرہ کو خوش نہیں رکھ سکوں گا۔'' رمیل کے لہجے میں گہری اداسی تھی۔

''بھائی میرا رابطہ ماہ لقا سے ہو گیا ہے، انہیں میں نے آپ کی خودکشی کا بتایا ہے وہ بہت فکر مند ہوئی ہیں اور کچھ دیر میں وہ ہاسپٹل آ رہی ہیں۔'' رائمہ نے رمیل کے کان میں سرگوشی کی۔

رمیل کا دل گلاب کی طرح کھل اٹھا، شاید ملاقات کی یہی صورت بنی تھی۔

اک حسن کی دیوی سے مجھے پیار ہوا تھا
دل اس کی محبت میں گرفتار ہوا تھا

رمیل کا دل خوشی سے جھومنے لگا، چلو جان

سے گزرنا کام تو آیا، چشم تصور میں گلاب سا حسین چہرہ جھلملانے لگا، کنول نین، چاندی جیسا بدن، رمیل آنکھوں میں خواب سجائے بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔

''دیکھو ماہ لقا تمہاری محبت میں تمہارے دیوانے کا کیا حال ہو گیا ہے، موت کو چھو آیا ہے۔'' انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں جس رخ روشن کا انتظار تھا وہ آ پہنچا، دروازہ کھلا اور رمیل کا چاند عید کے چاند سے پہلے ہی محبت کے آسمان پر چمکتا ہوا دکھائی دیا۔

''ارے یہ کیا، یہ تو گرہن زدہ چاند تھا، ایسا چاند جسے سیاہ بدلیوں نے گھیرا ہوا تھا، ایسا چاند جس میں ٹھنڈک کا احساس تک نہ تھا، اماوس میں گھرا چاند۔''

ماہ لقا کی عمر پچاس ساٹھ کے لگ بھگ، رنگت سیاہ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، موٹی ناک پر موٹے عدسوں کا چشمہ، پستہ قد، بال چڑیا کا گھونسلہ، بلیک ٹی شرٹ جس میں بڑھا پیٹ نمایاں تھا اور ڈھیلا ڈھلا ٹراؤزر، رمیل کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

حسن کی دیوی کا دیدار بہت ہوشربا تھا، صبا بیگم اور رائمہ حیرت کا مجسمہ بنی ہوئی تھیں۔

''ارے ظالم...... یہ کیا کر ڈالا...... یہ جان دینے کی کیا ضرورت تھی سونو؟'' ماہ لقا اپنی مدھر آواز میں بولی۔

رمیل خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا، آواز مینا کماری کی اور جسامت وہ چاندی سا بدن نہیں تھا بلکہ شعلے کا امجد خان، جس کی خاطر وہ موت کو چھوا آیا تھا۔

''خدارا کوئی ہمیں بھی تو بتائے، اس پگلے نے ایسا کیوں کیا؟'' ماہ لقا نے دلکش آواز میں بولتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر یوں دیکھا جیسے رمیل کی بہت فکر ہو۔

''وہ ماہ لقا آنٹی، اصل میں رمیل بھائی نے ایک رسالے کے لئے ناول لکھا جو ریجیکٹ ہو گیا بس دلبرداشتہ ہو کر خودکشی کی کوشش کی۔'' رائمہ نے بمشکل اپنی بات مکمل کی ہنسی کا دورہ پڑ رہا تھا، صبا بیگم نے اپنی ہنسی چھپائی تھی۔

''لو بھلا اتنی سی بات پر بھی کوئی جان دیتا ہے، مجھے اپنا ناول دو، میں اس کی نوک پلک سنوار کر اپنے رسالے میں لگا دوں گی، کیوں میرے جانو اب تو خوش ہو نا۔'' ماہ لقا نے رمیل کے گال پر محبت سے ہاتھ پھیرا ہاتھ کی جلد اتنی سخت کھردری تھی جیسے ریگ مال پھیر دیا ہو۔

''رمیل گم صم بیٹھا تھا، زبان کو جیسے تالا لگ چکا تھا۔'' آواز اتنا دھوکہ دے سکتی ہے اسے اندازہ نہ تھا۔

ماہ لقا، رائمہ اور صبا بیگم سے اسی مدھو بالا اسٹائل میں محو گفتگو تھی جس طرح فون پر بات کرتی تھی اور رمیل دیوانہ ہوا جاتا تھا، رمیل کو اپنے خیالات، دیوانگی سے کراہت ہو رہی تھی، رائمہ کو بے تحاشا ہنستا دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، رائمہ نے کمال مہارت سے ماہ لقا سے اپنی آؤٹ آف کنٹرول ہنسی چھپا لی تھی اور رمیل کا بھرم بھی رکھ لیا تھا۔

شرمندگی اور ندامت نے رمیل کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

☆☆☆

''ابو مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے۔'' ہوسپٹل سے گھر آ کر رمیل نے پہلا کام ہی باپ سے معافی مانگنے کا کیا، رمیل شرمندہ شرمندہ تھا۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں، دل اصل میں تم نے اس بے سہارا لڑکی کا دکھایا ہے اس

سے معافی مانگو۔'' کلیم صاحب نے کھلے دل سے اسے گلے لگاتے ہوئے سمجھایا۔

''بھائی عید کا چاند نظر آ گیا۔'' رائمہ بھاگتی ہوئی آئی اور اسے بازو سے پکڑ کر چھت پر لے گئی۔

سفید شلوار قمیض میں طہیرہ ان کی آمد سے بے خبر چاند کو دیکھ رہی تھی، نم نگاہوں میں اداسی کا راج تھا۔

یوں لگ رہا تھا کہ ایک چاند فلک پر تھا اور دوسرا زمیں پر۔

''عید مبارک ہو۔'' رائمہ باری باری دونوں کے گلے لگ کر مبارکباد دینے لگی طہیرہ رمیل کی موجودگی کی وجہ سے کترا کر جانے لگی تھی کہ رمیل کی آواز پر رک گئی۔

''طہیرہ! میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' رمیل کی نظریں اس کے چاند چہرے پر تھیں۔

''طہیرہ مجھے معاف کر دو، میں تمہارا مجرم ہوں، مرد ہمیشہ سے برے ہوتے ہیں محبت سامنے ہوتی ہے اور ہم ادھر ادھر ڈھونڈتے ہیں پاگلوں کی طرح اور جب تھک ہار کر واپس آتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ محبت تو ہمارے قریب کھڑی تھی کہ ہم ہاتھ بڑھا کر اسے تھام لیں۔'' رمیل نے کہتے ہوئے اس کا موی ہاتھ تھام لیا۔

''رمیل سوچ لیں، میں زبردستی آپ پر مسلط نہیں ہونا چاہتی۔'' طہیرہ بھیگی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''سوچ لیا ہے، بہت اچھی طرح سے سوچ لیا ہے اس بگڑے ہوئے رمیل کو صرف تم ہی سنبھال سکتی ہو، نمازی اور روزہ دار تو بنا دیا ہے، اب باقی کی خامیاں بھی تمہیں ہی دور کرنا ہوں گی، میں سیدھے راستے پر چلنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے مجھے تم جیسی پاکیزہ شریک حیات چاہیے، اب بتاؤ کیا رمیل احمد شاہ پورے تین دن بعد تمہیں اپنے نکاح میں قبول ہوگا۔'' رمیل نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو طہیرہ نے گھبرا کر رخ موڑ لیا۔

طہیرہ کے چہرے پر شرگیں مسکراہٹ میں اس کا اقرار چھپا تھا رمیل کے لبوں پر اطمینان بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

''بھائی...... رمیل بھائی...... ابھی کوریئر والا رسالہ دے کر گیا ہے، ماہ لقا کے رسالے میں آپ کا افسانہ ''دل نادان تجھے ہوا کیا ہے'' چھپ گیا ہے آپ کا پہلا افسانہ اور وہ بھی عید نمبر میں۔'' رائمہ خوشی سے چہک رہی تھی، ماہ لقا کے ذکر پر رمیل کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو گیا، طہیرہ نے رائمہ کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

''مجھے پہلے یہ پتہ تھا تم لوگ ماہ لقا کا قصہ اتنی آسانی سے نہیں بھولو گے اور یونہی میرا مذاق اڑاتے رہو گے، انسان تھا غلطی ہو گئی، اس کی سحر انگیز آواز پر بہک گیا تھا۔'' رمیل خفت سے بولا، وہ دونوں مسلسل مسکرا رہی تھیں۔

''میں نے نہیں بولنا تم دونوں سے، دل نادان پہلے تھا اب تو عقل آ گئی ہے اسے۔'' رمیل ناراضگی سے وہاں سے جانے لگا تھا کہ ان دونوں نے بھاگ کر اسے روکا مگر ہنسی اب بھی بے قابو تھی انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر رمیل بھی مسکرانے لگا تھا، کیونکہ بہار عید تو آ چکی تھی کبھی نہ جانے کے لئے۔

☆☆☆

موسم بے حد خوشگوار تھا، صبح ہی صبح وہ خود کو بے حد تر و تازہ محسوس کر رہا تھا، حالانکہ رات بہت دیر سے سوئے تھے، نوشی آپی کی سسرالی شادی میں رات کے دو بج گئے تھے، بدقسمتی سے اسے یہاں بھی کوئی چہرہ پسند نہ آیا تھا۔

''پتہ نہیں کب، میری دعا قبول ہو گی۔''

ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا اس کے سامنے، جو ذہن کی دیواروں سے ٹکراتا رہتا تھا، مگر اسے اپنے رب پر پورا بھروسہ تھا، انہی سوچوں میں گھرا میں وہ جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ گیا، امی، ابو نماز کے بعد سے اب تک سوئے ہوئے تھے، اسے ناشتے کی طلب نہ تھی، ماسی خیراں سے ایک کپ چائے بنوا کے پیا اور انہیں دفتر جانے کا بتا کر پورچ میں آ گیا۔

مناسب رفتار سے گاڑی ڈرائیو کرتا وہ ''فاروق انٹر پرائزز'' کے شاندار آفس میں آ گیا تقریباً سارا عملہ آ چکا تھا، اک سکوت آمیز خاموشی میں کام جاری تھا۔

یکایک وہ موبائل کی بپ پہ چونکا، دوسری جانب اس کا جگری یار و آصف تھا۔

''یار سناؤ کیسے ہو؟'' وآصف اس کو اپنے ساتھ شاپنگ پر جانے کا کہہ رہا تھا جبکہ وہ انکاری تھا پر وآصف کی آواز پر وہ مسکراتا ہوا اسے احوال بتانے لگا۔

''بس تم نے چلنا ہے، مجھے آج ہی شاپنگ کرنی ہے، دن خاصے کم ہیں۔'' وآصف کے اصرار پر اس نے حامی بھر لی، یوں رات آٹھ بجے کا وقت طے ہوا، موبائل آف کر کے وہ وآصف کے بارے میں سوچنے لگا۔

دو سال قبل اس کی شادی ہوئی تھی، آج کل وہ باپ بننے جا رہا تھا، آئندہ ہفتے کے کسی دن شفق بھابھی ماں کے عظیم رتبے پر فائز ہونے والی

مکمل ناول

تجھ سنگ عید منائیں

فصیحہ آصف

تھیں، اسی کے لئے وآصف شاپنگ کرنا چاہتا تھا، گو عمر بخت کو، کوئی تجربہ نہ تھا، مگر جگری یار کی خاطر اس نے حامی بھر لی اس کا کام ختم ہوا تو اس نے گھر کی راہ لی۔

''السلام علیکم امی جان!'' وہ لاؤنج میں تسبیح پڑھتی نور بیگم کے پاس آ کر بولا تو انہوں نے پھونک مار کر اس کا روشن ماتھا چوم لیا۔

عمر بخت ان کا لاڈلا اور اکلوتا بیٹا تھا، بیٹی ایک ہی تھی نوشین، جو اسی شہر میں بیاہی ہوئی تھی اس کے دو بچے جواد اور ہنی تھے، دونوں بے حد شرارتی، جواد کو ابھی سکول داخل کرایا گیا تھا، اس لئے نوشی کم کم آنے لگی تھی، اس کا شوہر ڈاکٹر تھا۔

''تھک گئے ہو ناں۔'' وہ لاڈ سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولیں تو عمر مسکرا دیا۔

''نیند آ رہی ہے امی، لنچ تو کر لیا تھا، اب سوؤں گا۔'' عمر کہتا ہوا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

عمر بخت ان کا بہت پیارا اور فرمانبردار بیٹا تھا، اٹھائیں سال کا ہو چکا تھا، مگر ابھی تک شادی کے لئے حامی نہ بھری تھی، ماں اور بہن کی ساری کوششیں اب تک بیکار گئی تھیں، اسے کوئی لڑکی پسند ہی نہ آ رہی تھی، جانے اسے کیا پسند تھا، ایک سے ایک حسین صورت لڑکی کی تصویر اسے دکھائی گئی، مگر جواب ''نا'' میں تھا، اب تو اس نے تصویریں دیکھنا بھی چھوڑ دیں۔

''اللہ سے بس دعا کرتا تھی کہ اسے جلد اس کی پسند مل جائے۔'' سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی، عصر کے بعد آنکھ کھلی نماز پڑھ کے وہ لاؤنج میں آ گیا اور فاروق علی کے ساتھ باتیں کرنے لگا، نور بیگم رات کا کھانا تیار کروا رہی تھیں، رات کے کھانے پر وہ ہمیشہ خاص اہتمام کرتیں، آج بھی انہوں نے چکن بریانی، دم کے کباب، مٹن قورمہ اور میٹھے میں گاجر کا حلوہ بنایا تھا، سب نے کھانے کے ساتھ انصاف کیا اور خدا کا شکر ادا کیا، اتنے میں وآصف آ گیا، گاجر کا حلوہ اور چائے سے اس کی تواضع کی خود تیار ہونے کمرے میں آ گیا۔

عمر شروع ہی سے جامہ زیبی کا قائل تھا، خدا نے اسے مکمل وجاہت کا نمونہ بنایا تھا، دراز قد، خوبرو، پڑھا لکھا، ذاتی کاروبار، بس اس کی زندگی میں کمی تھی تو اک ماہ جبین کی، بعض اوقات وہ خود سے جھگڑ پڑتا، آخر اسے کوئی لڑکی پسند کیوں نہیں آتی؟ نوشی آپی بھی اس کی حرکتوں پر چڑ جاتیں۔

''اگر تمہیں کوئی پسند نہیں تو ہم پہ چھوڑ دو۔'' انہوں نے ماں سے تائید چاہی۔

''ہرگز نہیں، تاکہ میری تمنا اور حسرت سینے میں رہ جائے۔'' وہ بھی کم نہ تھا۔

''دیکھو عمر یہی وقت ہے اور ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے، مت ہر لڑکی میں عیب نکال کر اسے مسترد کرو اور جلدی سے کوئی فیصلہ کر ڈالو، اللہ کو ناراض مت کرو۔'' نوشی آپی ناصحانہ انداز میں سمجھانے لگیں تو وہ محض ''اونہہ'' کہہ کر رہ گیا۔

اب بھی خیالوں میں وہ جانے کہاں نکل گیا تھا، مسکراتا ہوا نیچے آیا، تو وآصف چائے پی چکا تھا، دونوں بازار جانے کے لئے گاڑی میں آ بیٹھے۔

''ہاں یار، اب بولو، کدھر جانا ہے؟ مجھے تو تم نے بلاوجہ ہی گھسیٹا، میں بھلا تمہیں کیا مشورہ دوں گا۔'' عمر ہنستا ہوا گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

''بس......بس میں جانتا ہوں، جتنا تجربہ تمہیں ہے، وہ کسی دوشیزہ کو کیا ہوگا، اپنی ایک چیز

بھی لینی ہو تو ہزاروں دکانیں اور چار پانچ بار از چھانتے ہو، پھر کہیں جا کے کوئی چیز جناب کے معیار پر پورا اترتی ہے۔'' وآصف اسے چڑا ہی رہا تھا، مگر یہ حقیقت تھی، وہ ایسا ہی تھا۔

''اچھا یار بس کرو، تم تو بندے کو شرمندہ ہی کرتے ہو۔'' عمر نے ڈانٹ کر کہا اور گاڑی کا رخ صدر بازار کی طرف موڑ لیا۔

بازار میں بے حد رش تھا، آج کل شادیوں کا موسم عروج پر تھا، ہر دکان دلہن کی طرح سجی سنوری تھی، وآصف سب سے پہلے ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان پر آ گیا، اسے میرون اور بلیک کمبی نیشن والا لباس پسند آ گیا۔

''ارے یہ دیکھو، یہ خوبصورت ہے ناں؟''

ایک لڑکی کی آواز پر دونوں مڑ کر دیکھنے لگے، تین لڑکیاں تھیں، ایک ان سے ذرا پیچھے کھڑی تھی۔

آنے والی لڑکی نے اس لڑکی کے سامنے لباس کو آگے پیچھے لہرا کر دکھایا، تو جیسے عمر بخت فاروق کے سامنے چاند آ گیا ہو، وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا، ایک ٹک اسے بے خودی کی حالت میں دیکھے گیا، اردگرد سے بے نیاز، وہ مدہوشی کی کیفیت میں تھا، ایسا حسن، ایسا مکمل بے داغ حسن، لمبا خوبصورت قد و قامت و سراپا، چمپئی رنگت، گھنیری پلکیں، سحر طراز آنکھیں، جو کسی بھی عابد و زاہد کا قرار لوٹنے کو کافی تھیں، حسین سراپا، آسمانی جدید لباس میں قید تھا، سر پہ کالا اسکارف باندھے، شانوں پہ دوپٹہ پھیلائے گلابی گداز لبوں پر مدھم مسکراہٹ سجائے، وہ دلنشین سی آواز میں اپنی ساتھیوں سے مخاطب تھی۔

''میری دعا قبول ہو گئی۔'' عمر بخت کے دل سے اک صدا ابھری۔

''میری تلاش ختم۔''

وآصف نے اسے کندھے سے ہلا کر چونکایا، عمر حیرتوں کے سمندر سے باہر نکل آیا تو وہ تینوں دکان سے جا چکی تھیں۔

''عمر آر یو رائٹ۔'' وآصف اس کی حالت سے بخوبی واقف تھا، لڑکی واقعی چاند کا ٹکڑا تھی۔

مگر کون تھی؟ کوئی اتا پتہ، وآصف خود پریشان تھا، وآصف نے رقم ادا کر کے بیگ تھاما تو اسے چلنے کو کہا۔

''چلو یار۔'' عمر کو گومگو کی حالت میں پا کر وہ بھی نہ سمجھ آنے والی کیفیت میں تھا۔

''وآصف یار......'' عمر ہکلایا۔

''یار میں سمجھ سکتا ہوں، مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔'' وآصف بے بسی سے بولا۔

''تم معلوم کرو ناں، وہ کون ہے، کہاں رہتی ہے۔'' عمر بالکل بچہ سا بنا ہوا تھا، جیسے اس کی متاع حیات لٹ چکی ہو۔

''اچھا آؤ۔'' وآصف اسے ساتھ لئے لڑکیوں کے پیچھے ہو لیا۔

وہ شریف اور عزت دار، میچور لوگ تھے، مگر یہاں معاملہ دل کا تھا، وآصف احمد کے لاڈلے دوست عمر بخت کے مچلتے دل کا کافی دیر گھومنے اور دکانوں پر خریداری کے بعد وہ پارکنگ کی طرف جانے لگی تھیں، رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے، وآصف نے باقی خریداری کل پہ ڈال دی اور پلان کرتا ہوا گاڑی تک آ گیا۔

''تم ہٹو میں ڈرائیو کروں گا۔'' وآصف اس کی ذہنی حالت کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔

لڑکیوں کے ڈرائیور سے باوجود کوشش کے گاڑی اسٹارٹ نہ ہو رہی تھی، تب وہ بولا۔

''بی بی جی آپ ٹیکسی کر لیں، اس کی خرابی لمبی لگتی ہے۔'' وہ بونٹ چیک کر کے ادب سے کہنے لگا، تب ان میں سے ایک قدرے تیز ہو کر بولی۔

''رحمت تم ہوش میں تو ہو، می تو میرا قیمہ کر دیں گی۔'' جبکہ وہ حسینہ بھی ہاتھ بے بسی سے مسل رہی تھی اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، تب وآصف سارا معاملہ سمجھ کر مسکرا دیا اور عمر کو گاڑی کے پاس چھوڑ کر ان کے قریب آ کر احترام سے بولا۔

''اینی پرابلم سسٹرز۔'' اس کی آواز میں جانے کیا تھا کہ وہ متوجہ ہو گئی، وآصف کے چہرے پر شرافت کا لیبل اسے شائد دکھائی دے گیا تھا۔

''صاحب جی اس کا چلنا مشکل ہے میں کیا کروں۔'' ان لڑکیوں کے بولنے سے قبل ہی ڈرائیور ڈرتے ڈرتے بول اٹھا۔

''ارے تم کاظمی صاحب میرا مطلب ہے سبطین کاظمی صاحب کے ڈرائیور ہو نا؟'' وآصف نے پوچھا تو لڑکی حیرت سے بولی۔

''جی...... جی وہ میرے ڈیڈی ہیں۔'' اس کی آواز میں قدرے سکون اتر آیا تھا۔

''نو پرابلم...... آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں اور ڈرائیور تم گاڑی درست کروا کے آ جانا، کاظمی صاحب کے ہمارے ساتھ بزنس اور دوستانہ تعلقات ہیں، بہت نفیس انسان ہیں وہ، آیئے سسٹرز، آیئے بیٹھیے۔'' وآصف نے کہا تو تینوں کی اس کی گاڑی کی جانب بڑھیں۔

''یہ میرے دوست ہیں عمر بخت فاروق۔'' وآصف نے گاڑی کے قریب کھڑے عمر سے ان کا تعارف کر رہا تو وہ ہیلو کہتی پچھلی سیٹ پر آ بیٹھیں، اب قدرے مطمئن تھیں، عمر اب ڈرائیونگ سیٹ اور وآصف اس کے برابر بیٹھا تھا۔

''مجھے ایڈریس بتا دیجیے۔'' عمر جھکی جھکی نگاہوں سے بولا اور دل ہی دل میں وآصف کے پلان اور اپنی قسمت کی یاوری پر مسکرا رہا تھا، ایڈریس بتا کر وہ خاموش ہو گئیں، عمر نے گاڑی مطلوبہ راستے پر ڈال دی۔

''پریشان مت ہو کومل، ابھی زیادہ ٹائم نہیں ہوا، میں خود تمہارے ابو سے اجازت لے کر آئی تھی۔'' ندا نے اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو اس کے چہرے کا تناؤ کم ہوا۔

''اوہ تو اس کا نام کومل ہے۔'' عمر مرر سے سارا نظارہ کر رہا تھا، ڈھیٹ بنا، گویا نظروں کے راستے دل میں اتار رہا تھا، گاڑی اپ بون روڈ کی طرف گامزن تھی، خوبصورت گھروں کی قطاریں شروع ہونے والی تھیں، مگر اس سے قبل ہی ایک درمیانے درجے کے گھر کے آنے سے پہلے اس نے گاڑی روکنے کو کہا۔

تب کومل باہر نکلی اور وآصف کا شکریہ ادا کرنے لگی، عمر نے غور سے اس کے گھر کا دروازہ دیکھا، براؤن کلر کے گیٹ پر حیدر ہاشمی کے نام کی تختی لگی تھی، عمر کو یوں لگا جیسے منزل تک آن پہنچا ہو، پھر وہ زکریا ٹاؤن میں ندا اور صبا کو چھوڑنے کے بعد واپس ہوئے، حالانکہ ندا نے بہت اصرار کیا کہ چائے پی کر جائیں، مگر وآصف نے شائستگی انکار کر دیا۔

☆☆☆

''اُف بڑا ظالم ہے تو، دیکھ تیری خاطر کیا کچھ نہیں کیا میں نے۔'' وآصف اسے دیکھ کر مسکرا کر بولا اور سارا کریڈٹ خود کو دے ڈالا۔

''وآصف تو نے واقعی دوستی کا حق ادا کر دیا ہے، اب میں کل ہی امی کو اس کے گھر بھیجتا ہوں۔'' عمر نے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کی۔

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا، صبر کرو ابھی کچھ

دن، پھر کوئی قدم اٹھانا۔'' وآصف نے اسے سمجھایا، مگر عمر تو جیسے اس چاند کے بغیر آنگن سونا، بلکہ تاریک محسوس کر رہا تھا، کہ دل اس مہ جبیں کے لئے بے قرار ہوا جا رہا تھا، وآصف کو اس کے گھر اتار کر وہ اپنے گھر لوٹ آیا۔

صبح بے حد خوشگوار سہانی اور دلربا سی تھی، یا پھر عمر بخت کو اپنے خوش بخت ہونے پہ ناز آ رہا تھا، دل کا موسم اچھا ہو تو سبھی کچھ حسین تر لگتا ہے، دو چار دن عمر نے بے حد مشکل سے گزارے اور پھر وآصف کے کہنے پر اگلے کچھ دنوں تک ان کے ہاں جانے کا ارادہ کیا، مگر اگلے دن وآصف کو اللہ نے چاند سا بیٹا عطا کر دیا، چچا ہونے کے ناطے وہ بہت سارے کھلونے اور مٹھائی لے کر نور بیگم کے ساتھ جا پہنچا۔

وآصف کی خوشی دیدنی تھی، شفق چہرے پر ممتا کا نور سجائے مسکرا رہی تھیں۔

''تو بھی شادی کر لے، تا کہ ایسے کھلونے تیرے حصے میں بھی آئیں۔'' گود میں لیٹے ننھے فرشتے کو عمر کو ہنستے دیکھ کر وآصف نے چھیڑا تو نور بیگم کو موقع ہاتھ آ گیا۔

''یہ تو تب مانے گا جب ہماری آنکھیں بند ہو جائیں گی۔'' ان کی آواز میں قدرے نمی تھی۔

''اللہ رحم کرے خالہ جان کیسی باتیں کرتی ہیں، میں کراؤں گا اس کی شادی اور بہت جلد۔'' وآصف تڑپ کر آگے بڑھ کر بولا اور نور بیگم کو تسلی دی۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں، آپ بے فکر رہیں، اب یہ ہمارا کام ہے۔'' شفق بھی بولیں۔

''پتہ نہیں بچو، کب یہ خوشی ہم دیکھ سکیں گے۔'' اب کے بار وہ مایوس سی تھیں، اسی دوران ننھے مہمان نے رونا شروع کر دیا تو سبھی اس بوجھل ماحول سے نکلے۔

☆☆☆

عمر بخت وہ کئی بار اس کے گھر کے سامنے سے گزرا، گیٹ کو دیکھتا رہتا، مگر بے سود۔

''ایک بار مل جاؤ، پھر سناؤں گا تمہیں اپنی مدہوشیوں کے قصے، بے خودی کی داستانیں۔''

یونہی وہ مسکراتا رہتا، آج کل ویسے بھی لب بات بے بات مسکرا رہے تھے، نوٹ تو نور بیگم نے بھی کیا، آخر کار یہ عقدہ بھی کھل گیا، جب وآصف نے آ کر انہیں خوشخبری سنائی۔

نور بیگم کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے، وآصف کے بتانے کے بعد انہوں نے نوشین کو فون کیا اور اگلے دن وہ کومل کے گھر جانے کو تیار تھے یوں چار افراد پر مشتمل یہ قافلہ کومل حیدر کے گھر جا پہنچا۔

بیل بجانے پر فیصل کومل کا بھائی باہر آیا اور احترام سے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا، درمیانے طبقے کے لوگ تھے، سادگی نمایاں تھی۔

تھوڑی دیر بعد حیدر ہاشمی اور منیزہ خاتون آ گئے، جان پہچان نہ ہونے کے باوجود بھی وہ لوگ بے حد تپاک اور خوش اخلاقی سے ملے۔

''یہ ہمارا بیٹا ہے، عمر بخت فاروق، ہمارا ذاتی بزنس ہے، اب تو بس یہی سب کچھ سنبھالے ہوئے ہے، دو ہی تو بچے ہیں ہمارے نوشین اور عمر بخت۔'' فاروق صاحب نے محبت پاش نظروں سے بیٹے کی جانب دیکھتے ہوئے متعارف کرایا اس کے بعد نور بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

''اصل میں ہمارے آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم آپ کی بیٹی کومل کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔'' نور بیگم نے بغیر کسی تمہید کے آنے کا مقصد واضح کر دیا۔

''جی۔'' دونوں میاں بیوی چونکے اور

حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
''یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' منیزہ خاتون ہکلائیں۔
''مگر کیوں؟'' سبھی چونکے مگر بولیں صرف نور بیگم۔
''بات یہ ہے کہ کومل کا نکاح میرے دوست کے بیٹے منصور قریشی سے ہو چکا ہے، جو آج کل ایف آر سی کرنے لندن گیا ہوا ہے اور کچھ ماہ بعد واپس آ جائے گا تب رخصتی ہو گی۔''
حیدر ہاشمی نے بات ختم کی تو گویا سب کے لبوں پر خاموشی کے تالے لگ گئے۔

عمر کا چہرہ دھواں دھواں تھا، سارے خواب ریزہ ریزہ ہو کر کرچیاں بن کر آنکھوں میں چبھنے لگے تھے، اس طلسم کو فیصل نے آ کر توڑا جو چائے اور لوازمات لے کر آیا تھا، مگر انہوں نے صرف چائے پی، آخر میں معذرت کر کے وہ سب واپس لوٹ آئے۔

عمر کے دل میں شام غریباں برپا تھی، گھر آ کر وہ کمرے میں بند ہو گیا، نور بیگم نے آصف کو فون کر کے یہ خبر سنائی، وہ بھی سناٹے میں آ گیا۔
''بیٹا عمر کو سنبھالنا، وہ بے حد دلگرفتہ ہے، میں ماں ہوں اس کے دکھ کو سمجھتی ہوں، اس کی حالت میں عجیب ہے، آتے ہی کمرے میں بند ہو گیا ہے۔'' نور بیگم سسک کر بولیں۔
''آپ فکر نہ کریں خالہ جان میں سب دیکھ لوں گا، آج دانش کی طبیعت ذرا اپ سیٹ ہے، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے، صبح اسے آفس میں مل لوں گا۔'' وآصف نے اک گہری سانس لے کر فون بند کر دیا اور عمر کے بارے میں سوچنے لگا۔

☆☆☆

وہیں زندگی کے حسین خواب ٹوٹے میرے ہم سفر تم جہاں ہم سے چھوٹے
بعض اوقات زندگی ویسے نہیں گزرتی جیسے ہم گزارنا چاہتے ہیں، بلکہ اس طرح گزرنے لگتی ہے، جیسے وہ خود گزارنا چاہتی ہے، قسمت کو روند کر، خوابوں کو مسل کر نور بیگم کے بے حد اصرار پر اس نے دو چار نوالے زہر مار کئے اور پھر سے اپنے کمرے میں آ گیا، بقول شاعر۔
وہی عالم تنہائی ہے اور ہم ہیں
کے مصداق خالی نظروں سے چھت کو گھورے جا رہا تھا، دل تھا کہ دکھ کے احساسات سے دوچار تھا، زندگی میں پہلی بار اتنے برسوں کی ریاضت اور انتظار کے بعد، کتنے سالوں کی صبر کی تپسیا کے بعد وہ دکھائی بھی دی تو پرائی۔
''کاش کومل تم میری ہوتیں، مگر تم تو پہلے سے ہی کسی اور کے آنگن کا چاند بنا دی گئی تھیں، بغیر مجھے دکھائی کیوں دیں کاش میں نہ دیکھ سکتا آنکھیں بند کر لیتا اپنی، بصارت کا دھوکہ سمجھ کر، بھول جانا اک خواب سمجھ کر، مگر اب تو سب کچھ حقیقت تھا، تکلیف دہ سچ۔'' عمر کی آنکھوں میں یکدم آبی لہر ہلکورے لینے لگی، یوں لگتا تھا کبھی کچھ تیز آندھی آڑا کر لے گئی ہو۔
آہ اک گہری سانس لے کر وہ کروٹ بدل کر سونے کی سعی ناکام کرنے لگا، جانے کس لمحے نیند نے اسے غمزدہ سوچوں سے دور کر کے اپنی مہربان بانہوں میں لے لیا۔

☆☆☆

''تم سمجھتے کیوں نہیں ہو، وہ کوئی حرف آخر نہ تھی تمہاری زندگی کا، خود کو سنبھالو، اس طرح لی ہیومت کرو، خالہ جان سخت پریشان ہیں، مانا کہ تم بہت تکلیف میں ہو، مگر یہ تو کچھ بھی نہیں، زندگی میں بڑے بڑے حادثات ہو جاتے ہیں، انسان کو سب فیس کرنا پڑتا ہے، میرے دوست مقدر کو

تسلیم کرو، جو تمہاری قسمت میں ہی نہیں، تمہیں کیسے مل سکتی ہے، ہم سے یہ غلطی ہوئی کہ ہم تھوڑی سی چھان بین کر لیتے، تو اس طرح کی صورت حال کا سامنا نا کرنا پڑتا۔''

''اٹھو کہیں چل کے لنچ کرتے ہیں۔''

وآصف کی لمبی چوڑی تقریر اس پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ڈال سکی، صدمہ نیا نیا تھا، کچھ وقت تو لگنا تھا، ابھی تو زخم تازہ تھا، مندمل ہونے میں کچھ عرصہ تو درکار تھا۔

''اوکے چلو۔'' عمر سنجیدگی سے کہتا اس کے ساتھ لنچ ٹائم میں باہر آ گیا۔

پھر کیا تھا، دن گزرنے لگے، کومل کی یاد، دل کے ایک کونے میں دیئے کی مانند روشن تھی ''بھلانا'' یہ لفظ اس نے زندگی کی ڈکشنری سے کھرچ ڈالا تھا، بجائے اسے بھلانے کے، اس کے تصور سے باتیں کرتا رہتا، بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا، نور بیگم نے اسے کچھ وقت کے لئے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

یوں دن ہفتوں اور مہینوں میں تبدیل ہونے لگے، مگر عمر کے دل کا موسم یادوں کا موسم بن گیا تھا اور ایک ہی موسم ٹھہر گیا تھا۔

☆☆☆

''دو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو رہا ہے، آخر کب منصور کا کورس مکمل ہو گا، میں تو سخت الجھن میں ہوں، اب کومل کے امتحانات بھی ہونے والے ہیں، پھر فارغ ہو جائے گی، ہم نے کون سا اس سے نوکری کرانی ہے، آپ بس جلدی مسعود بھائی سے بات کریں، میرا تو دل ہولتا ہے، نکاح کو اتنا لمبا عرصہ رکھنا درست نہیں، دو ڈھائی سالوں سے یہی جواب ملتا رہا ہے کہ بس چھ ماہ اور دو ماہ اور آخر کب تک۔'' منیزہ خاتون حیدر ہاشمی کے سامنے پھٹ پڑیں۔

''آپ خود بتائیں اس طرح دوستی کا حق ادا کیا جاتا ہے، نفیسہ بھابھی سے بات کروں تو ٹال جاتی ہیں، اب تو میرا دل دہل سا گیا ہے۔'' منیزہ کی بات پر حیدر بھی کم پریشان نہ تھے، بیوی کی باتوں میں سچائی تھی، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، ان کے پاس سوائے تسلی کے اور کوئی جواب نہ تھا۔

''نیک بخت صبر کرو، آخر اس کی مجبوری ہے، جیسے ہی وہ آئے گا رخصتی ہو جائے گی، خیر میں کل مسعود سے بات کرتا ہوں، خدا بہتر کرے گا، اچھی امید رکھو اور سو جاؤ۔''

ادھر کومل کی آنکھوں سے نیند غائب تھی، منصور سے رشتہ ہو جانے کے بعد دل اسی کے نام دھڑکتا تھا، وہ جاگتی آنکھوں منصور کے سپنے دیکھتی رہتی تھی۔

اس سے چھوٹا بھائی فیصل جو تھرڈ ائیر میں تھا اور ماہرہ سب سے چھوٹی جو دسویں کلاس میں تھی۔

ہنستا مسکراتا گھرانا تھا، خوشحالی تھی، تینوں بچے لائق تھے، کومل سب سے بڑی تھی، باپ کی پریشانی سمجھتی تھی، پچھلے تین ماہ سے منصور سے رابطہ منقطع تھا، ویسے بھی وہ سنجیدہ مزاج آدمی تھا، فون پر بھی صرف حال احوال دریافت کرتا۔

جبکہ کومل چاہتی تھی کہ وہ کوئی رومانی بات کرے، کوئی خوشبو بھری مہکتی بات، جو اس کی دوری کے احساس کو کسی حد تک کم کر دے، مگر وہ تو جیسے پتھر کا بنا ہوا تھا، کومل نے ماں باپ کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا اور سب کچھ قسمت پر چھوڑ کر دل ہی دل میں اس کی پوجا شروع کر دی تھی، اب جبکہ منصور کی جانب سے اک طویل خاموشی تھی، تو وہ سخت الجھنوں میں تھی۔

☆☆☆

نوشی آپی آج پھر آئی ہوئی تھیں، رات گئے تک سب باتیں کرتے رہے، اچانک انہوں نے عمر کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''عمر یہ میں کچھ تصاویر لائی ہوں، بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکیاں ہیں، اعلیٰ خاندان ہے، انہیں دیکھو اور مجھے بتاؤ۔'' وہ نارمل انداز میں کہتے ہوئے بنا اس کی طرف دیکھے بیگ سے لفافہ نکال کر اس کی سمت بڑھاتے ہوئے بولیں۔

عمر کا چہرہ فق ہو گیا۔

''آپی پلیز۔'' وہ افسردہ سا بولا۔

''کیا مطلب! کیا ساری زندگی یونہی رہو گے، اتنے خود غرض مت بنو تم۔'' یکدم نور بیگم نے تیزی سے کہا اور آنکھوں پر دوپٹہ رکھ کر سسکنے لگیں، عمر نے مزید وہاں نہ بیٹھا گیا اور اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔

''کومل میں کیا کروں، تمہاری ایک جھلک نے مجھے سب کا دشمن کر دیا ہے، سبھی مجھے قصوروار سمجھتے ہیں، میں کیا کروں آخر، دل مانتا ہی نہیں، تمہارے سوا کوئی اور...... کس طرح دل میں جگہ پا سکتی ہے، میں جانتا ہوں کہ تم کسی اور کی ہو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟'' وہ اوندھے منہ تکیے میں سر دیئے بکھرتا جا رہا تھا، اس روز وہ آصف کی طرف چلا آیا، دل اداسیوں کی لپیٹ میں تھا۔

آصف اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر پہلے تو خاموش رہا، پھر اسے سمجھانے لگا۔

''تم سب ٹھیک کہتے ہو یار، مگر مجھے کچھ اور ٹائم دو، تاکہ میں اس بات کو ذہنی طور پر قبول کر سکوں۔'' عمر جیسے ہتھیار ڈال کر بے بس سا ہو کر بولا۔

''اوکے...... اوکے میں خالہ جان سے بات کروں گا، تم پریشان مت ہو، تھوڑا وقت اور لے لو اور خود کو آمادہ کرو۔'' آصف اس کے بھولپن پر مسکرا دیا، اتنے میں شفق بھابھی ملازمہ کے ساتھ ٹرالی لئے دانش کو اٹھائے آ گئیں، عمر نے انہیں سلام کیا اور دانش کو لے کر کھیلنے لگا، وہ جلد ہی اس سے مانوس ہو گیا تھا اور اس وقت وہ عمر کی گود میں قلقاریاں مار رہا تھا۔

☆☆☆

دن اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہے تھے، صبح سے ہی منیزہ خاتون کا دل گھبرائے جا رہا تھا، اس کا ذکر انہوں نے حیدر ہاشمی سے بھی کیا، جو ہنس کر ٹال گئے اور تسلیاں دیتے ہوئے دفتر روانہ ہو گئے، فیصل اور ماہرہ بھی سکول و کالج جا چکے تھے، صرف کومل گھر پہ تھی، کل اس کا ایم اے فائنل کا آخری پیپر تھا، اس لئے وہ ذرا دیر سے اٹھی۔

دس بجے کے قریب وہ اٹھی، تب ماں کے ہاتھوں کا گرم گرم ناشتہ کر کے، انہیں آرام کی غرض سے بٹھا دیا اور خود دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے لگی، کہ کچھ دیر بعد دروازے کی گھنٹی بجی، کومل نے دروازہ کھولا تو سامنے بیگم مسعود اور ان کی بڑی بیٹی نازیہ کھڑی تھیں۔

''آیئے آنٹی۔'' کومل شرمگیں مسکراہٹ لئے اندر لے آئی، منیزہ خاتون بھی ڈرائنگ روم آ گئیں اور تپاک سے ملیں، جبکہ ان کے انداز کچھ اور طرح کے لگ رہے تھے، خاصی سنجیدہ تھیں۔

کومل ان کے لئے چائے بنانے لگی، پھر ٹرالی اندر لاتے ہوئے ان کے کانوں نے جو سنا گویا پہاڑ سر پہ آن گرا تھا۔

''منصور نے وہاں شادی کر لی ہے، آپ فکر نہ کریں بہن، ہم اس بدذات کو طلاق دلوا کر رہیں گے، کومل ہی ہماری بہو بنے گی، ہم بہت شرمندہ ہیں، ہمیں دو روز قبل یہ اطلاع ملی ہے، پھر منصور سے تصدیق کی، کیا کریں عمر ہی ایسی

ہے۔" بیگم مسعود کے لہجے میں کوئی خاص شرمندگی نہ تھی، ان کے برعکس منیزہ کا دل پتے کی مانند لرز رہا تھا، کومل الٹے قدموں واپس آئی اور کام کرنے والی زرینہ کو ٹرالی لے جانے کو کہا، جانے کب وہ لوگ واپس گئے، اسے احساس اس وقت ہوا، جب ماں اس کے کمرے میں آئی تب دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر زارو قطار رو پڑیں، سب کچھ ہی تو راکھ ہو گیا تھا، کومل کو جیسے چپ کے تالے لگ گئے تھے، حیدر جو خود دل کے مریض تھے اس صدمے سے سنبھل نہ پا رہے تھے، مسعود سے بات کی تو وہ بھی بیٹے کو قصوروار ٹھہرا کر چپ ہو گئے، مسئلے کا حل کیا تھا، کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔

رات کو مسعود کی طفل تسلیاں حیدر کو مصنوعی لگیں، اگلی رات مسعود نے منصور سے بات کی، اسے خوب لعن طعن کیا، مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا، میرا حق تھا، ابو پھر اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا، (کاش دل توڑنا بھی کوئی جرم ہوتا اس کی بھی کوئی سزا ہوتی) اب وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے اور میرا کومل سے اب کوئی تعلق نہیں، میں آج صبح اسے طلاق کے کاغذات روانہ کر چکا ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا خدا حافظ۔" سفاکی کی کوئی انتہا نہ تھی، مسعود کے منہ میں اس کے خلاف جو آیا بولتے چلے گئے، جہاں تک کہ ان کی آواز بھرا گئی اور بیٹھ گئے، نفیسہ انہیں سنبھالنے لگیں۔

کیا منہ دکھائیں گے وہ حیدر کو، وہ تو پہلے ہی دل کا مریض ہے، ابھی چند روز پہلے منصور کی شادی کی اطلاع ملی اور اب کسی لمحے بیٹی کی طلاق کا جانکاہ صدمہ اسے اذیتوں سے دوچار کرنے والا تھا، اُف میں کیا کروں، ایسی نافرمانی کی مجھے منصور سے امید نہ تھی، میں نے اسی لئے تو اسے نکاح کے بندھن میں باندھا تھا کہ وہ کسی گوری کی چمڑی کا اسیر نہ ہو جائے، مگر مجھے کیا معلوم تھا وہ ایسا ناخلف اور خود غرض نکلے گا۔" نفیسہ کے سامنے وہ سسک رہے تھے، اب جو قیامت حیدر کے گھر والوں پر ٹوٹنے والی تھی وہ اس سے کسی حد تک باخبر تھے۔

جیسے ہی طلاق نامے کی رجسٹری حیدر ہاشمی نے وصول کی، رنگت زرد ہو گئی اور دل میں اس قدر شدت کا درد ہوا کہ دوسرا سانس لینے کا موقع ہی نہ ملا، پہلے ہی وہ ادھ موئے سے ہوئے پڑے تھے کہ بیٹی کے غم میں انہیں ہر دکھ اور غم و فکر سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا تھا، منیزہ خاتون پر بیوگی کی چادر تن گئی اور تینوں بچے یتیمی کے اندھے غار میں سانسیں لینے لگے، کومل کی آنکھیں پے در پے حادثوں پہ پتھرا سی گئی تھیں، مگر ہمت اسے ہی کرنی تھی ماں اور بہن بھائی کو سنبھالا دل کرچی کرچی تھا، پھر بھی اس نے عزم و حوصلے کا دامن تھاما، قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرنا مشکل کام تھا، مگر وقت بڑے سے بڑے زخم کو بھی بھر دیتا ہے، مگر اس کی ٹیسیں عمر بھر سلگاتی رہتی ہیں۔

چالیسویں تک سبھی نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، کہ اب خود ہمت کرنی ہے، حیدر ہاشمی نے بچوں کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دی تھی، اگرچہ ان کی تنخواہ کم تھی، ایماندار آدمی تھے، رزق حلال کمانے والے، صرف یہی ایک گھر بنوا سکے تھے، تھوڑی بہت رقم بینک میں تھی، اب ان کی پینشن اور آفس سے ملنے والی کچھ رقم کا آسرا تھا، بچے ابھی زیر تعلیم تھے، ان کی شادیوں کے اخراجات گھر کا خرچہ مہنگائی، سب باتوں نے منیزہ کے ہاتھ پاؤں پھلا ڈالے، مسعود صاحب نے مالی مدد کرنا چاہی، مگر کومل نے سختی سے منع کر

دیا، اب کیا رشتہ باقی تھا، انہی کی کرم نوازیوں کی بدولت تو یہ دن دیکھنے پڑ رہے تھے، ننھیال والے بھی متوسط طبقے کے لوگ تھے، ایک ماموں وہ بھی کثیر الاعیال تھے، منیزہ خود دار عورت تھی، بچوں میں بھی یہی صفت پائی جاتی تھی، سو وہ بچت کے عادی تھے، حالات نے انہیں وقت سے پہلے ہی بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

☆☆☆

چند دنوں میں کومل کا نتیجہ آ گیا، بہت اچھے نمبروں سے کامیابی ملی تھی، اس موقع پر ابو بے تحاشا یاد آئے، انہیں کتنا ارمان تھا کہ کومل بہت سارا پڑھے، مگر ساری خوشیاں ادھوری رہ گئی تھیں، وہ آنکھیں صاف کر کے آئندہ کے بارے میں سوچنے لگی۔

''امی میں جاب کروں گی۔'' کافی دنوں کی سوچ بچار کے بعد آخر وہ منیزہ خاتون کے سامنے دل کی بات کہہ اٹھی، اس کی اس خواہش پر وہ حیرت زدہ رہ گئیں۔

''امی میں نے کوئی انہونی بات نہیں کی، ہر شعبے میں لڑکیاں کام کر رہی ہیں، پھر آج کے دور میں ایسا کرنا ضروری ہے، میں اپنی تعلیم کا فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں، ابھی فیصل چھوٹا ہے، اسے اور ماہرہ کو اپنا تعلیمی سفر مکمل کرنا ہے، جب فیصل اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جائے گا تو میں چھوڑ دوں گی، فی الحال اس کی اشد ضرورت ہے، آپ بھی سمجھتی ہیں، میں محض شوقیہ نہیں کروں گی، کچھ مجبوری کے تحت اور کچھ ضرورت کے واسطے ہے۔'' وہ نرم آواز میں ماں کے گلے میں بازو ڈال کر انہیں قائل کرنے لگی۔

منیزہ بیگم اس کی باتوں سے متفق تھیں، مگر دل کا ماننا بھی ضروری تھا، آخر کار انہوں نے کافی سوچ بچار کے بعد اسے اجازت دے دی، تب وہ روزانہ اشتہارات دیکھ کر مختلف جگہوں پر جانے لگی، اس موقع پر ندا نے اس کا بھرپور ساتھ دیا، اپنے والد سبطین کاظمی سے کہہ کر، مگر نوکری اس کی روٹھی قسمت کی طرح دور کھڑی تھی دو ماہ ہو گئے تھے، مگر ابھی تلاش جاری تھی۔

منیزہ خاتون نے آس پاس کے جاننے والوں سے کومل کے رشتے کے لئے کہہ رکھا تھا، ایک دو رشتے آئے بھی، مگر اس کے ''طلاق یافتہ'' ہونے کا سن کر پلٹ کر واپس نہ آئے، وہ بنا کسی قصور کے سزا بھگت رہی تھی، کومل کے لئے وہ لمحات سخت جانکسل ہوئے، ان کے جانے کے بعد وہ ماں سے الجھ پڑتی، کئی مرتبہ ایسا ہونے کے بعد اس نے ماں کو منع کر دیا، کہ وہ اب شادی کرے گی نہیں، بھروسہ، اعتماد پارہ پارہ ہو گیا تھا۔

''امی پلیز میری ذات کو اس قدر بھی تماشا نہ بنوائیں۔'' وہ ماں کے گلے لگ کر سسک اٹھی۔

یہ رسوائی باپ کی جدائی اور حالات نے اسے سخت دکھ پہنچائے تھے، راتوں کو جاگ جاگ کر وہ آنسو بہاتی رہتی اور اپنے نا کردہ گناہوں کی معافیاں طلب کرتی رہتی اور جلد نوکری کی دعائیں کرتی یا ذہن نہیں اور مصروف ہو جائے۔

آخر کار ندا کے والد سبطین کاظمی نے اسے اپنے ایک جاننے والوں کی فرم کے لئے ملازمت کے لئے کہا اور اپنا کارڈ دیا اور شفقت سے بولے۔

''میں نے انہیں فون کر دیا ہے، بیٹا مجھے امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گی۔'' اور کل ہی جے اینڈ ڈبلیو کے آفس جانے کو کہا، کومل نے اس کا شکریہ ادا کیا، امید و آس کا دامن تھامے لائٹ گرین سوٹ پر بڑا سا دوپٹہ لئے، کالے اسکارف سے سر ڈھانپے، دوسروں کے مقابلے میں وہ خاصی دقیانوسی لگ رہی تھی، مگر اسے کسی کی پروانہ

تھی، اپنی عزت وناموس کا سب سے زیادہ خیال تھا۔

شاندار دفتر تھا، وہ انتظار گاہ میں اپنی فائل مضبوطی سے پکڑے بیٹھی تھی، جب اسے اندر بلایا گیا، تو مدمقابل اسے پہچان کر حیرت زدہ رہ گیا، وہی تھی، سو فیصد وہی، اور سامنے بیٹھے وآصف احمد کو بالکل نہ پہچان پائی تھی، کچھ دیر کے گاڑی کے سفر میں، وہ کس طرح یاد رہ سکتی تھی؟

کومل نے اعتماد سے سوالوں کے جواب دیئے اور اپنے ڈاکومنٹس دکھائے، سبطین انکل کا اثر رسوخ کام آیا، جمشید قریشی اور وآصف احمد کا مشترکہ کاروبار تھا، جمشید کے گھریلو سے مراسم ہی تھے سبطین کاظمی کے ساتھ، سو بنا حیل وحجت کے اسے جاب مل گئی، تنخواہ اس کی توقع سے بڑھ کر تھی، کومل پھولے نہ سما رہی تھی۔

ادھر وآصف کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ لمحوں میں ہی سب جان لے کہ آخر وہ نوکری کیوں کر رہی ہے؟ اس کا تو نکاح ہو چکا تھا اور بقول اس کے والدین کے جلد رخصتی کرنے والے ہیں، وہ سخت الجھنوں میں تھا، جب تک معاملہ صاف نہ ہو جاتا، وہ عمر بخت سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا، کچھ معلومات تو حاصل ہوں پہلے۔

یوں ایک روز اس کی نوکری کے بیس پچیس دن کے بعد وہ سبطین کاظمی سے کام کے سلسلے میں ان کے آفس آئے، تو سب معلوم ہو گیا، اور جو کچھ پتہ چلا وہ بے حد رنجیدہ کر دینے والا تھا، بلاشبہ خدا نے اسے فیاضی سے حسن کی دولت عطا کی تھی مگر وہ حجاب میں رہ کر اپنے کام سے کام رکھتی، اس کی کارکردگی پہلے روز سے ہی متاثر کن تھی وآصف اکثر و بیشتر اسے بلا کر کچھ نہ کچھ بات کر لیتا، یہاں بھی وہ کام کو مدنظر رکھتی یوں تقریباً ایک ماہ کے بعد وہ کسی حد تک وآصف پر اعتماد کرنے لگی تھی اور کچھ بات چیت کر لیتی، وآصف نے اس کے گھر کے بارے میں خاصی معلومات لے لی تھیں اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ کسی قسم کی کوئی پرابلم ہو تو وہ ضرور بتائے، تب اس نے سر ہلا دیا، بہت مطمئن تھی اپنی نوکری اور اسٹاف سے، خاص طور پر وآصف احمد سے، ایک دو بار دفتر کی گاڑی خراب ہونے پر وآصف اسے خود گھر چھوڑنے آیا، یوں منیزہ خاتون نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے بیٹا کہا تو وہ اس کا خود بخود کومل کا بھائی بن گیا۔

☆☆☆

وہ سامنے ہو تو کیسے اِدھر اُدھر دیکھوں
میں ان کی قسمت نہ دیکھوں تو پھر کدھر دیکھوں

اسے نوکری کرتے ڈیڑھ ماہ ہو گیا تھا، سارا عملہ اس کی پاکیزگی اور شرافت کا قائل تھا، اس روز بھی وہ وآصف کے کمرے میں فائل دکھانے گئی، ابھی وہ واپس مڑنے ہی والی تھی کہ یکدم دروازہ کھلا اور عمر بخت اندر آ گیا۔

کومل کا مڑنا اور عمر بخت کا دیکھنا قیامت ہی تو برپا کر گیا تھا، وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا، گویا زمان ومکان، کائنات کی گردشیں تھمنے لگی تھیں، کومل گھبرا سی گئی اور یکدم باہر نکل آئی۔

''یہ...... یہ...... کومل۔'' اسے باہر جاتا دیکھ کر عمر ہاتھ اٹھا کر ہکلایا، تب وآصف آگے بڑھا اور تھام کر بٹھایا۔

''درد بھری کہانی ہے۔'' وآصف نے جو کچھ بتایا وہ سخت تکلیف دہ تو تھا مگر عمر بخت کے لئے زندگی کی نوید لے کر آیا تھا۔

''یار میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔'' عمر کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اٹھ کر رقص کرنے لگے، اس کی آنکھوں میں عجب چمک عود کر آئی، جسے دیکھ کر وآصف فوراً بولا۔

''بہت سخت جان لڑکی ہے تم فضول حرکتوں سے باز رہنا۔''

''مت سمجھاؤ مجھے اب میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا، بہت انتظار کیا، بہت صبر کے گھونٹ پی لئے، بہت راتیں جاگ جاگ کر کاٹ لیں، اب میں کسی کی کچھ نہیں سنوں گا۔'' عمر بے حد جذباتی ہو رہا تھا اور آصف اتنا ہی پریشان۔

''میں سب سنبھال لوں گا اور فی الحال تم صبر ہی کرو۔'' آصف کو اس کے جذباتی پن سے خوف آنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے مگر سب کچھ جلد ہونا چاہیے۔'' وہ خمار آلود لہجے میں بولا۔

''اوکے...... آؤ چائے پیئو۔''

آصف نے انٹر کام پر ہدایات دیں، چائے پینے کے دوران بھی وہ کومل کو موضوع گفتگو بنائے ہوئے تھا، دل سرشاری کی کیفیت لئے جھوم رہا تھا اور جھومے ہی جا رہا تھا۔

آصف سے ملاقات کر کے وہ جانے کو باہر نکلا، جان بوجھ کر کومل کے قریب سے گزرا اور ارادتاً اسے دیکھے گیا، وہ لیپ ٹاپ پر مصروف تھی، جبھی تو اس کی گستاخ نظروں کو دیکھ نہ سکی اس کے خیال کے ہزارویں حصے میں بھی نہ تھا کہ وہ کسی کے لئے کس قدر اہم ہے اور کوئی رات دن اسے اپنی زندگی سمجھ کر سانس لے رہا ہے۔

☆☆☆

شام کے سائے خاصے گہرے ہو رہے تھے، جنگلی بھری ہوا جسم و جاں کو اچھی لگ رہی تھی، اچانک اسے یاد آیا کہ نور بیگم کی دوائیاں لینی ہیں، سو وہ میڈیکل سٹور میں چلا آیا، دوائیاں لے کر وہ سٹور سے باہر آیا ہی تھا کہ کومل سٹور میں داخل ہونے کے لئے اندر آتے ہوئے اس سے ٹکرا گئی، دوائیوں کا لفافہ عمر کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کے قدموں میں جا گرا اور بکھر گئیں۔

''سوری۔'' یکدم وہ اٹھانے کو جھکی، تو عمر نے گھبرا کر اسے روک دیا۔

وہ قدرے شرمسار تھی، جبکہ عمر اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں جھانکے جا رہا تھا، کومل ٹپٹا ہی تو گئی، جلدی سے میڈیسن لے کر باہر آ گئی، عمر اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا، کومل رکشہ، ٹیکسی کے انتظار میں ذرا فاصلے پر جا کر رک گئی، عمر گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا اس کے قریب آ گیا اور رک کر بولا۔

''آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔'' شائستگی بھرا لہجہ مگر آنکھوں میں والہانہ چمک لئے، مارے غصے کے کومل کے اعصاب تن گئے اور وہ بنا کچھ کہے گھور کر اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

''اونہہ، دیکھنے میں معصوم و معقول اور حقیقت میں کس قدر فضول اور نا معقول شخص ہے۔'' وہ کھول رہی تھی، سواری تھی کہ آنے کا نام نہ لے رہی تھی اور اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا، وہ خوفزدہ بھی تھی۔

''سنیئے! آپ شاید ناراض ہو گئی ہیں، میرا مطلب......'' عمر ایک بار پھر ہمت کر کے سامنے آ کر شائستگی سے آہستہ اسے نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا۔

''مسٹر آپ کا جو بھی مطلب ہو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، آپ کیا سمجھتے ہیں، گاڑی میں بیٹھ کر اپنی امارت کا رعب جھاڑیں گے، مرعوب کر لیں گے مجھے، اکیلی شریف لڑکیوں کو تنگ کرنا آپ کا شیوہ ہو سکتا ہے، جایئے کہیں اور جا کر کوشش کریں۔'' کومل مارے صدمے اور غصب کے جو منہ میں آیا بولے گئی، شومئی قسمت کہ ٹیکسی آتی دکھائی دی، وہ جلدی بیٹھی، عمر پہلے تو

ہکا بکا رہ گیا، پھر غصے کی کیفیت در آئی، مگر گاڑی پھر بھی اس نے ییلو کیب کے پیچھے لگا دی، اس اندھیرے میں اس کا دل کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اپنی متاع عزیز کو تنہا جانے دے۔

آج پھر دل کی بے قراری عروج پر ہے
آج پھر ان سے تشنہ سی ملاقات ہوئی ہے

لبوں پر مسکراہٹ لئے وہ بار بار اسی شعر کی تکرار کر رہا تھا۔

یہ تو اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ منزل پانے کے لئے اپنے قدم خود آگے بڑھائے گا اب، کومل کے دل سے مردوں کے خلاف جو نفرت و کدورت اور بے اعتمادی و بے اعتباری پیدا ہو چکی ہے، اس کا خاتمہ کرنا تھا، اسے اپنی سچی محبت کا یقین دلانا تھا، حقیقی خوشیوں سے مالا مال کرنے سے پہلے ان کا اعتبار کرنا سکھانا تھا، اگرچہ اب کوئی رکاوٹ نہ تھی، مگر سب سے بڑی رکاوٹ خود کومل اور اس کی بے اعتباری تھی۔

☆☆☆

منیزہ خاتون کی طبیعت خاصی خراب رہنے لگی تھی، کومل کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشانی سوا ہو جاتی، اوپر سے ہم سفر کی جدائی، منیزہ خاتون کومل کے جاب کرنے کے حق میں نہ تھیں، مگر حالات ایسے آن پڑے تھے کہ وہ مجبور ہو گئی تھیں، فیصل کا انجینئرنگ کا دوسرا سال تھا، مائرہ اب فرسٹ ائیر میں تھی، مگر کومل کے بارے میں ان کی پریشانی اور طرح کی تھی، عمر نکل گئی تو کون پوچھے گا، وہ بیوہ، حالات ناموافق اور وہ تنہا۔

راتوں کو سجدوں میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتیں، اپنی معصوم اولاد کے لئے۔

شام سے کومل کو سخت زکام ہو رہا تھا، ہلکا سا بخار بھی تھا، مگر آفس جانا بھی لازمی تھا، سوں سوں کرتی ناک پر ٹشو رکھے لال سرخ چہرہ لئے وہ آفس آ گئی کچھ دیر بعد ہی اس کی طبیعت اور بگڑ گئی۔

وآصف اپنے کام کے سلسلے میں وہ کسی دوسرے آفس گیا ہوا تھا، اسے گیارہ بجے تک آنا تھا، کومل کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند کر نیم جان ہونے لگی کہ عمر بخت چلا آیا، وآصف کمرے میں نہ تھا، وہ کومل کے پاس آیا تو اس کی حالت دیکھتے ہی بے قرار سا ہو گیا، آہٹ پر یکدم کومل نے آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کر اسے حیران کن نظروں سے دیکھنے لگی۔

''آپ......آپ۔'' وہ گڑبڑا کر بولی، آج دوسری بار اسے یہاں دیکھ رہی تھی۔

''وآصف احمد کہاں ہے۔'' اسے وآصف سے ہی کام تھا، مگر اب کومل کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

''جی...... آپ یہاں؟'' مارے نقاہت کے وہ بولی۔

''میں نے بتایا ناں مجھے وآصف سے کام ہے، مگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' وہ انتہائی فکر مند لہجے میں بولا تو کومل کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔

معقول صورت، خوبصورت مردانہ وجاہت، دیدہ زیب لباس، بلاشبہ وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا، مگر کومل تو جیسے مرچیں چبائے بیٹھی تھی۔

''سنیئے مسٹر! آپ بلاوجہ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، وآصف صاحب اس وقت آفس میں نہیں ہیں، پلیز آپ جائیے۔'' وہ حد درجہ تلخ ہو رہی تھی، اس سے قبل وہ مزید کچھ کہتی، وآصف اندر داخل ہوا۔

''ارے عمر تم خیریت۔'' وآصف کی نظریں

دونوں پر پڑیں، وہ گھبرا ہی تو گیا۔

''مس کومل آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پلیز آپ گھر جائیں میں ڈرائیور سے کہتا ہوں کہ وہ آپ کو گھر چھوڑ آئے، آں......اور عمر تم میرے کمرے میں آؤ۔'' واصف کو عمر پر سخت طیش آرہا تھا، اس قدر بے صبرا اور احمق بندہ زندگی میں نہ دیکھا تھا، کمرے میں آکر وہ اس پر برس ہی تو پڑا۔

''یار حماقت کی حد ہوتی ہے، تم تو حد سے زیادہ فضول حرکات کرنے لگے ہو۔'' واصف تلملا رہا تھا، عمر واقعی شرمندہ ہو کر سر جھکا کر بولا۔

''یار میں نے تو تمہارا ہی پوچھا تھا کہ وہ......تم پھر بات کیوں نہیں کرتے ہو، میں کب تک برداشت کروں۔'' وہ بے صبری کی انتہا کو چھو رہا تھا۔

''یار...... یار...... بس کرو...... ایسا اتنا جلدی ممکن نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو، وہ آسانی سے ماننے والی نہیں ہے، گھریلو حالات کی وجہ سے وہ جاب کر رہی ہے، جاب چھوڑے گی تو گھر کی گاڑی کیسے چلے گی، پھر اس کا اعتبار ایک بار ٹوٹ چکا ہے، مت اپنی اور میری ریپوٹیشن خراب کرو، نہ ہی اسے رسوا کرو، صبر نہیں ہوتا تم سے۔'' واصف بول بول کر اب خاموش ہو گیا تھا، واصف کی باتیں ٹھیک تھیں۔

''جب میں نے ذمہ داری لی ہے تو مجھے اپنا کام کرنے دو، پلیز ابھی تم مت آؤ سامنے۔'' واصف کو اس سے سخت ہمدردی ہو چلی تھی۔

''ہاں ہاں تمہیں تو میرے سوا سب سے ہمدردی ہے، محبت ہے، جا رہا ہوں میں اور ہاں مت کرو میرے لئے کچھ۔'' وہ غصے میں کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر جھک کر اسے طیش میں کہتا باہر نکل گیا اور واصف حیران رہ گیا، وہ جانتا تھا عمر بخت کو اور اس کے غصے کو۔

کچھ دیر اس کے بارے میں سوچنے کے بعد وہ کام نمٹانے کے لئے فائل کھول کر دیکھنے لگا۔

☆☆☆

عمر بخت کو منانا زیادہ مشکل نہ تھا، سو جب واصف اسے اپنی شادی کی سالگرہ کا بلاوا دینے گیا تو اسے منا کر دم لیا، اگلا پڑاؤ کومل کے گھر تھا۔

منیزہ خاتون اور سب کو آنے کو کہا، فیصل اور ماہرہ کے امتحان تھے، ان دونوں نے معذرت کر لی، منیزہ خاتون کی طبیعت اجازت نہ دے رہی تھی۔

''میں گاڑی بھجوا دوں گا، پلیز آپ کوئی بہانہ نہ کیجئے گا۔'' وہ کومل سے مخاطب ہوا اور اس نے ماں کے کہنے پہ ہاں کر لی۔

''ٹھیک ہے بیٹا، مجھے خوشی ہو گی کہ کومل شرکت کرے، اس نے خود پر پہرے بٹھا رکھے ہیں نہ کہیں آنا نہ جانا۔'' منیزہ خاتون نے دلگرفتگی سے کہا تو واصف ''اللہ بہتر کرے گا'' کہہ کر اٹھ گیا۔

ہفتے کی شام سالگرہ کی تقریب تھی کومل نے خوبصورت کڑھائی والا سوٹ اور پرفیوم خرید کر گفٹ پیک کیا، وہ کپڑوں کے معاملے میں الجھی ہوئی تھی کہ ماہرہ آ گئی۔

''آپی کون سے کپڑے پہنیں گی؟'' ماہرہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''آں......سمجھ نہیں آ رہا۔'' کومل چونک کر بولی۔

''یہ پہن لیں۔'' نیوی بلیو کلر جدید انداز میں سلائی کیا گیا سوٹ جس پر خوبصورت سا ریشم کام کیا ہوا ہمراہ ستاروں کے، اسی طرح ستاروں بھرا آنچل تھا۔

''تھینک یو ماہرہ۔'' کومل کا مسئلہ حل ہوا، یہ سوٹ اسے پسند بھی بہت تھا۔

''ایک منٹ آپی۔'' وہ بھاگ کر اپنی الماری کھول کر ڈبہ نکال لائی نیوی بیلو کلر کے بندے اور نیکلیس اس کے سامنے لہرائے۔

''یہ بہت خوبصورت میچ ہو گئے ہیں۔'' اس نے زبردستی اسے تھمائے۔

''دلیں آپ چینج کریں اور ہلکا سا میک اپ بھی کریں۔'' ماہرہ نے اسے نصیحت سی کی۔

''اماں دادی بس کرو اب، جاؤ جا کر پڑھو۔'' اسے بھیج کر کومل تیار ہونے لگی، صرف کاجل اور پنک کلر کی لپ اسٹک نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

''جلدی آنے کی کوشش کرنا، خدا تمہارا نگہبان ہو۔'' ڈرائیور کے ہارن پر وہ باہر جانے لگی تو منیزہ خاتون نے مسکرا کر کہا، کومل نے سر ہلا دیا۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہے، اللہ اس کا نصیب روشن کرے آمین۔''

وہ پہلی بار وآصف احمد کے گھر آئی تھی، وآصف گیٹ پر ہی مل گیا اور اسے شفق کے پاس لے آیا، شفق بھی اس کے حسن واخلاق سے متاثر ہوئی، کومل نے گفٹ انہیں تھمایا، جسے شکریہ کہہ کر انہوں نے قبول کیا، وآصف آج کومل کو دیکھ کر عمر بخت کے حق میں دعا کرنے لگا، ابھی دعا ہی کی تھی کہ عمر کی سواری تشریف لے آئی اور اسے ساتھ لئے وہ کومل کے پاس آ گیا۔

''کومل یہ میرا بہت پیارا اور جگری دوست ہے۔'' وآصف کے بولنے پر کومل نے یونہی سر اٹھا کر دیکھا، وہ وہی والہانہ محبت عمر بخت کی آنکھوں میں عود کر آئی، جبکہ کومل کے ماتھے پر تیوریاں پڑ گئیں، بنا کچھ کہے وہ کرسی پر آ بیٹھی، وآصف کو اس کا گریز صاف محسوس ہوا، عمر بخت کی مردانہ وجاہت کا ہر کوئی معترف تھا مگر کومل اسے بری طرح اگنور کر رہی تھی، کالی پتلون پر آف وہائٹ شرٹ میں اس کا قد بے حد نمایاں ہو رہا تھا، سلیقے سے بنے بال قیمتی گھڑی اور دلکش کھڑے کھڑے نقوش، خود کومل کون سا کم لگ رہی تھی، جبھی تو وہ سارا وقت عمر بخت کی نگاہوں کے حصار میں رہی، جز بز ہو کر اپنا پہلو بدلنے لگتی، مگر وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا، بار بار اس کے راستے میں آ جاتا، گویا کسی کی پروا نہ تھی۔

وآصف کو اس کی حرکتیں انتہائی بری لگ رہی تھیں، مگر کیا کرتا کھانا لے کر وہ ایک سائیڈ پر ہو بیٹھی، شفق اور وآصف نے بار بار آ کر کھانے کا پوچھا، وہ اپنی عزت افزائی پر ان کی شکرگزار تھی۔

اصل امتحان کا مرحلہ اس وقت آیا جب وآصف نے عمر کو کہا کہ کومل کو اس کے گھر چھوڑ دے، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں وآصف نے اسے تنبیہ کی تھی کہ شرافت کے دائرے میں رہے۔

''وائے ناٹ...... آیئے۔'' مراد بر آ گئی تھی۔

عمر بخت کا دل بلیوں اچھل رہا تھا، ایک لمحے کو کومل کا رنگ فق ہوا، تب وآصف مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''بہت اعتماد اور شریف دوست ہے میرا یہ عمر بخت، بحفاظت آپ کو گھر پہنچا آئے گا، فکر نہ کریں اصل میں میرے ڈرائیور کی وائف کی طبیعت خراب ہو گئی ہے، ورنہ وہی آپ کو چھوڑ آتا، اگر اسے ایمرجنسی میں جانا نہ پڑتا، آپ بے فکر ہو کر جائیں آپ میری بہن ہیں، آپ کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔'' وآصف کی وضاحت پر وہ کیا کہتی، مرتے کیا نہ کرتے کے

مصداق وہ راضی ہوگئی، شفق بھابھی سے مل کر وہ تیز تیز چلتی پورچ میں آگئی اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھنے ہی لگی کہ عمر نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

''پلیز مجھے شوفر مت سمجھیے، آگے آ کر بیٹھیے۔'' وہ پرخلوص انداز میں بولا تو کومل تنے اعصاب کے ساتھ آگے سیٹ کر بیٹھ گئی، عمر دوسری جانب سے آ کر بیٹھ گیا، سرشاری سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

''شکریہ کومل...... تم نے مجھے اس قابل سمجھا۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولا تھا۔

''دیکھیے مسٹر......!''

''عمر بخت۔'' عمر نے آہستگی سے کہا تو وہ جملہ کاٹنے پر جل اٹھی۔

''میں وآصف بھائی کی وجہ سے آپ کی عزت کر رہی ہوں، ورنہ آپ نے جو صورت حال پیدا کر رکھی ہے، اس حوالے سے شرافت آپ کو چھو کر نہیں گزری۔'' وہ بل کھا کر بولی۔

''پلیز اتنا بڑا الزام تو نہ لگائیں۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے نرمی سے بولا تھا۔

''محبت کو فریب کا نام دے کر اس پاکیزہ جذبے کو آلودہ نہ کریں۔'' وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر ایسا اظہار کر بیٹھا کہ لمحہ بھر کو اس کے اعصاب شل ہو گئے، ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں، کھلم کھلا بے باک انداز واظہار، گھنی پلکیں عارض پر رقصاں ولرزاں تھیں اور اندر جنگ جاری تھی۔

''پلیز میری محبت کو سمجھنے کی کوشش کرو، میں تو عرصہ سے تمہارا منتظر ہوں، اس وقت سے، جب تم منصور سے منسوب تھیں، تمہاری ایک جھلک دیکھنے کو، تمہاری آواز سننے کو تڑپا کرتا تھا۔'' وہ آپ سے ''تم'' پر آ کر ساری حد طے کر گیا تھا، جبکہ کومل اس طرح کے انکشافات پر تپ اٹھی تھی۔

''سب جھوٹ، فریب، دھوکا ہے، خاموش ہو جائیں پلیز۔'' وہ ہراساں ہو کر بولی۔

''مت میرے راستے میں آئیں، نہیں ہے مجھے کسی پہ اعتبار، سب جھوٹ ہے، فریب ہے، پلیز آئندہ میرے راستے میں مت آیئے گا۔'' وہ سرخ چہرہ لئے کپکپا کر بولی۔

''یہ ممکن نہیں اب، میرا ہر راستہ تمہی تک آتا ہے۔'' وہ قطعی انداز میں بولا۔

گھر آ گیا تھا، وہ گاڑی روک کر اس کی طرف بغور اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں تمہارے راستے میں آؤں گا اور ہر بار آؤں گا، تم مجھ سے کب تک بھاگو گی۔'' عزم لئے ہوئے تھا۔

''اونہہ۔'' دروازہ کھول کر اک گھورتی نگاہ اس پر ڈال کر باہر آ گئی، تو عمر بھی گاڑی سے اتر آیا، دونوں برابر کھڑے تھے، کومل نے ڈور بیل بجائی، لمحوں بعد منیزہ خاتون نے دروازہ کھولا اک اجنبی سامنے تھا، ساتھ کومل تھی۔

''امی یہ وآصف بھائی کے دوست ہیں مجھے چھوڑنے آئے ہیں۔'' وہ نارمل انداز میں بولی۔

''آداب آنٹی۔'' وہ احترام سے بولا تھا۔

''آؤ بیٹا...... اندر آؤ۔'' ان کا کہنا تھا کہ وہ اندر آ گیا، شاید منیزہ خاتون انہیں بھول چکی تھیں مگر وہ پہلی نظر میں ہی انہیں پہچان چکا تھا۔

وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہی تھا کہ فیصل آ گیا، اس کے ساتھ اچھی خاصی دوستی ہو گئی، دس منٹ گزرے کہ کومل چائے لے کر آ گئی، اخلاقی فرض تھا، چائے پی کر وہ مسکراتا ہوا جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''شکریہ بیٹا تم کومل کو لے کر آئے۔'' انہوں نے کہا تو عمر نے کن انکھیوں سے کومل کو

دیکھا تو وہ پہلو بدلنے لگی۔
"اوکے فیصل۔" وہ بولا تو فیصل اسے باہر تک چھوڑنے آیا اور آئندہ آنے کا کہا، عمر بخت مسکرا دیا اور حامی بھرلی۔
آج تو دل کی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی تھی، اس کی دعائیں بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت پا گئی تھیں۔
"اب دیکھنا کے حالات بدلتے ہیں مس کومل کب تک دور ہو گی مجھ سے۔" وہ زیر لب مسکراتا خود کلامی کرتا گھر آ گیا، دل تھا کہ اب اس کی جدائی کو وصل میں بدلنے کا خواہاں تھا اور اس کے لئے واقعی سر دھڑ کی بازی لگا نا تھی۔

☆☆☆

پھر یوں وہ اکثر و بیشتر فیصل سے ملنے چلا آتا، بہت دوستی کر لی تھی اس سے دل وحشی کو قرار آنے لگا تھا، وہ پہلے پہل گھر میں نظر آتی، مگر اسے دیکھتے ہی جانے کس کونے کھدرے میں جا چھپتی، عمر پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا، ماہرہ خوب تواضع کرتی، منیزہ خاتون اسے زبردستی کھانے پہ روک لیتیں، مگر اسے کہاں چین آتا تھا، بہانے بہانے وآصف سے ملنے آفس چلا آتا، نگاہیں گستاخ ہو جاتیں کومل صبر کے گھونٹ پی کر رہ جاتی، چہرہ اس کی اندرونی کیفیت کے اظہار کے لئے کافی تھا۔
"یار کیا مصیبت ہے، کیوں تم اسے بار بار ڈسٹرب کرنے آجاتے ہو، وہ بھی میرے سامنے، میرے آفس میں، مجھ سے ملنا ہے تو گھر آجایا کرو۔"
"یہ کیا ٹین ایجر والی حرکتیں کرتے پھرتے ہو، ایک شریف لڑکی کے ساتھ۔" وآصف ایک ہفتے میں اس کا تیسرا پھیرا لگتا دیکھ کر پھٹ پڑا، تو عمر ڈھٹائی سے مسکرا کر بولا۔
"تم نے کبھی عشق کیا ہو تو اس کی لذت سے آگاہی بھی ہو۔" عمر کا جواب اسے تپا ہی تو گیا۔
"عشق...... بکومت...... انتہائی تھرڈ کلاس حرکتیں ہیں یہ...... کم از کم میں تمہیں بالکل ایسا نہیں سمجھتا تھا۔" مسلسل طیش کھاتا وآصف کھول کر بولا۔
"اب جان گئے ہو ناں، پھر میری مدد کو کیوں نہیں آتے ہو، کیوں نہیں اس کی برین واشنگ کرتے ہو، کیوں وہ مجھے تڑپاتی ہے، کتنا ترسا ہوں میں اس کے لئے۔"
"ڈسٹرب تو اس نے مجھے کر رکھا ہے، کیا میرا خوشیوں پر کوئی حق نہیں، میرا دل نہیں چاہتا کہ اسے اپنی محبت دوں، اس کی تھکن اپنے ہاتھوں سے چنوں۔" ایسے بولتے بولتے وہ اداس چہرہ لئے خاموش ہوگیا، تو وآصف کو اپنے لہجے کی تلخی کا شدت سے احساس ہوا، تو وہ اٹھا اس بازو سے تھام کر بٹھا کر اس کے سامنے جا بیٹھا۔
"تم اپنی جگہ درست ہو، مگر دیکھو یار جب تک کومل خود نہ مان جائے تم کس طرح...... تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ناں، تم اکیلے ہی اپنا ہاتھ کب تک پیٹتے رہو گے، میں تمہارے ساتھ ہوں، میں خود جا کر خالہ جان سے بات کروں گا، وہ اپنی ماں کی بات ضرور مانے گی، بلکہ تمہاری محبت ہی اسے اس کی سوچ بدلنے پر مجبور کرے گی۔"
اور پھر اس نے آفس آنا کم کر دیا، اپنی عزت بھی عزیز تھی اور کومل کی عزت بھی، وقت گزرتا رہا، کبھی کبھار وہ دل کے ہاتھوں بے حد مجبور ہو جاتا، مگر وآصف کی باتیں اسے ہر عمل سے روک ڈالتی تھیں۔

☆☆☆

کئی دنوں کی سوچ بچار اور شفق سے

مشورے کے بعد وآصف منیزہ خاتون کے پاس جا پہنچا، دن کے گیارہ بجنے والے تھے، وہ ضروری کام کا کہہ کر اٹھ آیا، کومل کی غیر موجودگی میں ہی تو منیزہ خاتون سے تفصیلی بات کرنا تھی۔

''آؤ بیٹا۔'' منیزہ خاتون اسے بے وقت یہاں پا کر حیران تو ہوئیں، مگر خوش دل سے بولیں، وآصف کا رکھ رکھاؤ اور وضع داری انہیں بہت پسند آئی تھی، آداب وسلام کے بعد وہ مفصل انداز میں اپنا مدعا بیان کر رہا تھا، منیزہ خاتون خوش بھی تھیں اور پریشان بھی۔

''بیٹا تم نے ایک بھائی کی حیثیت سے بہت اچھا کیا، مگر کومل کی ''ناں'' ''ہاں'' میں نہیں بدل رہی، میری تو راتوں کی نیند اڑ گئی ہے، ماہرہ بھی اب اس کے لائق ہو رہی ہے کہ اس کے لئے بر تلاش کروں، مگر پہلے کومل مانے تو۔'' وہ دلگرفتگی سے مایوس ہو کر بولیں، تو وآصف نے انہیں بھرپور تسلی دی۔

''خالہ جان فکر کیوں کرتی ہیں، میں خود کومل کو سمجھاؤں گا، بڑا بھائی سمجھائے تو اس کا کہنا ماننا پڑتا ہے، عمر بخت بہت سلجھا ہوا انسان ہے، خواہش مند ہے کومل کو اپنانے کا وہ پچھتائے گی اسے ٹھکرا کر، میں ضمانت دیتا ہوں عمر بخت اور اس کے گھر والوں کی، بس آپ اس سے بات کر لیں، پھر مجھے بتائیں، اگلا قدم میں خود اٹھاؤں گا اور ہاں کسی کو میرے یہاں آنے کا معلوم نہ ہو۔'' وہ جاتے جاتے انہیں کہہ گیا۔

''رب العالمین میری مدد فرما، کومل کو ہدایت دے، اس کے دل سے خدشات اور وہم ہٹا دے، روکھی سوکھی کھا کر گزارا کر لیں گے، مگر اس کی شادی جلد ہونا ضروری ہے۔'' وہ دن بھر دعائیں مانگتی رہیں، دل ہی دل میں خوش بھی تھیں کہ عمر بخت جیسا انسان کومل کو اپنا رہا ہے۔

''مجھے اپنے اللہ پر پورا بھروسہ ہے، وہ ضرور میری سنے گا، انشاء اللہ۔'' وہ جائے نماز پر خاصی دیر بیٹھی رہیں، سربسجود ہو کر بیٹی کے روشن مستقبل ونصیب کے لئے اشک بہا کر دعائیں کرتی رہیں، اب انہیں اک گوناں گوں سکون مل رہا تھا۔

☆☆☆

وقت مقررہ پر سبھی آ گئے، فیصل اکیڈمی چلا گیا، ماہرہ اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی، تب کومل بھی آ گئی، تھکن تھی اس کے ملیح چہرے پر۔

''تھک گئی ہوناں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے محبت سے بولیں۔

''جی امی...... آج کام ہی زیادہ تھا۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

''اچھا تم فریش ہو جاؤ میں کھانا نکالتی ہوں۔'' وہ مزید کچھ کہے بغیر کچن میں آ گئیں۔

نیم گرم پانی سے ہاتھ لے کر وہ خاصی حد تک تر وتازہ دم ہو گئی تھی، کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں آ گئی، کہ منیزہ خاتون آ گئیں۔

''آئیں امی۔'' وہ بالوں کو سمیٹ کر اٹھ بیٹھیں، ماں کے چہرے پر تفکرات کی پرچھائیں تھیں، وہ نظریں چرانے لگی، گویا خود اس کی ذمہ دار ہو، منیزہ اس کے قریب بستر پر ہی بیٹھ گئیں، اور بنا کسی تمہید کے بولنے لگیں۔

''عمر بخت اچھا سلجھا ہوا انسان ہے، اچھے خاندان کا ہے، تمہارا خواہشمند ہے، بیٹا خود کو اور اذیت مت دو، ہمارے گھر کے حالات کے بارے میں سب جانتا ہے، اسے تمہارے ساتھ گزرے سانحے پر بھی کوئی اعتراض نہیں، میں بلاوجہ اسے رشتے کو مسترد نہیں کرنا چاہتی، تم ''ہاں'' کہو تو باقی معاملات طے کر لیں، اس کے

گھر والے آئیں۔''
''کیا؟'' کومل دم بخود بیٹھی اچانک بولی۔
''تو حالات یہاں تک آ گئے، چھچھورا انسان، کیسے اپنی شرافت کی دھاک بٹھا دی، اپنی چکنی چپڑی باتوں سے۔''
''امی یہ ناممکن ہے، مجھے کسی عمر بخت سے کوئی شادی نہیں کرنی، ابھی میرے بہن بھائیوں کا مستقبل ہے، ذمہ داریاں ہیں، میں کیسے یہ سب فراموش کر کے......'' اس کی بات منیزہ خاتون نے یہیں پر کاٹ دی۔
''یہ تمہاری ذمہ داریاں ہرگز نہیں ہیں، تم نے خود پر مسلط کر رکھی ہیں، تمہارے ابو کی چھوڑی ہوئی رقم، پھر تمہارے نانا جان کے مکان کا مقدمہ تمہارے ماموں جیت چکے ہیں، وہ بک جائے گا تو خاصی رقم ملے گی۔''
''میرے لئے کوئی مسئلہ ہے تو وہ تمہارا اور ماہرہ کی شادی، جس کی فکر میں میری راتیں جاگ جاگ کر گزرتی ہیں۔'' ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔
''امی پلیز۔'' وہ یکدم ان کی گود میں سر رکھ کر رو پڑی۔
''امی پلیز مجھے مجبور نہ کریں، میرا دل نہیں مانتا، کون اتنا اعتبار دے گا مجھے کہ سب کچھ بھول سکوں۔'' وہ سسکیاں لے کر بولی، تو منیزہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔
''میں...... میں ایسا کیسے سوچ سکتی ہوں، میرے تصور میں بھی یہ بات نہیں آتی، آپ انہیں منع کر دیں۔'' اس کے لہجے میں لجاجت تھی، گزارش تھی، التجاء تھی، تب منیزہ ہولے سے اٹھیں اور بے بس سی ہو کر باہر چلی آئیں۔
وہ رات کومل پر بڑی بھاری تھی، منصور کا لگایا ہوا زخم ایک بار پھر ٹیسیں دینے لگا تھا۔

''نہیں ہے مجھے کسی پہ اعتماد، کیوں پڑ گیا ہے یہ شخص میرے پیچھے، خود کو کتنی مشکل سے سمیٹا ہے، کیوں مجھے بکھیرنے پر تلا ہے، نہیں چاہیے مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے مجھے، اللہ مجھے ہمت دیئے رکھے، مجھے اپنوں کے لئے جینا ہے، اپنے لئے جینا بھی کوئی جینا ہے ان سب کو میری ضرورت ہے، مت آؤ میرے راستے میں رکاوٹ بن کر، ورنہ میں خود کو سمیٹ نہ سکوں گی۔'' آنسو بخود اس کے گالوں کو تر کرنے لگے۔
''یہ سوچے سمجھے بنا کہ زندگی میں کوئی تو آیا ہے بہار بن کر۔'' اس کے کانٹے چننے، مگر وہ صرف تصویر کا ایک ہی رخ دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

منیزہ خاتون نے فون پر آصف کو، کومل کی باتیں پہنچا دیں، ان کی روئی، سسکتی آواز آصف کو بے حد افسردہ کر گئی، تب اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
''ٹھیک ہے خالہ جان میں اب خود کومل سے بات کروں گا۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا، دوسرے دن وہ کومل کو اپنے کمرے میں بلا کر پوچھ رہا تھا۔
''پلیز آصف بھائی، میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ سختی سے بولی۔
''آپ کو کچھ خیال ہے کہ آپ کی اس ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ میرا دوست تو بے موت مارا ہی جائے گا، مگر خالہ جان بھی یہ صدمہ برداشت نہ کر پائیں گی۔'' وہ قدرے سختی سے بولا، کہ کومل کی آنکھیں برس اٹھیں۔
''میری بہن زندگی یوں نہیں گزرتی، کہیں نہ کہیں دل کے بجائے دماغ کی بات ماننی پڑتی ہے، عمر بخت بہت اچھا انسان ہے اور اس کے گھر والے بھی، میں ضمانت دیتا ہوں اس کی، مجھ پر

چھوڑ دو سب اور اللہ پہ بھروسہ رکھو۔''

''سبھی اس شخص کی طرفداری کر رہے ہیں۔'' وہ چکرائے سر کو تھامے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھے گئی، پھر ایک فیصلہ اس کے لبوں پر آ گیا۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی، میں راضی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا، آنسو اب بھی ہاتھوں کی لرزش پر واضح ہو رہے تھے۔

''شکریہ میری بہن، سدا خوش رہو، تم نے میرا مان رکھ لیا۔'' وآصف نے خوش ہو کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا، تو وہ ٹشو سے چہرہ صاف کر کے باہر آ گئی۔

☆☆☆

شام کو وآصف اور شفق عمر کے گھر آ گئے اور نور بیگم اور فاروق صاحب کے سامنے سارے معاملے کو رکھ دیا، پہلے تو نور بیگم نہ مانیں، کہ بیٹے کے لئے ایک طلاق یافتہ رہ گئی ہے، فاروق صاحب وآصف اور شفق کے دلائل نے انہیں قائل کر لیا اور کہا کہ۔

''پہلے جا کر آپ کومل کو دیکھ لیں، ساتھ ہی عمر بخت کی خواہش کو بھی مدنظر رکھیں، جس نے ایک جھلک دیکھ کر کومل کو دل میں چھپایا ہوا تھا اور اس کے سوا وہ کسی اور سے شادی کرنے کو راضی بھی نہ تھا۔''

نور بیگم سارے حالات سے واقف تھیں، سو بیٹے کی خواہش پہلی ترجیح رہی، دو دن کے بعد نوشی فاروق احمد اور نور بیگم وآصف کے ہمراہ کومل کے ہاں چل دیئے، حالات کیسے بدل گئے تھے، کچھ عرصہ قبل وہ یہاں سے مایوس و ناکام لوٹے تھے، منیزہ نے ان کا بھرپور استقبال کیا، کومل کمرے میں کیا آئی گویا چاند اتر آیا تھا، تب نور بیگم کو واقعی عمر بخت کی پسند پر جی جان سے پیار آیا، انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس کے ہاتھ میں اپنا سونے کا وزنی کڑا پہنا کر اسے اپنی بہو تسلیم کر لیا تھا، سو باہمی صلاح و مشورے کے اگلے ماہ کی دس تاریخ رکھ دی، کومل جس کے دل میں ابھی بھی خدشات و واہمے سر اٹھا رہے تھے، وہ خود کو تسلی بھی نہ دے سکی تھی، دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں، عمر اور اس کے گھر والوں نے جہیز لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

☆☆☆

آج نکاح کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے عمر بخت کی بنا دی گئی تھی، اس دوران عمر بخت نے کئی بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے انکار کر دیا، اس کے اس عمل کو سبھی شرم سے محمول کر رہے تھے۔

پھر وہ لمحہ بھی آ گیا، جب شفق بھابھی اور نوشی آپی نے اسے انتہائی نفاست سے سجے حجلہ عروسی میں پہنچایا۔

اس وقت وہ تنہا تھی، عروسی لباس، بے شمار زیورات سے آراستہ سولہ سنگھار سے سجا روپ، کومل چاند کو بھی شرما رہی تھی، عمر بخت فاتحانہ انداز میں اندر داخل ہوا، سرخوشی کی لہریں اس کے روم روم سے اٹھ رہی تھیں، اگلے ہی پل وہ دم بخود رہ گیا، بے یقینی سے اسے دیکھے گیا، غرور سے سر اور گھونگھٹ اوپر کیے اسے سخت نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، کہیں بھی شرم کا شائبہ نہ تھا۔

''تم...... کومل...... کیا ہوا؟'' وہ گڑبڑا کر بولا، قریب آیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی، گویا وہ نامحرم ہو۔

''میں کچھ بھی تو نہیں سمجھ پا رہا کومل، پلیز اگر یہ مذاق ہے تو بہت غلط ٹائم ہے، اس وقت تم میری دلہن ہو۔'' وہ ذرا اور پیش قدمی کرنے لگا تو وہ پھٹ ہی تو پڑی۔

''آپ نے اپنی من مانی کر لی، کر لی ناں، اب مجھ سے کوئی توقع مت رکھیں، آپ نے مجھ سے زبردستی کی ہے۔''

''نہیں...... نہیں...... ایسا مت کہو...... میری محبت کو سمجھو۔'' وہ واقعی پریشان لگا، مگر اس پر تو جیسے کوئی بات اثر ہی نہ کر رہی تھی، سنگدل اور پتھر بنی ہوئی تھی۔

''مجھے کیا معلوم تھا کہ تم مجھ سے اس قدر نفرت کرتی ہو، میری سچی محبت کو جان ہی نہیں سکی ہو، ٹھیک ہے جب تک تم خود میری محبت کو محسوس نہ کرو گی، میں تمہیں چھوؤں گا بھی نہیں، مگر ایک بات یاد رکھنا میں نے تم سے سچی محبت کی ہے، اب سے نہیں برسوں سے، پورے دل کی گہرائیوں کے ساتھ، بنا کسی کھوٹ کے، سالوں تمہارا انتظار کیا، کسی کو تمہاری جگہ نہیں دی، اس روپ کو دیکھنے کے لئے لاکھوں دعائیں کیں، کتنا ترسا ہوں تمہیں اپنی دلہن بنے دیکھنے کو اور تمہیں تمہیں مجھ پر اعتبار ہی نہیں۔'' وہ بکھر رہا تھا، مگر کومل پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا، وہ صرف اپنی بے اعتباری کے درمیاں بھٹک رہی تھی، سچائی اسے دکھائی ہی نہ دے رہی تھی۔

''جاؤ، لباس تبدیل کر کے سو جاؤ، تم اب اس گھر کی عزت ہو۔'' وہ اٹھا اور سنجیدہ سنجیدہ کہتا صوفے پر جا بیٹھا۔

''کیا میری محبت میں طاقت نہیں؟'' پندرہ منٹ بعد وہ آئی، دھلا دھلایا چہرہ، ہلکے گلابی رنگ کے لباس میں، اس سادگی میں بھی وہ دل میں اتر رہی تھی۔

''کاش تم اتنی ظالم نہ ہوتیں تو آج کی رات ہم خوشیاں کشید کر رہے ہوتے، کاش......''

وہ تلخی سے سوچ کر بھینچ کر کے لائٹ آف کر کے صوفے پر ٹک گیا، جبکہ کومل بیڈ کے ایک طرف مزے سے لیٹی ہوئی تھی، دونوں ہی شب بھر جاگتے رہے۔

پھر اگلے کئی روز اسی اجنبیت اور بے اعتنائی کی نظر ہو گئے، گھر والوں کے سامنے نارمل رہتے، کسی کو کچھ پتہ ہی نہ چل رہا تھا کہ کوئی سرد جنگ جاری ہے، اس رات کھانے پر نور بیگم نے انہیں گویا یاد دہانی کرائی۔

''ہنی مون پر کب جا رہے ہو بیٹا؟'' وہ عمر سے مخاطب تھیں۔

''ان سے پوچھ لیں۔'' عمر نے بال کومل کے کورٹ میں پھینکی، تو کومل چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور جلدی سے بولی۔

''پتہ نہیں امی جان، انہیں معلوم ہو گا۔'' یہاں اس نے عمر کا سہارا لیا۔

''جلدی جاؤ ناں بیٹا، یہی تو دن ہوتے ہیں، پھر بچوں میں پھنس کر کہاں جا سکو گے۔''

''اُف۔'' کومل کا چہرہ ان کی بات پر تپ سا گیا، کمرے میں آ کر وہ اپنی ناہموار سانسیں درست کر رہی تھی کہ عمر آ گیا۔

''کب چلیں ہنی مون پر؟'' وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''کبھی نہیں اور کہیں نہیں۔'' وہ فرار کی راہیں مسدود پا کر نگاہیں جھکا کر بولی۔

''ہاں بھئی ہنی مون پر تو میاں بیوی جاتے ہیں اور ہم تو ابھی تک......''

''اوہ میرے خدایا۔'' عمر کا نامکمل جملہ اس کا سر جھکا گیا، بے باک جملہ، واضح اشارے۔

''آؤ ایک ہو جائیں۔'' وہ ہاتھ آگے بڑھا کر بولا۔

''بھول جاؤ سب، میری محبت کمزور نہیں ہے، یقین کرو میرا، اعتبار کرنا سیکھو میرا، فائدے میں رہو گی۔'' عمر آگے قریب آ کر جھک کر سرگوشی

کر کے پیچھے ہٹا تو کومل تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

گھر میں سبھی بے حد خوش تھے، نور بیگم اسے چاند چہرے والی بہو کا خطاب دے چکی تھیں، نوشی بھی بہت مطمئن کہ آخر کار بھائی کا گھر بس گیا، جب بھی آئیں کومل کو بے حد پیار کرتیں، بچے بھی ممانی سے بہت لگاؤ رکھتے تھے، فاروق احمد اسے دیکھ کر نہال ہوتے، مگر اک وہی بولائی بولائی پھرتی رہتی۔

میکے آتی تو ماں کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جاتی، کیسی قسمت جاگی تھی، عزت کرنے والا دولت مند داماد ایک کومل ہی اس کی بے قدری کر رہی تھی۔

وآصف کے بے حد اصرار پر وہ آج اس کی طرف چلے آئے، دانش کو بہت زیادہ پیار کرتے ہوئے دیکھ کر شفق نے اسے چھیڑا۔

''کب خوش خبری سنا رہی ہو تم۔'' وہ نہ سمجھتے ہوئے حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''ارے کوئی پیارا سا، گل گوتھنا، قلقاریاں مارتا ہوا مہمان۔''

''جب اللہ کی مرضی ہوئی۔'' وہ حقیقت پسندانہ جواب دے کر رہ گئی۔

''ٹھیک ہے جی۔'' شفق اسے دعائیں دینے لگی۔

کھانا کھایا گپ شپ کر کے وہ اجازت لے کر آ گئے، عمر نے اک نگاہ اس پر ڈالی سرخ و سفید امتزاج کے دیدہ زیب سوٹ میں اس کی رنگت مہک رہی تھی، ہلکا ہلکا میک اپ حسن کو دو آتشہ کر رہا تھا، اس پر اس کی سرد مہر ادائیں۔

یونہی اس نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اسے پرشوق نظروں سے دیکھتا جا رہا تھا، کومل عمر کی ایسی حرکتوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی گھبرا جاتی، سمٹنے لگی تو عمر نے یکدم اس کے ٹھٹھرتے کانپتے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا، تو وہ چھڑانے کی ناکام سعی کرنے لگی، تو عمر نے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور اداس گمبھیر آواز میں سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میری محبت کا تمہیں اس وقت اعتبار آئے گا کومل جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا، اس وقت ناں......''

''آہ۔'' وہ سرد آہ بھر کر گاڑی چلانے لگا، بے حد سنجیدہ و رنجیدہ اور کومل کو اسے اپنی خود ساختہ انا کا الم ریزہ ریزہ ہو کر راکھ بن کر زمین پر گرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، یکدم اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں، اس نے منہ پھیر لیا، لوگوں کا رش تھا، دہکتے چہرے تھے کومل کا جی چاہ رہا تھا کہ ایسا کوئی تنہا گوشہ ہو جہاں جی بھر کر رو سکے، خود کو ملامت کر سکے، چکراتے ذہن کے ساتھ سفر تمام ہوا، عمر کی طرف سے مکمل خاموشی و سنجیدگی تھی۔

گھر آ کر وہ نور بیگم سے خوشدلی سے ملی، عمر کے چہرے پر بھی زبردستی کی بشاشت تھی۔

کچن کا کچھ کام سمیٹ کر وہ کمرے میں آ گئی اور بستر پر آ کر بے آواز روئے گئی، عمر اندر آیا، اس کے آرام کے خیال سے آہستگی سے لائٹ آف کر کے صوفے پر آ لیٹا، بازو آنکھوں پہ رکھے وہ درد کے سمندر سے گزر رہا تھا، آج کل اس کا دماغ عجیب سوچوں میں غرق تھا، کتنے خواب دیکھے تھے، کومل کے سنگ زندگی کے حسین لمحات بتانے کے، مگر سب خواب اور سپنے اب اس کا منہ چڑا رہے تھے، کمرے میں آتا تو عجیب بے بسی کا احساس الگ کچوکے لگاتا، وہ چاہتا تو زبردستی کر سکتا تھا، مگر اس سے محبت تھی، جواب میں بھی محبت کا خواہاں تھا۔

سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی، مگر کومل

کی نیندیں اڑ چکی تھیں۔
اگلے کئی روز اس سوچ و بچار کی نذر ہو گئے، وہ خود سے بھی نظریں چراتے ہوئے تھی۔
''اگر عمر کو کچھ ہو جائے تو۔'' اس کی جان ہی تو نکل جاتی یہ سوچ سوچ کر۔
''کتنا ظرف ہے اس کا، میرا برسوں لمحہ لمحہ انتظار کیا اور میں اسے کسی قصور کے بنا سزا دیئے جا رہی ہوں۔'' مجرم تو وہ خود تھی، بے اعتباری کے راستے کی مسافر تو وہ تھی، پھر عمر کو کیوں کانٹوں پر گھسیٹا، وہ خود یہ ملامت کر رہی تھی۔
اس کی محبت سچی اور کھری تھی اس نے تمہیں حاصل کر لیا، تم سے ٹوٹ کر محبت کی، پھر اس کے ساتھ تم نے کیا کیا؟ ندامت کے قطرے پیشانی پر ابھر آئے، وہ سخت الجھن میں تھی رات گئے وہ گھر آتا، کام کی زیادتی کا بہانہ، وہ خاموشی سے دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیتی، دونوں میں بات چیت تک بند تھی، اس کی ضرورت کی ہر چیز ٹائم اور جگہ پر مل جاتی، پھر کیا بات کرتا، اس روز کے بعد بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔
جبکہ اس کے برعکس کومل کا جی چاہتا کہ اس عظیم انسان کے قدموں میں بیٹھ کر معافی طلب کرے، جس نے اس کے طلاق یافتہ ہونے کا داغ اپنی محبت سے دھویا، چاہت سے اس کی ذات کو سمیٹا، اس کے بدلے میں، کومل نے اسے نفرتوں کے حوالے کر دیا تھا، وہ سخت الجھنوں میں تھی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا متبرک مہینہ اپنے دامن میں نیکیوں کو لئے چلے آیا، ہر لمحہ نیکی کشید کرتے رہنے کا جی کرتا تھا، ایک پل بھی ضائع ہونا گناہ تصور ہوتا تھا کومل نہایت خشوع و خضوع سے عبادتوں میں مگن تھی۔
صبح سے ہی اس کا دل جانے کیوں بے چینی کی کیفیت میں تھا، عجب بے قراری سی تھی، اسے یہی احساس مارے ڈالے جا رہا تھا کہ وہ بہت بڑا گناہ کر رہی ہے، لاکھ عبادتیں کر کے مگر جب شوہر سے ہی تعلقات ٹھیک نہ ہوں اور قصور بھی اپنا دکھائی دے تو دل کا بے قرار ہونا لازمی تھا۔
آج اس نے تہیہ کر دیا تھا کچھ بھی ہو وہ عمر سے ہر صورت میں معافی مانگے گی اسے پورا یقین تھا کہ وہ اسے ضرور معاف کر دے گا، تب اپنی عبادتوں کی قبولیت پر بھی یقین آئے گا۔
عمر کے آفس جانے کے بعد وہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگی، پھر کچھ کام دیکھے رمضان میں گھر کی روٹین تبدیل ہو گئی تھی، افطاری کے لئے جو اہتمام کرنا تھا اس میں خاصا وقت تھا۔
فاروق صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی، وہ گھر پہ ہی تھے کہ دن دو بجے فون کی بیل ہوئی، انہوں نے ریسور اٹھایا اور چند ہی لمحوں کے بعد نور بیگم اور کومل کو گھبرائی ہوئی آواز میں پکارنے لگے۔
''عمر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وآصف کا فون تھا، وہ ہسپتال میں ہے۔
یہ سننا تھا کہ کومل کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے میں بھی تارے ناچنے لگے۔
''میری محبت کا یقین تمہیں میرے جانے کے بعد ہو گا۔'' عمر کے الفاظ اس کی جان نکالنے لگے کہ اس نے خود کو سنبھالا، سبھی ہسپتال کی طرف روانہ ہوئے، ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا، نور بیگم اور کومل اشک بہائے جا رہی تھیں، جبکہ فاروق صاحب انہیں تسلیاں دے رہے تھے، باوجود اس کے وہ خاصا ضبط کر رہے تھے، مرد تھے اس کے حوصلے کا دامن تھامے بیٹھے تھے۔
''اگر عمر کو کچھ ہو گیا تو؟'' کومل کا دل اپنے

ہی وسوسوں پر ڈوبنے لگتا۔

گاڑی جیسے ہی ہسپتال کے گیٹ پر رکی، کومل تیزی سے باہر نکلی، نور بیگم بھی فوراً اس کے ساتھ چلنے لگیں، سبھی تیز تیز چلتے مطلوبہ کمرے تک آ گئے، وآصف باہر ہی کھڑا تھا، ان کے چہروں پر چھائی فکرمندی دیکھ کر فوراً بولا۔

''بے فکر رہیں صرف بازو پر زخم آئے ہیں، اللہ نے کرم کیا۔'' وآصف تفصیل بتا رہا تھا۔

کومل کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئی تھیں، جو اس کے اندرونی کرب کا اظہار کر رہی تھیں، وہ مسلسل لب کچل رہی تھی۔

''آنٹی حوصلہ رکھیں، ابھی وہ نیند میں ہے، اسے میں ہی یہاں لایا ہوں۔'' وآصف کی باتوں پر ان کے تڑپتے دلوں کو کچھ قرار ملا، کومل کے ہونٹ دعاؤں سے لرزاں تھے، عمر کی زندگی اس کی صحت کے لئے، نور بیگم تسبیح لئے اشکوں کے موتی رب کریم کی بارگاہ میں بہا رہی تھیں۔

دو گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد ڈاکٹر نے بتایا کہ اب عمر جاگ رہا ہے، آپ مل سکتے ہیں، تینوں ہی وآصف کی ہمراہی میں اندر چلے آئے۔

روزوں کی نقاہت اور اب تکلیف کے باعث عمر کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا، کومل کو سامنے پا کر اس طرح بکھرتا دیکھ کر اس کے اندر تک سکون اتر آیا، اپنی تکلیف معمولی سی محسوس ہونے لگی تھی، کومل کی سرخ آنکھیں، عمر کب اسے اس طرح روتا دیکھ سکتا تھا۔

کومل محض اسے دیکھ سکی، نظریں ملانے کی ہمت ہی نہ تھی، بول نہ سکی، حال کیا پوچھتی، کافی دیر رکنے اور باتیں کرنے کے بعد وآصف نے انہیں گھر جانے کو کہا۔

''انکل آنٹی آپ گھر جائیں، بھابھی اور میں یہیں ہیں، ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ عمر کو کل گھر جانا ہوگا، آج کی رات یہیں رہنا، پلاسٹر البتہ تین ہفتے کے بعد اترے گا، مکمل ریسٹ کرنا ہے۔''

''نہیں بیٹا میں ادھر ہی رک جاتا ہوں۔''

فاروق صاحب کو قرار نہ آ رہا تھا وہ بولے تو وآصف مسکرا کر گویا ہوا۔

''آپ کی طبیعت اس کی اجازت نہ دے گی، میں اور بھابھی ہیں ناں، فکر کی کوئی بات نہیں، آیئے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں گاڑی تک۔''

''ٹھیک ہے بیٹا میں سوپ بنا کر بھیجتی ہوں، نوشین بھی افطاری کے بعد آ جائے گی۔'' نور بیگم بولیں تو یہاں بھی وآصف نے دوستی کا پورا حق ادا کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں شفق بنا رہی ہے اور بھابھی کی افطاری بھی لے آؤں گا، آپ سب کے لئے دعائیں کریں بس۔'' وآصف جیسا ہمدرد اور سچا دوست سب کے نصیب میں نہیں ہوتا، نور بیگم اور فاروق احمد ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔

تب وہ عمر کو پیار کر کے کومل کو تسلی دے کر باہر آ گئے، وآصف بھی اپنے گھر کی طرف ہو لیا۔

☆☆☆

دونوں کمرے میں تنہا تھے، کومل کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کہے، انگلیاں مروڑ رہی تھی، آنکھیں خشک اور سرخ تھیں، وہ اضطرابی کیفیت سے دوچار تھی، عمر اس کی حالت جان چکا تھا۔

کومل یکا یک سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی، عمر کی آنکھوں میں وہی ازلی والہانہ چمک تھی، محبتوں کی، اگرچہ چہرے پر اداسی اور نقاہت تھی، مگر چاہتوں کا اک جہاں آباد تھا اس کی گہری آنکھوں میں، جسے آج کومل نظر انداز نہ کر سکی، عمر کو اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دکھائی

دینے لگا تھا، مگر لبوں سے وہ سننا چاہتا تھا کومل کے۔

کومل آہستہ سے چلتی اس کے قریب آ گئی اور کرسی پر بیٹھ گئی، پھر اس کے بائیں بازو پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔

''مجھے معاف کر دیں، میں غلطی پر تھی، مجھے آپ پر اعتبار آ گیا۔'' اس کی آواز میں حد درجہ شرمندگی تھی، بے چارگی کا گہرا احساس تھا، عمر نے اپنا بازو ہلایا تو وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی، تب وہ دھیرے سے بولا۔

''شکر ہے تمہیں اعتبار تو آیا، ورنہ میں تو......''

''بس۔'' اچانک ہی کومل نے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور نرمی سے بولی۔

''گئی باتوں کو مت دہرائیں۔'' وہ شرمسار تھی، چہرہ آنسوؤں کی نمی سے بھیگا ہوا تھا۔

''واقعی۔'' عمر براہ راست اس کی گیلی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''ہاں۔'' اس بار وہ بھرپور انداز میں مسکرا کر بولی، تو عمر نے شانت ہو کر پلکیں موند لیں، اک لمبے سفر کے بعد گویا سائے میں آ گیا تھا۔

''آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں تو ہم اپنی زندگی کا نئے سرے سے آغاز کریں گے، عید بھی آ رہی ہے ناں۔'' کومل کے لہجے میں سر چھنک رہے تھے۔

''عیدی لوں گا۔'' عمر شرارتی انداز میں بولا۔

''ہاں تو......'' کومل نہ سمجھی سے دھیمی مسکان لئے بولی۔

''دو گی......جو......مانگوں گا؟'' عمر لگاوٹ سے پوچھنے لگا۔

''وعدہ......دوں گی۔'' وہ بھی مسکرا کر بولی۔

''مگر کیا؟'' آنکھوں سے مدھ ٹپک رہا تھا۔

''مجھے تم چاہیے ہو کومل اور کچھ نہیں۔'' عمر نے کچھ ایسا کہا کہ وہ شرما کر رہ گئی۔

''کومل آپ کی ہے عمر۔'' کومل نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

''اور مجھے بھی بس آپ چاہئیں، آپ کا ساتھ۔'' عمر نے اس کا ہاتھ دبا کر بھرپور وعدہ کر لیا۔

''تو یہ عید ہمارے آنگن میں ہمارے دلوں میں نئی خوشگوار زندگی کا پیغام لے کر آ رہی ہے۔'' عمر کے انداز میں روشنیاں سی بکھر رہی تھیں اور کومل ان روشنیوں اور گلابوں سے بھرے راستے میں اس کے ہمقدم تھی، خوشیوں بھری ساعتیں اسے تھامنے کو بے قرار تھیں۔

تم ناحق ٹکڑے چن چن کے
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیوں آس لگائے بیٹھے ہو

یہ منظر آج سے کئی دہائیوں پہلے کی اس شام کا تھا جب ہندو اور مسلمان ایک ساتھ رہتے تھے اس وقت پاکستان کا خواب دیکھنے والی آنکھ نے ابھی آنکھ نہیں کھولی تھی تھا، ستون سے لگی پشت کیے، بند آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ گلابی ہونٹوں پہ عجیب سی مسکراہٹ اور وجود کے گرد نور کا ہالہ سا لیے وہ سیتا تائی کی مار سہہ رہی تھی، کتنی عجیب بات تھی نا ان کی چھڑی پشت پہ لگتی اور اس کی آنکھ سے آنسو بہنے کے ساتھ ساتھ ہونٹوں پہ پرسکون سی مسکراہٹ بکھر جاتی، وہ دکھ سے رو رہی تھی یا درد سے، یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا وہ تو بس حیرت زدہ سا اس کی پرسکون مسکراہٹ اور چہرے پہ سجے نور کو دیکھ رہا تھا، اسے درد کیوں نہیں ہو رہا، تکلیف کا احساس کیوں نہیں اسے محسوس ہو رہا، کیا وہ سیتا تائی کی مار کی اس قدر عادی ہو گئی کہ اب اسے درد تک نہ ہوتا تھا۔

بڑے سے ہال نما کمرے میں چاروں طرف کھڑے لوگ اس کی پرسکون مسکراہٹ کو دیکھ رہے تھے، ان سب میں وہ بھی شامل تھا، وہی جو اسے ذرہ سی تکلیف پہنچے پہ ساکت ہو جاتا تھا، مار اسے لگتی اور درد اسے ہوتا، روتی وہ تو آنسو اس کے بہتے ایسے بہتے، ایسے بہتے کہ رکتے ہی نہ نجانے کیا رشتہ تھا ان کا۔

ان دیکھا ان چاہا، سمجھ سے بالاتر۔

''تمہیں درد نہیں ہوتا۔'' سورج کی ڈوبتی کرنیں زمین پہ آخری نگاہ ڈال کے رخصت ہو رہی تھیں، جٹ پٹے کا وقت تھا اور بس چند منٹوں

مکمل ناول

زیست کی رانی کا جھومر

ثنا کنول

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

میں دھرتی گہری گھور تاریک سیاہ رات میں جا سمائی اس کی بات پہ وہ مسکرائی وہی پرنور پرسکون سی مسکراہٹ تھی اس کی جو ہر بار اسے حیرتوں کی ایسی گہرائی میں دھکیل دیتی کہ وہ نجانے کتنی ہی دیر اس گہرائی میں گم رہتا۔

پھر نہ تو آس کا پتہ ہوتا، نہ پاس کی خبر ہوتی، نور کی مسکراہٹ ہوتی اور نکھیل کی حیرت۔

''درد کیسا؟''

''سیتا تائی روز تجھے مارتی ہے برا بھلا کہتی ہے تو پھر بھی کیسے مسکراتی ہے۔'' حیرتوں کی گہرائی سے کہا، وہ زور و شور سے بہتے نالے کے پانی پہ نظریں جمائے بولی، ہمیشہ کی طرح پرسکون انداز میں۔

''مسکراہٹ کا تعلق دل سے ہوتا ہے نکھیل، وہ دل جس میں سکون ہو خوشی ہو اور ایمان ہو وہ کسی بھی حال میں ہو مسکرانا سیکھ ہی لیتا ہے۔'' زور و شور سے بہتے نالے کے صاف شفاف پانی پہ نظریں ٹکائے کہا اس نے اس کے لفظوں پہ غور کیا تو چونک گیا۔

''یہ ایمان کیا ہے نور۔'' پوچھنے والے انداز میں موجود حیرت کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔

''ایمان خدا پہ یقین کو ایمان کہتے ہیں۔'' اطمینان سے کہتی اب وہ اپنے بازو پہ موجود چھڑی لگنے سے ہونے والے نشان کو ہاتھ سے صاف کر رہی تھی۔

''خدا پہ یقین کیا مطلب؟'' وہ چونکا بے ساختہ اس کے قریب ہوا جواب دوپٹے کا پلو سر پہ رکھتی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی، آواز نسبتاً آہستہ ہوگئی۔

''خدا پہ یقین، یعنی اس کی یکتائی پہ یقین اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ معبود برحق ہے وہ اکیلا ہے وہ یکتا و لاشریک ہے اور اسی کے لئے حمد وستائش ہے، وہ زندگی اور موت دینے والا ہے اور وہ ایسا زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں، اس کے اختیار میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ سانس لینے کو رکی وہ مزید جاننے کے لئے تڑپا۔

''خدا کون ہے؟'' اس کی بات پہ وہ مسکرائی بڑی بے اختیار سی مسکراہٹ تھی اس کی۔

''اللہ (وہ ہے کہ اس کے) سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، سب کا تھامنے والا (اللہ زندہ ہے) اس کے لئے زوال نہیں اور ہر زندہ رہنے والے کی زندگی اسی سے ہے، وہ قائم رہنے والا ہے اور ہر قائم رہنے والے کا قیام اسی سے ہے۔'' (سورۃ آل عمران آیت نمبر 2)۔

آہستہ آہستہ بولتی وہ اسے ساکت کر رہی تھی آسمان پہ چھائی سیاہی رات ہونے کا اعلان کرنے لگی، وہ دھیرے سے اٹھی جانے کے لئے مڑی کہ دوسرا سوال ہوا، اب کی بار پہلے سوال کی نسبت وہ بہت آرام سے پوچھ رہا تھا جیسے اک سکون سا اس کے اندر اتر رہا ہو۔

''معبود کا مطلب، معبود یعنی ہمیشہ رہنے والا واحد اور لاشریک وہ جس کے لئے موت نہیں۔'' وہ بولی پھر اس کی طرف مڑی ایک پل کو اس کی گہری براؤن آنکھوں میں دیکھا پھر اگلے ہی پل نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''تم سو جاؤ نکھیل، اب رات ہوگئی ہے۔'' دھیرے سے کہتی وہ مڑ گئی، جبکہ پیچھے سے وہ ساکت تھا بالکل رات کی تاریکی کی طرح۔

☆☆☆

''جب خواب بے وجہ مر جائیں تو تب ہر شام خون آور شام لگتی ہے۔'' اس نے کہا جھولے پہ جھولتے وہ ایک پل کو ہنسا، پرغرور مسکراہٹ لئے اسے دیکھا جو اس وقت آنکھوں میں دنیا

جہاں کے رنگ لئے چہرے پہ الوہی مسکراہٹ اور دل میں چاہت کے نجانے کتنے دیپ جلائے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"تم اتنی بڑی باتیں کیسے کر لیتی ہو۔"

حیرت زدہ سا انداز تھا وہ اسے دیکھتی بے خود سے کہنے لگی۔

"محبت سب کچھ سکھا دیتی ہے، ہنسنا، رونا، بولنا، خاموشی سب کچھ۔" کہہ کر اسے دیکھا جو آنکھوں میں اب بے زاری لئے کہہ رہا تھا۔

"اچھا تو تم یوں کرو سب کچھ بھول جاؤ صرف رونا یاد رکھو۔"

اور اسے لگا جیسے وہ سب کچھ بھول گئی ہو بے اختیار پلکیں نم ہوئی آخر ان کو بھی تو محبت کا حق ادا کرنا ہی تھا۔

"یہ کیا کہہ دیا خاور، دل آسا اگر سب کچھ بھول گئی تو جیئے گی کیسے۔" تڑپ ہی تڑپ تھی انداز میں جھومتا جھولا ساکت ہو گیا تھا۔

"یہ بھی محبت تجھے سکھا دے گی۔" تلخ ہوا، نظریں پھیر لیں اس کا دل چاہا اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑے دیکھے کیا دل آسا کی تڑپ کا اثر خاور پہ ہوتا ہے یا نہیں، مگر وہ بیٹھی رہی پیر یکدم شل ہو گئے اس میں اب اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ اٹھ کر اس کے روبرو ہوتی۔

"محبت ......ہوں۔" کہہ کر وہ مسکرائی جس کا پلکوں کی نمی نے بھرپور ساتھ دیا تھا۔

"اسی محبت نے ہی تو تیری بے رخی بے زاری اور نفرت سہنا سکھایا ہے اب تو چاہتا ہے کہ تیری دل آسا مرنا بھی سیکھ لے تو وہ بھی جیتے جی۔" اور خاور اسے لگا جیسے پگھلا ہوا سیسہ اس کے وجود میں انڈیلا گیا ہو، بے اختیار مڑ کر اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں پکڑا، زور سے اور زور سے بھینچ لیا اسے لگا جیسے اس کے ہاتھ کی ہڈیاں ایک دوسرے سے ٹکراتی ٹوٹ سی گئی ہوں، لبوں نے کراہ تک نہ نکالی بس پلکیں جھپک جھپک کر نمی اپنے اندر اتارنے لگی، بنا تکلیف یا درد کا کوئی احساس چہرے پہ لائے وہ غرایا۔

"دل آسا تم کبھی میری نہیں ہو سکتی۔"

"یہ تو پیدا ہوتے ہی تیری ہو گئی تھی۔"

باوجود تکلیف کے کہتی وہ شرمائی تو جنونی ہوتا وہ اس کا گلہ دبانے لگا، وہ پھڑ پھڑانے لگی بے اختیار اٹک اٹک کر بولی۔

"دل آسا خاور...... کی ...... ہے۔"

آنکھیں باہر نکلنے کو بے تاب ہوئیں اسے نے گلا چھوڑ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پہ مارا اس کا سر جھولے کی راڈ پہ لگا خون کی ننھی سی بوند نے اسے سسکنے پہ مجبور کر دیا۔

"مجھے تم سے محبت ہے اپنے وجود سے زیادہ اپنی روح سے گہری اور سانسوں میں بستی محبت۔"

آنکھوں کی نمی اب بہتی خون کی لکیر میں مل کر سرخی پکڑنے لگی تھی، وہ سیڑھیاں اتر تا رک کر مڑا۔

"یہ کیسی محبت تھی جو خاور کی اتنی نفرت کے سامنے بھی مضبوط سے مضبوط تر تھی۔" حیرت سے سوچا وہ رخسار پہ بہتے آنسوؤں کو صاف کر کے جھولے کی راڈ سے سر ٹکائے پلکیں موندے اب گنگنا رہی تھی ایسے جیسے ہر طرف بکھری محبت اسے حوصلہ دے رہی ہو دلاسے دیتی محبت، وہ سیڑھیوں کے درمیان کھڑا حیرت زدہ سا اس کی گنگناہٹ سن رہا تھا، جو اس کے وجود سے بے خبر روتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

محبت صابر ہوتی ہے
محبت مہربان ہوتی ہے
یہ حسد نہیں کرتی شیخی نہیں بگھارتی
مغرور نہیں ہوتی
یہ ترش نہیں ہوتی خود شناس ہوتی ہے

جلد غصہ نہیں کرتی غلطیوں کا حساب نہیں رکھتی
بدی میں خوش نہیں ہوتی صرف سچ میں تسکین پاتی ہے
ہمیشہ حفاظت کرتی ہے ہمیشہ بھروسہ کرتی ہے
ہمیشہ امید رکھتی ہے ہمیشہ ثابت قدم رہتی ہے
محبت کبھی ناکام نہیں ہوتی
مگر جو پیش گوئیاں ہیں
وہ ختم ہو جائیں گی
جو زبانیں ہیں
وہ خاموش کرادی جائیں گی
اور جو علم ہے
وہ دم توڑ جائے گا

عہد نامہ جدید، انجیل مقدس

☆☆☆

وہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی جب قدموں کی آہٹ ہوئی اور یہ آہٹ وہ کروڑوں تو کیا اربوں میں پہچان سکتی تھی، وہ قدم چلتے ہوئے اس کے قریب آرکے اس نے ہاتھ بڑھا کر نور کے رخسار چھونے چاہے وہ بدک کر دور ہوئی۔

''اے مسلمان، کب تک بچے گی مجھ سے۔'' ارجن رام پھنکارا زخمی ناگ کی طرح اس نے نظریں اٹھائیں اسے دیکھا، کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں، غصہ، نفرت، نفرت اور حد سے بڑھتی صرف نفرت۔

''اگر میں اتنی ہی بری ہوں تو کیوں میرے قریب آنا چاہتا ہے تو۔'' وہ اس سے زیادہ غصے میں پھنکاری، اس نے نہایت نفرت سے اس کے غصے کو دیکھا۔

''تیری تو میں۔'' کہہ کر وہ دو قدم اس کی طرف بڑھا اور وہیں پہ رک گیا۔

''ارے نور، بے غیرت بے حیا، جلدی سے برتن دھو کر کمرے میں آ کر میرے پیر دبا۔'' تبھی نیہا تائی کچن میں داخل ہوتی گرجی وہ ''جی بہتر'' کہہ کر پھر سے کام میں لگ گئی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تو یہاں کیا کر رہا ہے۔'' وہ یکدم گڑبڑایا۔

''وہ تائی میں پانی لینے آیا تھا۔''

''پانی پی لیا ہے یا ابھی پیئے گا۔'' ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''تائی پی لیا ہے۔''

''چل آ تجھ سے اک بات کرنی ہے۔'' کہہ کر وہ اسے گھورتی نکل گئیں، وہ بھی اسے گھورتا اس کے پیچھے غائب ہوا، سارا کچن صاف کر کے وہ ہال نما کمرے میں چلی آئی۔

عشاء کے وقت نیہا تائی پوری رات اسے اپنے کمرے میں رکھتی تاکہ وہ عشاء کی نماز ادا نہ کر پائے اور جب کبھی وہ اسے نماز یا قرآن پڑھتے دیکھتیں تو اپنی چھڑی سے مار مار کر اس کے جسم پہ وہ نشان ڈالتیں کہ اللہ امان۔

وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''اے خبیث چل میرے پیر دبا، اس وقت تک جب تک میں رکنے کا نہ کہوں۔'' نفرت ہی نفرت تھی انداز میں وہ چلتی ہوئی ان کے بیڈ پہ بیٹھنے ہی والی تھی کہ تھپڑ نے اسے دور گرنے پہ مجبور کر دیا۔

''بد دین بے غیرت گندی مسلی میرے برابر بیٹھنے کی تیری جرأت کیسے ہوئی، میرے بستر کو ناپاک کر دیا اب اس کی شدی کرنی پڑے گی۔'' غصے سے چیخی وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی سے اس کے وجود پہ نشان ڈالنے لگی اس کی چیخوں و پکار پہ نکھیل سب سے پہلے بھاگ کر نیہا تائی کے کمرے میں داخل ہوا، کونے میں دبکی وہ

گٹھڑی نما وجود بلک بلک کر روتے ان کی مار سہہ رہا تھا اسے لگا جیسے وہ ماریں نور کو نہیں اور لگتا اسے تھا، پتہ نہیں کیسی تڑپ تھی، کیا اثر تھا کہ جس نے آگے بڑھ کر اسے ان کے ہاتھ روکنے پہ مجبور کر دیا۔

''بس کریں نیہا تائی وہ مر جائے گی۔''

''میں تو چاہو کہ یہ مر جائے خبیث مسلمانی میرے بستر کو ناپاک کر دیا اپنے وجود سے، لے جاؤ اسے میری نظروں سے ورنہ میں اس کو مار ہی ڈالوں گی، نیکھیل دفع کرو اس بدذات بددین لڑکی کو۔'' ہانپتے کانپتے وہ کمرے سے نکلتی چلیں گئیں، نہایت دکھ سے وہ کونے میں دبکی نور کو دیکھتا اس تک آیا، نیلی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر رخسار بھگو رہے تھے، لرزتی ہوئی وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بلک رہی تھی۔

''نور! تم ٹھیک ہو۔'' تڑپ کر گھٹنوں کے بل بیٹھتا بولا۔

''الحمدللہ۔'' پتہ نہیں اس نے کیا کہا اسے سمجھ نہیں آیا ہاں مگر وہ اس کے بازو اور پیروں پہ موجود نیل کے نشان دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

''نور! تم تو کہتی ہو تمہارا اللہ ہر دعا سنتا اور قبول کرتا ہے تو پھر تم اس سے دعا کرو کہ وہ تمہیں اس گھر سے کہیں دور لے جائے جہاں نیہا تائی یا بھائی ارجن رام نہ ہو تجھے تکلیف دینے کے لئے۔''

''نہیں نیکھیل! میں یہ دعا نہیں کروں گی۔'' آنسو صاف کرتی وہ اب اپنے دوپٹے کو سر پہ جما رہی تھی چہرے پہ آج بھی بلا کا سکون تھا، وہی سکون جو نیکھیل کو حیرت زدہ سا کر دیتا تھا۔

''کیوں؟'' وہ تڑپا اس کی تکلیف پہ۔

''تم جانتے ہو، اللہ نے اگر مجھے اس ہندو گھرانے میں رکھا ہوا ہے تو ضرور اس کے اس کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہو گی۔''

''مصلحت آخر کیا ہو سکتی ہے۔'' اس نے سوچا پوچھا نہیں کیونکہ اس کے پوچھنے سے پہلے ہی وہ کمرے سے جا چکی تھی ہاں مگر جہاں پہ وہ بیٹھی تھی وہ کونا اب چمک رہا تھا، سفید دودھیا نور سا۔

☆☆☆

''تو نے کیا سوچا ہے اکبر۔'' چارپائی پہ بیٹھے دین محمد نے قدرے جھک کر سرگوشی کی اکبر سر پہ ہاتھ مارتا پریشانی سے بولا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ابا، ٹھیلہ تو ظالموں نے چھین لیا اب گھر کا گزارا کیسے ہو گا۔'' پریشانی اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھی، دین محمد بھی سوچوں میں گم ہو گیا، تبھی زرینہ مائی تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''اللہ سوہنا خیر ہی خیر کرے گا پتر، تو بس اچھے کی امید رکھ۔''

''ہاں خدا خیر ہی کرے گا نیک بخت۔'' ٹوٹی پھوٹی آواز میں دین محمد نے ان کی تصدیق کی۔

''گھر کا گزارا کیسے ہو گا ابا باہر ابھی تک حالات ٹھیک نہیں جسے نکلتا دیکھتے ہیں اس کو ظالم مار مار کر ادھ موا کر دیتے ہیں، اب مسلمان باہر نکل کر اپنا رزق بھی نہیں کما سکتا۔'' پریشانی سے کہا۔

گلالہ جو ہاتھ میں دانے لیے کبوتروں کو ڈال رہی تھی بے بسی سے بولی۔

''اب پتہ نہیں کیا ہو گا؟ سب دعا کرو رب سوہنا خیر ہی کرے۔'' اکبر بولا تبھی دل آسا اپنی سوچوں سے نکلتی ان کے قریب آئی۔

''کہیں جنگ تو نہیں ہو گی۔'' خوف سے پر آواز تھی اس کی زرینہ مائی سینے پہ ہاتھ رکھتے

بوکھلائیں۔
''رب نہ کرے کیا کہہ رہی ہے۔''
''اماں حالات تو۔''
''چل تو جا اندر جب بھی کچھ بولتی ہے خراب ہی بولتی ہے۔'' اسے ڈانپ کر کہا دل کا خوف زور پکڑنے لگا تھا وہ منہ بناتی کمرے میں چلی آئی۔
''کیا ہوا؟''
''کچھ نہیں۔''
''کچھ تو ہوا ہے، دل آسارات خاور بھائی چھت پہ تھے نا تیرے ساتھ۔'' کھوجتی آنکھوں سے اسے دیکھتی گلاہل نے پوچھا وہ آہ بھر کر چارپائی پہ بیٹھی۔
''ہاں تھے بلکہ کل رات کیا وہ تو لمحہ لمحہ پل پل میرے ساتھ ہوتے ہیں، ان کا خیال مجھے چھوڑتا ہی نہیں۔'' عجیب بے بسی سی تھی انداز میں وہ نظریں چرا گئی۔
''یہ محبت اتنی ظالم کیوں ہوتی ہے گل اندر تک مار کر رکھ دیتی ہے نہ ہنسنے دیتی ہے اور......''
''ان کا انکار تجھے دکھ نہیں دیتا۔'' اسے ٹوک کر پوچھا، اس نے پر اذیت انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔
''کسی نے سچ ہی کہا ہے، محبت اور عزت نفس کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے، محبت سے پہلے عزت نفس کو ختم کر دیتی ہے، پابند محبت کرے یا پھر عزت، ہاتھ کی مٹھی میں یہ دونوں چیزیں اکٹھی نہیں آتیں۔'' وہ تھک کر وہیں گر گئی۔
''محبت اتنی تلخ کیوں ہوتی ہے۔'' اب کے گلاہل نے پوچھا وہ چھلکتی آنکھوں کا پانی صاف کرتی رہی، اور مسکرائی جو کسی طور بھی مسکراہٹ نہ تھی۔

''یہ محبت ہے میری جان، سبیل کا پانی نہیں کہ پیاس لگی......اور کہا ذرا ایک گلاس پانی دینا، یہاں پانی اس قیمت پہ ملے گا جس قیمت پہ کربلا کے پیاسوں کو ملا تھا۔''
''تم اتنی بڑی باتیں کیسے کر لیتی ہو۔'' اس نے پوچھا، وہ آنکھیں موندے بڑی تلخ سے مسکرائی۔
''وہ بھی یہی کہتا ہے اسے میری بڑی بڑی باتیں نظر آتی ہیں پر میری محبت نہیں۔'' آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے جیسے راستہ تلاشنا چاہا۔
''وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں سب کچھ بھول جاؤں صرف رونا یاد رکھوں۔'' ترحم بھری نظروں سے اس نے اسے دیکھا، وہ اسی طرح آڑھی ترچھی سی پڑی رہی۔
''بہت ظالم ہے وہ۔'' گلاہل نے کہا، اسے دکھ ہوا اپنی سکھی کو دکھی دیکھ کر، اسے دل آسا کا دکھ دکھی کرتا تھا تو خاور کو کیوں اس کا دکھ نظر نہیں آتا، پلکیں موندے موندے ہی اس نے سوچا پھر بولی تو آواز رندھی ہوئی تھی۔
''ظالم وہ نہیں محبت ہے۔'' اس نے کہا وہ اٹھی اور بھاگ گئی اب اس میں مزید ہمت نہیں تھی اس کے دکھ دیکھنے کی، اسے نفرت ہوئی محبت سے، اپنے بھائی خاور سے، اور خود سے کہ وہ اپنی جان سے پیاری سکھی کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی کتنی بے بس تھی نا وہ، وہ تڑپتی مچلتی خاور کے سر پر پہنچ گئی۔
''آپ بہت برے ہیں لالہ۔''
''کیوں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا، روتی ہوئی وہ ان کے گلے آ لگی، وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھے ساکت ہوا۔
''وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔''
''تو میں کیا کروں۔'' اس نے پوچھا اس

نے سر اٹھا کر سرخ زخمی آنکھوں سے اسے دیکھا وہ نظریں چرا گئے۔

''وہ مر جائے گی آپ کے بغیر۔''

''تو مر جائے۔'' تلخ ہوا اسے حیرت نے گھیرا۔

''آپ اتنے کٹھور کیسے ہو گئے۔''

''یہ بھی اسی سے پوچھنا جس نے تمہیں بنا کر میرے پاس بھیجا ہے۔'' اس نے دور ہو کر رخ پھیر لیا وہ بے اختیار مقابل آئی۔

''اس نے مجھے نہیں بھیجا، بلکہ میں خود آئی ہوں آپ سے دل آسا کی محبت کا سوال ہے۔''

''تو پھر چلی جاؤ گلاہل، تمہارا لالہ اس معاملے میں بے بس ہے۔''

''کیسی بے بسی لالہ؟ اپنی خود غرضی کو تو کم از کم بے بسی کا نام مت ہی دیں۔'' تلخ ہوئی اس نے ایک نظر اس پہ ڈالی پھر بولا تو لفظوں میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

''خود غرض میں نہیں وہ ہے اور ایک بات میری ذہن نشین کر لو، بخت کی محبت کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے نہ ترس نہ رحم نہ ہمدردی اور نہ ہی محبت۔'' آنکھوں میں دیکھتے کہا اور اسے لگا جیسے واقعی ان کے دل میں دل آسا کے لئے کیا کسی کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں ہے، کوئی بھی نہیں۔

☆☆☆

''اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی بیٹا، اس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے اور وہ بااختیار ہے، جو چاہے کر سکتا ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے، غفور ہے، ستار العیوب ہے، سب کچھ دیکھتا ہے، سنتا ہے، جانتا ہے، حفاظت کرنے والا، معاف کر دینے والا بہترین دوست، بہترین ساتھی، مددگار ہر چیز پر قادر ہے۔

''اللہ تعالیٰ سورۃ کہف کی آیت نمبر 109 میں ارشاد فرماتا ہے۔'' کہتی وہ سانس لینے کو رکی پھر نظر نہر کے بہتے صاف و شفاف پانی پہ جمائے کہتی وہ اسے سحر زدہ کر گئی۔

''کہہ دو اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں۔'' وہ چپ چاپ اسے سن رہا تھا، لفظوں نے جیسے ساتھ چھوڑ دیا ہو نجانے کتنے ہی پل کتنے ہی لمحے وہ اسے سنتا ارد گرد سے بے نیاز رہا جب اس نے اسے ٹوکا۔

''دنیکھیل!''

''ہوں۔'' بے خیالی میں ہنکارا بھرا وہ اٹھی اور کھیتوں کے درمیان بنے نالے کے بہتے پانی کو ہاتھ میں بھرنے لگی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''تمہارا اللہ کتنا اچھا ہے۔'' اس نے کہا عجیب سا انداز تھا اس کا، اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم ملی ہو اسے؟ تم نے دیکھا ہے اسے۔'' بے قراری عروج پہ تھی وہ دل کھول کے مسکرائی۔

''میں تو دن میں پانچ بار اسے ملتی ہوں اور جہاں تک اسے دیکھنے کی بات ہے تو وہ ہر لمحہ ہر پل مجھے نظر آتا ہے۔''

''ایک بات کہوں؟'' جھجک کر پوچھا، وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی نالے کا گرتا پانی ساکت ہوا، چلتی ہوا یکدم رکی، آخر اب وہ کیا کہنے والا تھا اور رحمت خداوندی مسکرائی۔

''کہو۔''

"تم مجھے اس سے ملاؤ گی، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں، جس نے اتنی پیاری دنیا بنائی تم کہتی ہو اسے بہتے پانی کو بھی وہ چلا رہا ہے تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ خود کیسا ہے۔" تڑپ اور بے قراری کی جگہ حسرتوں نے لے لی تھی نجانے کتنے ہی پل وہ اسے خاموشی سے دیکھتی رہی، پھر بولی تو آواز بھیگ رہی تھی۔

"سورۃ نور کی آیت نمبر پینتیس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل ہے (ایسی صاف وشفاف کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی زیتون) کہ نہ مشرق کی طرف سے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے) اس کا تیل آگ دے نہ ہی جھوٹے جلنے کو تیار ہے (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دیکھتا ہے اور خدا جو مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کو (سمجھانے کے لئے) اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔"

کہتے کہتے وہ رکی ہتھیلیوں سے رخسار صاف کیے پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی اور ساکت رہ گئی، قطرہ قطرہ گرتے آنسو اس کے بھی رخسار بھگو رہے تھے، وہ کیوں رو رہا تھا، خدا کے کلام، اس کی شان نے ایک بے دین، کافر کو رلا دیا۔

☆☆☆

"اماں جلدی کر دیر ہو رہی ہے باہر ابا بھی انتظار کر رہا ہے۔"

تین چار ہفتوں بعد اس کا ٹھیلہ اسے واپس ملا تھا بہت منتیں ترلے کرنے کے بعد، وہ جلد جلد کام پہ جانا چاہتا تھا کہ ظالموں کے آنے سے پہلے ہی کچھ کما سکے کچے صحن میں اترتی پرنور صبح عجیب سا احساس جگا رہی تھی، کچھ دیر بعد پرات اس کے سامنے رکھی گئی، روٹی کے ساتھ پیاز کٹا ہوا، اس نے نظریں اٹھائیں اور ساکت رہ گیا، محبتوں کے خون سی آنکھوں میں سرخی لئے وہ پرتپش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، ایک پل کو اسے کچھ ہوا پھر اگلے ہی پل وہ لاتعلق سا روٹی کے نوالے توڑنے لگا۔

"اپنا خیال رکھنا احتیاط سے جانا اور......"

کہتے ہوئے وہ ایک پل کو رکی پھر اس کے سامنے بیٹھی، کبوتروں کو دانا ڈالتی گلاہل نے ترس بھری نظروں سے اسے دیکھا، اس کی بے قدری ہمیشہ گلاہل کو دکھی کر دیتی تھی اب بھی یہ ہی ہوا، اس نے جلدی سے رخ پھیر لیا بھلا وہ کیسے اپنی جان سے پیاری دوست کی آنکھوں میں اترتی ویرانیاں دیکھ سکتی تھی، یہ اس کی برداشت سے باہر تھی۔

"مجھے تمہاری رائے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے یا کیا نہیں اپنی رائے تم اپنے پاس رکھو تو بہتر ہے۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہا اس نے ہمت نہیں ہاری بھلا محبت بھی کبھی ہمت ہارتی ہے، کبھی نہیں۔

"مگر مجھے آپ کی فکر ہے۔" اس کا لہجہ ٹھنڈا اور نگاہیں پرتپش تھیں، اس کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

"کیوں؟"

"یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ کیوں۔" اب کے اس نے تڑپ کر کہا وہ گہری سانس بھرتا پیچھے ہوا پھر کچھ سوچتے ہوئے انجان بنا آنکھوں میں دنیا جہاں کی نفرت تھی اور چہرے پہ بلا کی بے زاری۔

"میں تو نہیں جانتا تم بتاؤ۔" اب کے

اعتراف چاہا اس نے، نظریں اٹھائیں اسے دیکھا، کیا کچھ نہیں تھا ان آنکھوں میں، محبت، چاہت، خواب، ارمان اور سب سے بڑھ کر چاہے جانے کی خواہش۔

''میں آپ سے محبت کرتی ہوں خود سے بڑھ کر اپنی ذات اپنے وجود سے بھی۔'' وہ کہنے لگی نظریں ملا کر آنکھوں میں دیکھتے اس نے فوراً ہاتھ اٹھا کر روکا۔

''تو میں کیا کروں۔'' کتنا ظالم تھا وہ شخص مار کر جینے کے لئے فریاد کرتا تھا اس نے آہ بھری پلکوں کی باڑ پھلانگے آنسو وہیں رک کر حیرت زدہ سے اسے سننے لگے، گلاہل سے مزید نہیں سنا گیا وہ اٹھی اور کمرے میں بند ہو کر رونے لگی، اس کے دکھ پہ، جسے اس کا بھائی دکھی کرتا تھا، اس وقت اسے نفرت ہوئی، اپنے بھائی سے، اس کے وجود سے، اور اپنے آپ سے، کہ وہ اس کی بہن تھی، محبت، ایک لفظ یا صدیوں کی کہانی وہ قدرے اس کے قریب ہوا کیکر پہ بیٹھی گلہری نے حیرت سے دونوں کو سنا، ایک طرف محبت تھی تو دوسری طرف نفرت۔

''سنو دل آسا، خاور کبھی تم سے محبت نہیں کرے گا کیونکہ اسے نفرت ہے تمہارے وجود تمہاری ذات اور تمہاری محبت سے۔''

اسے لگا وہ مر رہی ہے، لمحہ بہ لمحہ، پل پل، ہر گزرتے وقت کے ساتھ موت کا فرشتہ اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے اور وہ دور ہو رہی تھی، خاور سے اس کی محبت سے، یا پھر وہ دور ہو چکی تھی، بہت سے بھی زیادہ دور، سب کچھ پیچھے چھوڑ کر، مگر نہیں اب بھی کچھ تھا جو اس کے پاس تھا۔

''کیا؟'' اس نے سوچا، اپنے وجود کو ٹٹولا تو ساکت رہ گئی۔

یہ محبت تھی اس کی محبت، اوف، کتنی سخت تھی یہ محبت بھی نا جو اسے چھوڑتی تک نہ تھی۔

''تم کیوں خود کو اس کے سامنے بے مول کرتی ہو۔'' آنکھوں میں دکھ اور دل میں غصہ لئے وہ دل آسا سے مخاطب تھی، جو چھم چھم برستی بارش میں گول گول گھومتی، گھیر دار فراک کو اٹھائے درویش سی بنی اپنے بہتے آنسوؤں کو بارش کے قطروں سے دھو رہی تھی۔

''بے مول کیسا گلاہل، میں تو جب جب اسے اظہار کرتی ہوں اپنی محبت کا اور وہ انکار کرتا ہے تب تب یہ محبت بڑھتی چلی جاتی ہے، کتنی عجیب ہے نا یہ محبت کم ہونے کے بجائے بڑھتی چلی جاتی ہے۔'' وہ حیران ہوئی۔

''تو پاگل تو نہیں ہو گئی۔''

''یہ میرے لئے محبوب اعزاز ہوگا۔'' خوشی خوشی کہا وہ حیران ہوئی۔

''کیوں اس طرح میں روز گلی گلی کوچے کوچے خاور خاور تو پکار سکوں گی تب شاید اسے میری محبت پہ غصہ نہ آئے بلکہ ترس آئے محبت نہ سہی ترس سہی۔''

''اور اگر ایسا ہوا بھی تو اسے دل آسا پہ نہیں پاگل پہ ترس آئے گا۔'' اس نے بتایا اور اس نے یکدم تھم کر تھکن سے اسے دیکھا اور دونوں بلند بازوؤں کو پہلو میں گرا لیا۔

''چلو محبت نہ سہی وہ ترس تو کھائے گا مجھے لمحہ لمحہ نفرت کی مار تو نہیں مارے گا، تو جانتی ہے نفرت کی مار بڑی سخت ہوتی ہے انسان کو پل پل ماری ادھ موا کر دیتی ہے ہنسو بھی تو ہنسی نہیں آنسو نکلتے ہیں، صرف آنسو۔'' اور گلاہل کو گویا چپ لگ گئی نجانے کتنی ہی دیر وہ اسے دیکھتی رہی جواب دوپٹے کا پلو نچوڑ رہی تھی۔

''کاش میری محبت بھی بارش کے ان قطروں جیسی ہوتی، پہلے خوب بھگوتی من میں جل

تھل کرتی اور جب سامنے والا تھک جاتا دل بھر جاتا تو وہ اپنے کپڑوں کو نچوڑ کر اسے خود سے دور کر دیتا اور یہ بغیر کسی احتجاج کسی دکھ کے قطرہ قطرہ ہو کر زمین پہ گرتی اور مر جاتی۔“

”بس کرو دل آسا، تم پاگل ہو گئی ہو۔“ تڑپ کر اس نے دونوں بازوؤں سے پکڑتے جھنجھوڑ ڈالا وہ بے دم ہو کر گری۔

”ہاں دل آسا، پاگل ہو گئی گلاہل، صرف اس کے لئے۔“ قطرہ قطرہ گرتے آنسو اس کے چہرے کو تاریک کرنے لگے کاجل پھیلنا اسے بھیانک کرنے لگا۔

”تو پاگل بھی ہو گئی نا تو تب بھی لالہ تجھ سے محبت نہیں کرے گا۔“ اس نے سچ کہا، وہ ہنسی زور سے، ہنس ہنس کر گویا پھٹنے لگی، اتنا ہنسی وہ گلاہل کو بھیانک لگی، دم کٹی لومڑی سی اچھلتی اور اندھیرے میں ڈوبتی۔

☆☆☆

ساری امید ترک کر دو اے اندر داخل ہونے والے

میں نے دیکھے یہ الفاظ افسردہ رنگ میں لکھے

جہنم کے دروازے کی چوٹی پہ

پوچھا، ان کا مطلب کٹھن ہے میرے لئے اے استاد

اور کسی تجربہ کار کی طرح ورجل بولا

یہاں تمام شک شرک کر لینا چاہیے

یہاں ساری بزدلی مٹا دینی چاہیے

ہم اس جگہ آ چکے ہیں

کیا تھا جس کا ذکر میں نے تم سے

تم دیکھو گے یہاں دردناک لوگوں کو

جو حکمت خیر سے محروم ہو چکے ہیں

یہ کہہ کر تھاما اس نے میرا ہاتھ محفوظ انداز میں

اور جب مجھے کچھ اطمینان ہوا تو وہ

لے گیا مجھے پر اسرا جگہ کے اندر

وہاں آہ و بکا، شکایات، بین

گونجتے تھے بنا ستارے کی ہوا میں

ان کو سن کر اسی جگہ

میں بہت رویا!

مختلف زبانیں، بولیاں خوفناک

غصے کے تلفظ، درد کی باتیں

اونچی سرکتی آوازیں، ساتھ ہاتھوں کی دھمک

کسی گولے کی طرح اس سیاہ!

دائمی ہوا میں گھوم رہی تھی

اور میں جس کا دم خوف سے بندھا تھا بولا

اے استاد، یہ کیا سنتا ہوں میں؟

کون ہیں یہ درد سے مغلوب لوگ؟

وہ کہنے لگا مجھ سے

اس بدبخت طریقے سے رکھی گئی ہیں

ان لوگوں کی اداس روحیں جو

رہتے تھے بدنامی یا نیک نامی کے بغیر

نہ یہ باغی تھے خدا سے

نہ ہی وفادار تھے اس کے

بلکہ جیتے تھے صرف اپنی ذات کے لئے

جنتوں نے ان کو نکال دیا، کہ انصاف کم نہ ہو جائے

اور جہنم کے نچلے گڑھے ان کو لینے پہ راضی نہیں

کہ جہنمیوں کو ان سے کوئی شان نہیں مل سکتی

دنیا ان کو اب شہرت نہیں دے گی

راحت اور نصیب، دونوں ان کو حقیر سمجھتے ہیں

سو ان سے مخاطب نہ ہو بس دیکھو اور گزر جاؤ

”سیتا تائی۔“ وہ تخت پہ بیٹھی پان کی گلوری بنا رہی تھیں جب اکثر نے قدرے جھجک کر مخاطب کیا۔

”کہو۔“ ایک لفظ کہا، پھر سے بے نیاز ہو گئیں اس نے گلہ کھنکھارا ہمت کی اور بولی۔

''وہ میں اور ارجن رام بازار جاوت رہی۔''

''تو......؟'' گھورا وہ مزید گڑبڑائیں۔

''تو سامان اٹھاوت کے لئے نور کو بھی ساتھ، اک گل میری کان کھول کے سن لے، یہ مسلمانی صرف نوکر ہے اور اس کا کام جوتے صاف کرنا ہے نہ کہ بازاوں میں گھومنا ارشمن کو لے جاوَ۔'' انگلی اٹھا کر وارن کیا اس کی تو سیٹی گم ہوگئی جلدی سے بھاگی، ان کے ساتھ تخت پہ بیٹھی دیوی نے عجیب نظروں سے اسے جاتا دیکھا۔

''اے تائی! مجھے تو تیری بہو کے لچھن کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' پان منہ میں رکھا اس نے جلدی سے پان دان آگے کیا جس میں انہوں نے تھوکا۔

''کل ارجن رام دادا سے کہہ رہی تھی کہ......'' وہ رکی جان بوجھ کر، سیتا تائی نے گھورا تو جلدی سے بولی۔

''کہہ رہی تھی کہ نور پہ اس گھر میں بڑا ظلم ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔'' جھوٹ بولتے نظریں چرائیں۔

''اکشرہ، اے اکشرہ۔'' غصے سے بھرپور آواز نے مکان کے درو بام ہلا دیا، وہ بدحواسی سے ساڑھی کا پلو سر پہ ٹکاتی حاضر ہوئی۔

''جی تائی!''

''تائی کی بچی، یہ گھر مارے ہے، اس میں کیا ہوگا کیا نئیں یہ فیصلہ میں کروں گی۔'' انگلی اٹھا کر وارن کیا اس کا سانس رکا۔

''میں نے کیا؟''

''تجھے بتاتی ہوں اے مسلمانی۔'' اسے کہہ کر نور کو پکارا وہ کانپتی حاضر ہوئی۔

''جی تا......تائی۔'' ہکلائی ان کا ہاتھ چھڑی کی طرف بڑھا۔

''تو غلام ہے ماری جوتی میں رہ ورنہ اوقات یاد دلانا میں خوب جانو۔'' چھڑی سے اس کی تھوڑی اوپر کی وہ مارے ڈر کے نظریں تک نہ اٹھا سکی۔

''تیری ماں ہماری باپ دادا کے دور سے ملازم تھی یاد ہے۔'' اس نے کہا۔

''جی!''

''پھر تو یہ بھی یاد ہوگا کہ وہ کیسے مری۔'' اس نے اذیت سے آنکھیں بند کیں کئی آنسو ٹوٹ کر گرے۔

''جی!''

''ہوں پھر تو اپنی خیر کر چل جا کام کر پلید مسلمانی۔'' نفرت ہی نفرت تھی ان کے انداز میں وہ مرے مرے قدموں سے مڑ گئی۔

''(پتہ نہیں کب آزادی ملے گی کافروں سے)۔'' وقت نے سوچا لمحے خاموشی سے سرکنے لگے، وہ کچن میں سلیب سے سر ٹکائے رونے لگی لمحہ لمحہ پل پل سارے زخم یکدم تازہ ہوئے بھلا وہ کب بھولی تھی اپنی شہید ماں کو کبھی نہیں۔

''نور! ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، یہ زندگی خدا کی امانت ہے جسے اگر ہم نے بھی چاہیں تب بھی لوٹنا ہی پڑتی ہے اگر میرے رب نے مجھ سے اپنی امانت لے لی تو تو رونا مت، بلکہ اس کی رضا پہ راضی ہو جانا۔'' اسے سمجھاتی اماں کی آواز یادوں کے پردوں سے جھانکی ما لٹے کی پھانگ منہ میں رکھتے اس نے منہ بسورا۔

''کیسی باتیں کرتی ہے اماں، وہ جب مجھ سے میری جنت لے لے گا تو میں کیسے اس کی رضا میں راضی ہو سکتی ہوں۔'' ناراضگی سے بھرپور اماں کی آواز ابھری اس نے لاکھ چاہا وہ یادوں کے ان در و دیوار کو چھوڑ کر بھاگ جائے دور بہت

دور وہاں جہاں کوئی ظالم یاد اس کے ساتھ نہ ہو مگر، ہائے ری بے بسی۔

''ایسے نہیں کہتے وہ ناراض ہو جائے گا پتہ ہے کہ ایک نبی نے اللہ سے پوچھا، کہ اے اللہ تو بندے سے جلدی راضی ہوتا ہے یا تیرا بندہ تجھ سے، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں تو ہر وقت ہر لمحہ اپنے بندے سے راضی رہتا ہوں بس میرا بندہ مجھ سے راضی نہیں ہوتا، اور اسی نے کہا، تو اگر اپنے کسی بندے سے راضی ہو تو کیسے پتہ لگایا جائے، تب اللہ پاک نے فرمایا، جب وہ مجھ سے راضی ہوتا ہے تو میں خود بخود اسے راضی ہو جاتا ہوں۔'' ٹپ ٹپ گرتے آنسو اماں کے رخسار بھگو رہے تھے بارہ سالہ نور بے اختیار ان کے سینے سے لگی۔

''اماں! اللہ کتنا اچھا ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''ہاں میری جان وہ بے حد و حساب اچھا ہے۔'' نم آواز ابھری۔

''نور! کیا ہوا تم ٹھیک ہو۔'' کوئی اس کے پاس بولا بے اختیار چونک کر سر اٹھایا سامنے نیکھیل کھڑا اسے فکر مندی سے دیکھ رہا تھا بے ارادہ ہی وہ اسے دیکھے گئی ایک پل دو پل تین وہ اسے دیکھے گئی یک ٹک۔

''کیا ہوا؟'' اب کے وہ پریشانی سے اسے دیکھتی رخ پھیر گئی۔

''کچھ نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' جواب دیا ٹھنڈا سا انداز تھا اس کا۔

''کھانا بن گیا۔'' یونہی بے ارادہ پوچھا وہ کھولتے پانی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''بس ابھی ہو جائے گا، تم چلو ورنہ سیتا تائی آ گئیں تو غصہ کریں گی۔'' بھیگی آنکھوں سے کہا وہ نجانے کتنی ہی دیر اس کی پشت دیکھتا رہا۔

''نورا!''

''ہوں۔'' ہنکارا بھرا اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''میری طرف دیکھو۔'' وہ رخ پھیرے ہی بولی۔

''مجھے بہت کام ہے نیکھیل پلیز اب تم۔''

''میں نے کہا میری طرف دیکھو۔'' اس کی بات کاٹ کر رعب سے کہا وہ مڑی اس کی طرف، نا چاہتے ہوئے بھی کئی آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگتے رخسار بھگونے لگے اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی تھوڑی پکڑی، وہ ساکت کھڑی رہی کچھ دیر خاموشی بعد بولا بھی تو کیا۔

''تو روتی ہوئی اچھی نہیں لگتی نور، تم تو روشنی ہو صاف شفاف روشنی۔''

''اور کبھی کبھی روشنی کو بھی اندھیرا نگل جاتا ہے نیکھیل، سیاہ گھور تاریک اندھیرا۔'' وہ بڑبڑائی اس کے آنسو ہمیشہ کی طرح اسے اپنے دل پہ گرتے محسوس ہوئے۔

''روشنی جتنے بھی اندھیرے میں چلی جائے کبھی تاریک نہیں ہوتی، اگر ہوتی تو اسے روشنی کون کہتا۔'' دلاسہ دیا، تسلی دی، ہمیشہ کی طرح آگے بڑھ کر ہمت بڑھائی، وہی تو تھا اس کی ہمت بڑھانے والا روتے وقت ہنسانے والا اسے کھلکھلانے پہ مجبور کرنے والا، اس کا ساتھی، دوست، ہمراز، اور...... شاید محبت بھی، اس نے آنکھیں بند کیں ایک پل دو تین اور پھر جب پلکیں کھولیں تو وہ خشک تھیں بالکل بنجر زمین کی طرح، بالکل خالی نگاہیں اس کے خالی دل جیسی۔

''اگر تم نہ ہوتے تو میرا کیا ہوتا۔'' اسے کہا وہ مسکرایا دل کھول کے کھلکھلایا، پھر اس کے قریب جھکا۔

''اگر تم نہ ہوتی تو میرا کیا ہوتا۔'' اس نے نظریں اٹھائیں، کیا کچھ نہیں تھا ان آنکھوں میں

محبت اور چاہت کے نجانے کتنے ہی رنگ وہ ڈر گئی ان رنگوں سے آنکھوں میں بس محبت سے بے اختیار رخ پھیرا نظریں چرائیں مگر نادان وہ یہ کہاں جانتی تھی کہ رخ پھیر لینے سے نظریں چرا لینے سے، یہ کب چھوڑتی ہے، جس کے دل میں بس جائے اسے مار دیتی ہے ہاں محبت اسے مار دیتی ہے۔

☆☆☆

ہر طرف خوف و ہراس کی کیفیت تھی دل سے دل تک کی دھڑکن سنائی نہ دیتی وہ ہر طرف مچی ہڑبونگ میں تڑپتے نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی، پسینے کی ننھی ننھی سی بوندیں پیشانی سے گردن تک آرہی تھیں، قیامت کے جیسے منظر نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔

ہر طرف خوف و ہراس پھیل کر موت کا راگ الاپ رہا تھا، خون خرابہ قتل و غارت زور بازو والے نہتوں پہ وار کرتے خود کو بہادر ثابت کر رہے تھے زمین پہ گر کر خوفزدہ مچلتے شہید اپنی آخری سانس تک لڑتے کافروں کو مارنے کے لئے بے قرار تھے یہ حال تھا لودھیا گنگا کنارے اس شہر میں سالہاسال اکٹھے رہنے والے دو گروہ جن کی بولی رسم و رواج پہناوا اور میلاپ زمانہ قدیم سے ایک سا تھا۔

جہاں آج صوفی کے مزار پہ منت کا دھاگہ باندھتے والیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا کہ اچانک کافروں نے تلواروں سے وار شروع کر دیا ویسے تو ہر وقت ہی ہر جگہ موت کا راج تھا اور خوف کو آزادی، کسی بھی وقت کوئی بھی کسی کو قاتل کر سکتا تھا، لوگ کئی کئی دنوں تک گھروں سے نہ نکلتے بھوک سے فکر اور فاقوں تک کی نوبت آجاتی گلیوں میں لگاتار چوبیس گھنٹے کا کرفیو ہر مسلمان کو تباہ کر رہا تھا۔

زبان سے کچھ کہنے کی اجازت کس کو تھی اور پھر کئی دنوں سے ہونے والی پیش گوئیوں نے سچ کی مہر پالی۔

ہر طرف جنگ کے آثار نظر آرہے تھے خوف موت کا فرشتہ پر پھیلائے ہر گھر پہ سایہ کیا ہوا تھا کسی بھی وقت نجانے کتنوں کے گھر اجاڑتی دو دن یا ایک دن کی بسائی دولہن کو بیوگی کا تاج پہناتی کچھ پتہ نہیں، ہر گھر میں بیٹوں کو چھپانے کے لئے ہر کوئی بے چین تھا، ان غریب مسلمانوں کے پاس عزت سے بڑھ کر کچھ تھا ہی نہیں اور اب وہ بھی خطرے میں نظر آتی انہیں پل پل مار ہی تھی۔

شام کے سائے پھیلتے دیکھ کر ہی ہر گھر کا دیا بجھ جاتا، ہر طرف خاموشی اور خوف بچ جاتا، نیند بھلا کسے آنی تھی رنجگوں نے سب کو پاگل کر رکھا تھا نہ بھاگنے کی جگہ تھی نہ کوئی جائے پناہ، الودھیا کے سوا بارن پور، رودالی، دریا بار، اور مانک پو روڈ ہر طرف پھیلے جنگ کے آثار سب کو خوفزدہ کر رہے تھے۔

مسلمان کو مرنا تو منظور تھا پر کافروں کے ڈر سے بھاگنا نہیں۔

یوں لگتا تھا جیسے قیامت کے آنے سے پہلے ہی قیامت بچ گئی ہو جس میں بغیر اعمال نامے کے صرف مسلمان ہونے کی بنا پہ ہی سزا کا فیصلہ ہوتا، ہر لڑکی ہر عورت ہر بچہ اپنے گلے میں دھاگے میں پروئی زہر کو تھامے رکھتا کب عزت پہ حرف آتا اور اسے کھا کر خود کو ان کے ہاتھوں بے مول ہونے سے بچایا جاتا۔

''حالات بہت خراب چل رہے ہیں نہ ہم باہر نکل سکتے ہیں اور نہ ہی خود کو کافروں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا کروا سکتے ہیں۔'' دین محمد پریشانی سے صحن میں یہاں سے وہاں چلتا بولا،

اکبر یکدم سامنے ہوا۔

''ہمیں دین حق کے لئے مرنا منظور ہے مگر بھاگنا نہیں ہم مسلمان ہیں پھر کافروں سے کیونکر ڈریں ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔'' انداز میں جوش تھا جذبہ تھا دین حق کے لئے کٹ مرنا قبول تھا بھاگنا نہیں۔

''تم لڑکیوں اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالو چاہے سر کٹانا پڑے خود پہ کافروں کو حاوی نہیں ہونے دو گی۔'' زرینہ بی معنی خیزی سے بولی پھر خاور بولا۔

''جلدی سے زمین کھودو شام ڈھلنے والی ہے جلدی کرو۔'' کیکر کے درخت کے نیچے انہوں نے چھوٹی سی سرنگ بنائی اندر ایک طرف چھوٹا سا دیا جلایا پھر اس سرنگ میں ڈھیر ساری تیز دھار تلواریں چھپا دیں تا کہ کافروں کو ہلاک کر سکیں تا کہ گھر کی عورتوں کی عزتیں بچا سکیں۔

وہ جانتے تھے کافروں کے پاس ہتھیار تھے مگر نہیں وہ خالی ہاتھ کہاں تھے ان کے پاس تو دین حق تھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تھی خدا کا کلام ان کے دلوں میں درج تھا پھر بھلا وہ ہنستے کہاں تھے۔

مسلمانوں کو نہ مسجد جانے کی اجازت تھے نہ ہی قرآن پاک کو پڑھنے کی جسے مسجد میں یا قرآن پاک پڑھتے دیکھتے تو وہیں پہ ہی انہیں مار گراتے مگر وہ نہیں جانتے تھے وہ انہیں نہیں مارتے تھے بلکہ اپنے نصیب کو مارتے تھے وہ تو زندہ ہیں، کئی برس پہلے مرنے والے آج بھی۔

''کیونکہ وہ شہید ہیں اور شہید کبھی مرتا نہیں، ڈرتا نہیں، ہارتا نہیں، تم کیا جانو شہید کون ہے، کیا ہے، شہید تو وہ ہے جس کے خون کا ایک قطرہ پہ زمین پہ نہیں گرتا اور اللہ اس کے سارے گناہ معاف کر کے اپنا دیدار کروا دیتا ہے، شہید تو بس، شہید ہے۔

☆☆☆

اے مسلمانی، پتہ ہے میرا دل کرتا ہے کہ تجھے نوچ لوں۔'' ارجن رام اپنی ہوس بھری نظریں اس پہ جما کر بولا وہ اس کے مقابل ہوئی۔

''افسوس ہے، کیسا افسوس، اب ایک کافر ایک مسلمان کو نوچے گا یعنی۔'' وہ رکی۔

''یعنی کیا۔''

''تیرا ایمان اتنا کچا نکلا کہ ایک مسلمان کے سامنے ٹوٹ گیا۔'' وہ بولی آگے بڑھ کر اسے تھپڑ جڑتے وہ اپنے اندر کے کافر کو چھپا گیا۔

''گندی۔'' اسے گالیاں دیتا اب وہ اسے قدموں میں گرائے مار رہا تھا، جوتے ٹھوکر، لاتیں گھونسے، ایک پل کے لئے اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا منہ اور ناک سے خون بہہ بہہ کر اس کی گردن بھگونے لگا۔

''تو جوتی ہے غلام ہے ہماری غلام۔'' اس کے بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''اور تو شیطان کا غلام ہے خدا سے منکر شیطان۔'' وہ پورا زور لگا کے بولی منہ سے نکلتا نمکین خون اب اس کے اندر اتر رہا تھا گردن پہ پھیلا خون دوپٹے سے صاف کرتی وہ اس کی لات لگنے پہ زمین پہ دوہری ہوتی بڑبڑائی۔

''اور تو جانتا ہے خدا شیطان کو دوست نہیں رکھتا۔''

''خدا۔'' وہ چونکا ایک نظر اسے دیکھا زمین پہ گری وہ اسے پرنور لگی اسے لگا جیسے اس کے جسم سے شعاعیں نکل رہی ہوں، وہ ساکت تھا ان روشنیوں پہ ہر طرف یکدم بکھرنے والی خوشبو پہ مگر وہ کافر یہ کہاں جانتا تھا کہ یہ شعاعیں نہیں نور تھا۔ ایمان کا نور اور یہ ہر طرف بکھری خوشبو

صرف خوشبو نہ تھی بلکہ یہ اس یقین کی خوشبو تھی جو ایک مسلمان کو اپنے خدا پہ تھا گہرا اور پکا یقین، ان منٹ۔

''خدا کون ہے؟'' سرسراتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی، باوجود تکلیف کے اس کے چہرے پہ بڑی پیاری مسکراہٹ ابھری۔

''خدا وہ ہے جس نے بائیس سال سے مجھے تم سے بچا کر رکھا ہے تیرے ساتھ شیطان ہے اور میرے ساتھ خدا جیت ہمیشہ میری ہو گی۔'' ٹھنڈا لہجہ ایک پل کے لئے اسے پھر بے قابو کر گیا وہ آگے بڑھا اس کے بالوں سے پکڑ ے جھٹکے دیتا وہ اسے وحشی درندہ لگا۔

''تو جانتا ہے ارجن رام تو صرف مجھے مارنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔'' وہ تیز تیز سانسوں کے درمیان بولی، وہ بے یقینی نظروں سے اسے دیکھتا پیچھے ہوتا گیا وہ ایک جھٹکے سے زمین پہ گری کسی کٹی پتنگ کی طرح، ٹوٹ کے، مگر ہاری نہیں کیونکہ وہ لوگ کبھی نہیں ہارتے جن کے ایمان مضبوط ہوں۔

''پھر جب قرآن پڑھو تو پناہ مانگا کرو، دھتکارے ہوئے شیطان سے۔'' وہ زمین پہ گری تھکے ہوئے انداز میں اب خود کو پرسکون کر رہی تھی۔

''بے شک اس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا ان لوگوں پہ جو ایمان لائے۔'' اپنی پیشانی ہتھیلیوں پہ گرائے وہ چہرا جھکائے بند آنکھوں سے پڑھتی اسے ساکت کر گئی۔

''اور جو اپنے رب پہ توکل کرتے ہیں۔'' ارجن رام انہیں بے یقین نظروں سے اسے دیکھتا قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''بے شک (اس) شیطان کا زور ان لوگوں پہ چلتا ہے جو اس سے دوستی کر لیتے ہیں۔''

اس کی آواز دھیمی ہو رہی تھی ارجن رام تر پیشانی اور حیرت زدہ آنکھیں لئے دروازے پیچھے ہوتا وہیں کہیں غائب ہو گیا وہ ابھی تک زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی مگر اس کی آواز اس قدر ہلکی تھی کہ سنائی نہ دیتی، لمبی سی راہداری میں سناٹا چھایا ہوا تھا کونے میں کھڑا وہ دھیرے دھیرے اس تک آیا جو اب گھٹنوں میں منہ دیے رو رہی تھی، بلک رہی تھی، اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ رو کیوں رہی تھی وہ دھیرے سے اس کے قریب بیٹھا۔

''نورا!'' اسے پکارا وہ بدستور روتی رہی اب کے بے چینی پریشانی میں بدلی۔

''نور کیا ہوا تم ٹھیک ہو۔'' وہ چپ چاپ روتی رہی اس نے بے اختیار اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''کیا میں اپنے رب کا شکر ادا نہ کروں جو ہر بار مجھے اس خبیث انسان سے بچاتا ہے میری حفاظت کرتا ہے، میرا خیال رکھتا ہے لاکھوں کروڑوں لوگوں میں بھی وہ مجھے پہچان لیتا ہے مجھ سے محبت کرتا ہے۔''

''میری کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔'' سورۃ الرحمٰن کی آیت پڑھتے وہ پھر سے رو دی وہ نجانے کتنی ہی اس کے بلکتے وجود کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا، وہ بے چینی سے اٹھا دو قدم چل کے رک گیا زمین پہ گری سنہری جلد والی کتاب نے اسے ساکت کیا وہ اسے اٹھائے بے دلی سے صفحے پلٹنے لگا یہ کتاب شاید نور کی ہی تھی جو کچھ دیر پہلے وہ اس راہداری میں چھپ کر پڑھ رہی تھی پھر ارجن رام سے چھپانے کی کوشش میں ہی شاید اس نے ستون کے پیچھے رکھی تھی، صفحے پلٹتا وہ ٹھٹکا رکا اور پڑھتا چلا گیا بچپن سے اب تک نور کے ساتھ رہتے وہ اردو پڑھنا جان گیا

تھا۔

☆☆☆

دروازہ کھلا تو تیز روشنی امڈ امڈ کر آنکھوں کو چندھیا گئی، وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے تیز تیز قدم چلتی آگے آئی تو دیکھا اس کے اردگرد قدیم دمشق کی ایک دوپہر آباد تھی، ہر شے زردی میں لپٹی تھی مگر پہلے کے برعکس وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے بے دلی سے چلتی کچے راستے پہ آگے بڑھ گئی، دھول جوتوں کو آلود کرنے لگی، جب چہرہ اٹھایا تو مسجد سے ملحقہ حجرہ سامنے تھا اور ایک طرف درخت تلے وہی ہڈیوں کا سا پنجر آدمی اکڑوں بیٹھا تھا، اس کے چہرے کی مردنی اور ویرانی ہنوز برقرار تھی۔

آج چھوٹی دیوار کے ساتھ الشیخ کھڑے تھے، پیروں تک آتا سفید چمک دار لباس پہنے مسکراتے ہوئے وہ بنا مسکرائے قریب آرکی۔

''کیا آپ نے اس بیمار کو ابھی تک شفا یاب نہیں کیا؟''

''بیمار خود کوشش نہ کرے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔'' وہ کچے راستے پہ چلنے لگے تو وہ بھی بددل سی ساتھ ہولی۔

''تم کیوں اداس ہو؟''

''میرا بھائی کھو گیا ہے میں دن رات اس کے لئے دعا کرتی ہوں مگر میں سوچتی ہوں کہ جو مقدر میں لکھا ہے وہ تو ہو جائے گا جو نہیں لکھا وہ نہیں ہوگا، پھر بندہ دعا کیوں کرتا ہے۔'' دھول سے اٹے راستے پہ چلتے وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''وہ بھی ایسا ہی سوچتے ہیں۔'' چلتے چلتے شیخ نے ایک طرف اشارہ کیا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا، سڑک کنارے بازار میں ایک قہوہ خانے کے باہر چوکیوں پہ چند لوگ بیٹھے تھے اور بلند آواز میں بحث کر رہے تھے۔

''جو مقدر میں ہے وہ ملے گا جو نہیں ہے سو وہ نہیں ملے گا سو سوال کرنا یا نا کرنا برابر ہے۔'' ان میں سے ایک کہہ رہا تھا اور باقی سر دھن رہے تھے اس نے الجھی نظروں سے یا شیخ کو دیکھا وہ مسکرائے۔

''یہ کہتے ہیں دعا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے، تو دعا کرنے یا نہ کرنے کا کیا فائدہ، سب کچھ تو لکھا جا چکا ہے، مگر یہ ان کی جہالت ہے مگر اپنے مسلک میں یہ خود تضاد رکھتے ہیں، کیونکہ اگر ایسا ہے تو پھر ان سے پوچھو، اگر سیرابی تمہارا مقدر ہے تو پانی پیو یا نہ پیو تمہاری پیاس بجھ جائے گی، کھیتی مقدر ہے تو دانہ ڈالو یا نہ ڈالو تو اناج اگ ہی آئے گا، تو پھر کھاتے پیتے کیوں ہو؟ دانے بوتے کیوں ہو؟'' وہ قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھے وہ بھی ان کے ساتھ آگے چلی گئی، قدیم بازار میں لوگوں کی بھیڑ سے شور، آوازیں، قہوے کی مہک سب خلط ملط ہو رہا تھا۔

''اور ان کو دیکھو۔'' ذرہ رک کر انہوں نے چتونوں سے ایک کھلے خیمے کی طرف اشارہ کیا جہاں اندر فرشی نشست بچھائے چند لوگ بیٹھے تھے، ان کے سروں پہ مخصوص ٹوپیاں تھیں اور وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

''یہ کہتے ہیں، دعا تو بس عبادت ہے ثواب کا ذریعہ، نیکی اور بدی تو لکھی جا چکی، تو دعا کرنا بس نیکی کی نشانی ہے اور عذاب پانا کفر کی علامت ہے، نہ نیکی خیر کا سبب ہے نہ شرک کفر کی وجہ ہے، دعا صرف ثواب کے لئے کرو ورنہ ہونا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، جس نے جس گھڑی مرنا ہے اسی گھڑی مرنا ہے اب وہ خودکشی کرے، طاعون سے مرے، یا اسے قتل کیا جائے، سب برابر ہے، مگر نہیں۔'' شیخ نے افسوس سے نفی میں

سر ہلایا۔

"یہ بھی غلط ہیں۔"

"تو پھر صحیح کون ہے۔" وہ پست آواز میں چہرے پہ تھکان لئے پوچھنے لگی، شیخ دوبارہ چلنے لگے اس کے پیروں کے دھول اب لپٹنے لگی تھی۔

"یہ ہیں وہ جو صحیح ہیں۔" انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا، اس نے دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر دیکھا، ایک درخت تلے چادر بچھا کر چند لڑکے قرآن پڑھ رہے تھے، ان کا معلم ان کے سامنے چوکی پہ براجمان تھا۔

"یہ کہتے ہیں کہ کوئی کام تب ہوتا ہے جب اس کے لئے اسباب اختیار کیے جائیں اور دعا ان اسباب میں سے ایک ہے، سیرابی کھانے پینے کے ساتھ ہے، کھیتی دانہ بونے کے ساتھ ہے اور جانور کی جان نکلنا ذبح کرنے کے ساتھ ہے اور جو بیمار تم نے دیکھا وہ یہ ہی نہیں سمجھ پا رہا کہ اسباب میں سے سب سے طاقتور سبب دعا ہے۔" وہ اب رکے اور واپس جانے لگے، تھکی تھکی سی وہ بھی ان کے ساتھ پلٹی۔

"اور جو دعا کرنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے وہ؟"

"کچھ تو کرنا پڑتا ہے، فتح کثرت افواج سے نہیں ملتی، آسمانوں سے مدد کی صورت اترا کرتی ہے، جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پہ خفا ہوتا ہے پس تم دوسروں کے ساتھ جتنی بھلائی کرو گی اتنا ہی اللہ تمہیں عطا کرے گا، کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"اگر یونس علیہ السلام خدا کی تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس دن تک کہ جب تک کھڑے کیے جائیں گے، مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔"

"مگر یا شیخ جب دعا سب سے طاقتور ہتھیار ہے تو دوسری چیزوں کی کیا ضرورت ہے، میں نے دعا کی بھائی ٹھیک ہو جائے وہ ہو گیا میں نے دعا کی وہ مجھ پہ خفا نہ ہو اور وہ بات بھی مانی گئی۔" وہ تپتی دوپہر میں کچے راستے پہ چلتی کہہ رہی تھی۔

"دعا کافی ہے نا پھر تو؟"

"یہ توکل نہیں کاہلی ہے، بے عملی ہے، جہالت ہے، عقل مند وہ ہے جو تقدیر کو تقدیر سے توڑنے اور تقدیر کے مقابلے میں تقدیر کو ہی لا کھڑا کرے۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"مطلب یہ لڑکی کہ اسباب بھی قدرت نے دیے اور پریشانیاں بھی، ان کو آپس میں لڑا دو اور آسمانوں سے مدد کی دعا کرو اور سنو، قرآن پڑھا کرو، اس میں ہر مسئلے کا حل ہے۔"

مسجد آ گئی تھی اور وہ بیمار ہنوز درخت تلے بیٹھا تھا، اکڑوں سر گھٹنوں پہ رکھے، ہڈیوں کا ڈھانچہ، لاغر اور مایوس سا وجود، اس نے ایک ترحم بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور قدم آگے بڑھا دیے۔

"امام کو کیا معلوم میرے مسئلوں کا، ایک سات صدیوں پہلے کے نائیو (سادہ لوح) بوڑھے امام کو کیا معلوم۔"

شیخ وہیں مسجد کے پاس کھڑے رہ گئے اور وہ مدرستہ الجوریا سے دور بہت دور صدیوں کی مسافت طے کرتی چلی گئی۔

☆☆☆

یا صاحب الحسن

ایک دن میرا وقت بھی آئے گا
اور تم قیمت چکاؤ گے اپنے کیے کی
اور تم دیکھو گے، کہ میں قطعاً اچھی نہیں ہوں
ایک دن میں آسیب کی طرح تمہیں ڈراؤں گی
یہ میرا وعدہ ہے جس کا ابھی تم کو اندازہ نہیں
مگر تب تم خواہش کرو گے کہ کاش!

ہم کبھی نہ ملے ہوتے

ایک دن
کیونکہ میں کبھی نہیں بھولوں گی
اور تمہیں رحم کے لئے گڑگڑاتے کوئی نہ سن پائے گا
کیوں کہ ابھی تو تم نے کچھ نہیں دیکھا
سو غور سے سنو
ایک دن تم جواب دو گے اپنے اعمال کا
بس انتظار کرو اور دیکھو
اور تب تم جانو گے میرے خاندان کو
نقصان پہنچانے کے بعد کیا ہوتا ہے
ایک دن میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی
مجھے پرواہ نہیں کہ اس میں کتنی دیر لگتی ہے
یا مجھے اس کے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے
کیونکہ میں کبھی اپنا وعدہ..........
توڑا نہیں کرتی

(Petite Magigue کی نظم انتقام سے)

کچے گھر کے سامنے لگی کیاریوں کو پانی دیتی وہ اک الگ ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی، دل تھا کہ رک رک کر دھڑکتا نجانے کب کس پل، دھڑکنے سے انکاری ہوتا آنگن میں اتری شام بھی آج اسے خوش نہ کر سکی تھی، ہر طرف پھیلے خوف کا ہراس میں کسی کو کسی کا کچھ پتہ نہیں تھا جذبہ جنون اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو۔'' گلالہ اس کے پاس نجانے کب سے کھڑی تھی یکدم بولی تو وہ اچھل کر رہ گئی۔

''کچھ نہیں، کچھ تو ہے، تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔'' گلالہ نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں۔'' نظریں ہنوز جھکی کیاریوں پہ تھی ایک رنگوں بھری تتلی ایک پھول سے دوسرے پھول پہ بیٹھتی اپنی اک الگ ہی دنیا میں گم تھی۔

''تو پھر سچ بتاؤ کیا سوچ رہی تھی۔'' اب دوبارہ پوچھا۔

وہ ویسے ہی کھوئے سے انداز میں بولی۔
''دعا کر رہی تھی۔''

''کیسی دعا؟'' وہ چونکی پھر زمین پہ ہی بیٹھی دل آسا کے قریب بیٹھ گئی۔

''میری دعا سن سکو گی۔'' اس نے پوچھا وہ ساکت ہوئی۔

''ہاں کہو۔''

''میں دعا کر رہی تھی کہ اے اللہ تو ہم سب کی جان کا نذرانہ لے لے کسی بھی طرح مگر......''

''مگر کیا۔''

''آنے والی آئندہ نسلوں کو ان کافروں سے آزاد کر دے آمین۔'' وہ بڑبڑائی گلالہ اس کے سامنے ہوئی تا کہ اس کی آنکھوں میں اترتے رنگ دیکھ سکے۔

''تجھے پتہ ہے ہم کسی بھی طرح کیسے مریں گے۔''

''جانتی ہوں گولیوں سے چھلنی ہو کر مگر تمہیں پتہ ہے نہ چھلنی ہو کر مرنے میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہے ہم نہ سہی کوئی تو آزاد ہو گا خاور کہتا ہے وہ اپنے ملک دین کے لئے شہید ہونے کو تیار ہے۔''

''اور تم۔'' اس نے پوچھا، جواب جانتے ہوئے بھی۔

''میں کیا میری عزت زندگی دل جان سب کچھ اپنے دین حق کے لئے قربان۔'' کیا کچھ نہیں تھا اس کے انداز میں محبت عشق، دیوانگی اور شہید ہونے کی چاہت۔

''رات پتہ ہے اماں کیا کہہ رہی تھی۔'' دل

آسا اچانک بولی، وہ متجسس ہوتی قریب ہوئی۔
''کہ جنگ کسی بھی وقت ہو سکتی ہے تم جانتی ہو مجھے جنگ سے ڈر نہیں لگتا پتہ ہے کیوں۔'' وہ رکی آسمان کے سینے پہ چھائی شام اب رات میں بدلنے لگی تھی اور اس کا وجود لحہ بہ لحہ سیاہیوں میں ڈوب رہا تھا مگر اسے پرواہ کہاں تھی۔
''کیونکہ میں شہید ہونا چاہتی ہوں۔''
''گلاہل۔'' ڈھلتی شام نے تاریکی کی چادر اوڑھ لی تھی ہر طرف پھیلتا اندھیرا اب رات ہونے کا اعلان کر رہا تھا، جب زرینہ بی کی ابھرتی آواز پہ گلاہل اندر کی طرف بھاگی، وہ نجانے کتنی ہی دیر وہاں پہ بیٹھی رہی تبھی پاس سے گزرتا خاور ٹھٹک کر رکا۔
''تم ٹھیک ہو؟''
''تمہیں میری فکر کب سے ہونے لگی؟'' وہ مسکرائی پر اذیت انداز میں وہ دھیرے سے اس کے قریب بیٹھا اور اسے لگا جیسے چودھویں کا چاند یکدم اس کے پہلو میں آ بیٹھا ہے ٹھنڈا میٹھا پرنم سا احساس اسے بے خود سا کرنے لگا۔
''کیوں خود کو اذیت دیتی ہو۔'' دھیمی آواز میں کہا اس نے نظریں اٹھائیں شکایت بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔
''اچھا میں خود کو اذیت دیتی ہوں اور تم مجھے جو دیتے ہو کیا وہ اذیت نہیں۔''
''میں تمہیں کوئی اذیت نہیں دیتا یہ جو تمہاری یک طرفہ محبت ہے یہ تمہیں اذیت سے دو چار کرتی ہے۔'' اب کے بار وہ جھلایا وہ ہنسی، ہنستی چلی گئی، یہاں تک کہ ہنستے ہنستے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔
''تم نے میری محبت کو مانا تو سہی، کی نہیں تو کیا، میرے لئے تمہاری محبت ضروری نہیں ہے بلکہ وہ احساس ضروری ہے جو میری آنکھوں میں تمہارے لئے بستا ہے۔'' وہ بولی، وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دل آسا ہمیشہ کی طرح کھڑی ہونے کی صلاحیت گنوا بیٹھی، بس چپ چاپ زمین پہ بیٹھی اس کے دھول سے اٹے پیر دیکھتی رہی۔
''تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم محبت کرو، وہ بھی خاور سے۔'' اس کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی وہ نظریں زمین پہ گاڑھے بولی۔
''تم بھی ناسمجھ نکلے محبت کے رموز سے، یہ بھلا کی تھوڑی جاتی ہے بلکہ ہو جاتی ہے اور کرنے اور ہونے میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے، میں نے کی ہوتی تو بیشک سزا کی مستحق ہوتی مگر یہ تو ہو گئی خود بخود نجانے کب...... شاید تب جب تم مسکراتے تھے یا پھر تب جب تم میرے قریب سے گزرتے تھے یا پھر تب جب کوئی تمہارا نام پکارتا تھا کتنی عجیب بات ہے مجھے پتہ ہی نہیں کب تمہاری محبت میرے دل میں بسی اور مجھے بے بس کر گئی...... ہاہ...... مجھے نہیں پتہ۔'' وہ ہنسنے لگی، ہذیانی انداز میں وہ وحشت بھری نظروں سے ہنسی سے دوہری ہوتی دل آسا کو دیکھتا رہا پھر مڑا اور رک گیا ایک قدم بھی مزید نہ اٹھا سکا، وہ اب ہنستے ہنستے رو رہی تھی، پھوٹ پھوٹ کر، بلک بلک کر، تڑپتی، مچلتی، ماتم کرتی، وہ اسے قابل محبت نہیں صرف قابل رحم لگی، ہاہ...... صرف قابل رحم۔
''مجھ سے اتنی محبت مت کرو دل آسا، ورنہ اس سے زیادہ تڑپو گی۔'' وہ اسے دیکھے بنا مڑے بنا ہی بولا، سسکیاں لیتا اس کا وجود ایک پل کو رکا یوں جیسے اس کی بات پہ ساکت ہوا ہو پھر کچھ دیر بعد اس کی آواز ابھری بھیگی آنسوؤں سے تر آواز۔

عمر بن خطاب نے فرمایا۔
''محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا یہ میرے بس میں نہیں ہے، میں جینا بھول سکتی

ہوں، سانس لینا بھی بھول سکتی ہوں مگر دل آسا خاور کو بھول جائے ناممکن۔" وہ آخر میں بڑبڑائی وہ کچھ دیر بے بسی سے اس کی پشت کو دیکھتا رہا پھر چلا گیا ہمیشہ کی طرح جابر اور ظالم بن کے اسے روتا چھوڑ کر۔

☆☆☆

"تم دعا کرو گلالہ۔" کبھی کبھی وہ اسے اپنا دوپٹہ اوڑھا دیتی پھر اس کے ہاتھ پکڑ کر دعا کی صورت بنائے فرمائش کرتی۔

"کیا دعا کروں دل آسا۔" دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"تم دعا کرو اسے مجھ سے محبت ہو جائے۔" وہ ایسی دعا پر کانپ جاتی اور دل آسا بے خودی سے بولے جاتی بنا رکے بنا اس کے چہرے پہ پھیلے ڈر خوف اور بے چینی کو دیکھے اپنی اک الگ ہی دنیا میں گم ہو کر مدہوش سی۔

"یہ کیا احمقانہ بات ہے دل آسا۔" وہ ٹوک گئی، کئی سالوں میں پہلی بار بے اختیار دوپٹہ اتار کر پھینکا جو پلکوں پہ لگتا درد کی اک لہر سی مچاتا دور جا گرا، وہ اسے زیادہ تڑپی۔

"احمقانہ کیسی، میں محبت کرتی ہوں اسے نا تو پھر میرا حق ہے کہ اس کے دل پہ میرا قبضہ ہو، وہ ہر پل ہر لمحہ مجھے یاد کرے میرے لئے تڑپے اسے ہر طرف میں ہی نظر آؤں۔" وہ دبدبو بولی۔

"یہ کیسی محبت ہے جس میں سارے عناصر نفرت والے ہیں، کسی معصوم کی زندگی کا بیڑا غرق کرنے کا مطلب محبت نہیں ہوتا، محبت میں خیر ہی خیر ہو تو محبت ہے ورنہ اس کا نام ہی بدل دینا چاہیے، محبت ایسی شر انگیزی اچھی نہیں لگتی، جس سے محبت کرتے ہیں اس کا برا نہیں چاہتے، دل انسانی جسم کا سب سے پاکیزہ حصہ ہے، یہ حق صرف اللہ کا ہے کہ وہ وہاں قیام کرے، یہ اللہ کی جائے مسند ہے دل آسا، انسانی دل پہ حکمرانی کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے اس لئے جسے محبت ہو اس کے لئے دعا کرو، کہ یا اللہ میں اس شخص سے محبت کرتی ہوں میں اس کا بھلا چاہتی ہوں، تو اس کے دل پہ قابض ہو جائے تو اس کے دل پہ بسیرا کر لے، یہ ہے اصل محبت اور تم خواہش کرتی ہو کہ تم اس کے دل پہ قابض ہو جاؤ۔"

"کیوں اس کا برا کرنا چاہتی ہو کوئی وقت قبولیت کا بھی ہوتا ہے۔" وہ رکی پھر استفہامیہ انداز میں ہنکارا ابھرا تھا۔

"اونہہ بات کرتی ہو محبت کی۔"

دل آسا ششدر رہ گئی گلالہ دھیرے سے اس کے قریب ہوئی۔

"کسی سے محبت کرنا الگ بات ہے اور اس کی محبت پانا الگ ہر انسان کو اس کی محبت نہیں ملتی اگر ملتی تو محبت ظالم کہاں ہوتی وہ تو صرف مہربان ہوتی رحم دل سی، پھر ہر کوئی محبت کرتا اور اپنی محبت کو پا بھی لیتا تب نہ درد ہوتا نہ جدائی نہ دکھ اور نہ ہی تنہائی تب صرف اور صرف محبت ہوتی ہر طرف خوشیوں کی پریاں رقص کیا کرتیں، تب اللہ سے دعا کون کرتا آخرت کی فکر کسے ہوتی دنیا سے نفرت کون کرتا۔" وہ رکی پھر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"محبت کی ہے تو درد سہنا سیکھو، رونا سیکھو، تڑپنا اور مچلنا سیکھو کیونکہ محبت انہی کا نام ہے انہی کی پہچان کرواتی ہے۔"

☆☆☆

قطرہ قطرہ ڈھلتی شام نے خون کا لال سرخ رنگ اوڑھ لیا تھا، ہر طرف بکھری سرخی بیاں کر رہی تھی، درد کو تنہائی کو دکھ کو اور...... محبت کو۔

یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی نہیں گئی
یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی سانس نہیں لے سکی

اندھیرا یہاں چمگادڑ کی طرح پھیلا ہے
کوئی روشنی نہیں سوائے ایک مدھم ٹارچ کے
(شہد کی مکھیوں کی) چینی زرد ہر شے پہ ہے
اور سیاہ دھبا، تباہی، اور احساس ملکیت
مگر یہ وہ ہیں جو میری مالک ہیں
نہ ظالم نہ بے حس، صرف لاعلم
یہ شہد کی مکھیوں کا وقت ہے
سرما میں وہ خود کو سارے برف زاروں میں پھیلا لیتی ہیں
جہاں گرم دنوں میں مکھیاں صرف اپنے لاشے اٹھاتی تھیں
شہد کی مکھیاں سب عورتیں ہوتیں ہیں
کنیزیں اور ملکہ
وہ اپنے مردوں سے چھٹکارا پا چکی ہوتی ہیں
موسم سرما عورتوں کے لئے ہے
کیا اسی سرما میں ان کا چھتہ برقرار رہے گا؟
کیا وہ اگلے سال میں داخل ہو سکے گا؟
وہ کسی چیز کا ذائقہ محسوس کرتی ہیں؟
سرخ گلابوں کا؟
شہد کی مکھیاں آزاد اڑنے لگیں ہیں
وہ بہار کی چمک محسوس کر رہی تھیں

(سلویا پلاتھ)

''اے مسلمانی ادھر آ۔'' وہ صحن کو دھو رہی تھی جب سیتا تائی نے راہداری سے اسے پکارا وہ بھاگتی ہوئی ان تک گئی، گیلے پیروں کے نشان چھوڑتی۔

''جی!''

''اے جی کی بچی یہ بتا میرے کپڑوں کو تو نے ہاتھ لگایا ہے ابھی صبح میں نے ساڑھی رکھی چارپائی پہ کہاں گئی۔'' تند ہی سے پوچھا۔

''جی پتہ نہیں میں نے تو۔''

''ارے تجھے پتہ نہیں اکشرہ کو بھی پتہ نہیں تو پھر کدھر گئی وہ، رام رام۔'' وہ سینے پہ ہتھڑ مارتی دھاڑیں بے اختیار ڈر سے وہ دو قدم پیچھے ہوئی کمرے کی اوٹ سے جھانکتا ارجن رام اپنے پلان کے پورا ہونے پہ خباثت سے مسکرایا۔

''سچ سچ بول مسلمانی۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے نہیں پتہ۔'' ہکلائی۔

''ارے بتاتی ہے یا نہیں۔'' اب کے چھڑی والا ہاتھ آگے کیا۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' وہ منمنائی۔

''اوف ایک ہندو کے ہاتھوں یہ ذلت۔'' وقت نے فریاد کی لمحوں نے اک ترحم بھری نظر اس پہ ڈالی۔

''تجھے کیسے پتہ نہیں مسلمانی، بتاؤ ورنہ میں تیری جان لے لوں گی۔'' اگلے ہی پل وہ اسے چھڑی سے مار مار کر ادھ موا کر چکی تھیں زمین پہ درد سے دہری ہوتی نور کو کمرے سے نکلتے نیکھیل نے بڑے دکھ سے دیکھا۔

''کیا کر رہی ہو تائی۔'' بے اختیار تڑپ کر آگے بڑھا جو سیتا تائی کو ایک آنکھ نہ بھایا اسے گھورا۔

''نظر نہیں آ رہا تجھے میں اس گندی نالی کی غلاظت سے اپنی ساڑھی کا پوچھ رہی ہوں جو شام کو گنگا کنارے میں پوجا میں پہن کر جانے والی تھی جسے اس نے کہیں چھپا لیا ہے۔'' کمر پہ ہاتھ ٹکا کر ہانپتے کہا وہ بے چین ہوا۔

''کیا خبر اس نے نہ لی ہو۔''

''تجھے بڑا پتہ ہے اس کا۔'' معنی خیز نظروں سے اسے گھورا، زمین پہ درد سے دوہری ہوتی نورا سے بچانے کو فوراً آگے ہوئی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے نہیں پتہ۔'' اسے اپنی طرف متوجہ کرتی وہ پھر سے اپنی مار کو

دعوت دے گئی تھی، ہاں مگر نیکھیل کو ان کے سوالوں سے ضرور بچا لیا۔

پتہ نہیں کیا رشتہ تھا ان کا جس پہ کبھی کبھی وہ خود بھی حیران ہوتے پر ظاہر نہ کرتے، وہ اسے مزید مارنے لگیں جبکہ نیکھیل اسے ہمدردی اور دکھ سے دیکھتا دوبارہ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

''تم یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتی۔'' اس کے زخموں پہ مرہم لگاتے وہ دکھ سے بولا۔

''کہاں جاؤں؟''

''کہیں بھی جہاں پہ یہ لوگ نہ ہوں صرف تم ہو جہاں تمہیں اذیت دینے والا ارجن رام بھایا اور تائی نہ ہوں۔''

''میں کہاں جاؤں نیکھیل یہ پورا ملک ہی ان لوگوں سے بھرا ہوا ہے اس گھر میں ایک ارجن رام ہے اور اس کے باہر کئی، میں ایک سے ہی خود کو مشکل سے بچاتی ہوں کئی ارجن رام مل گئے تو میں کیا کروں گی۔'' وہ خوف سے بولی، اسے دکھ ہوا۔

''اپنے اللہ سے کہو وہ تمہیں یہاں سے دور لے جائے۔'' ہمیشہ کی طرح وہ مسکرائی۔

''اللہ۔'' زیر لب بڑبڑائی، تو چاروں طرف جیسے نور کے ننھے ننھے دیئے جل اٹھے۔

''میں یہ نہیں کہتی۔''

''کیوں؟'' وہ تڑپا وہ اسی پرسکون انداز میں کہتی چلی گئی۔

''اماں کہا کرتی تھی، اللہ سے یہ کبھی مت کہنا کہ وہ تمہیں ان کافروں سے الگ کر دے یا مار دے، کیوں؟ وہ حیرت سے بولا، میں بھی اسی انداز میں پوچھتی جیسے تم نے پوچھا تھا ابھی۔'' وہ یوں مسکرائی جیسے اس کے سامنے اماں بیٹھی ہو۔

''یہ زندگی اللہ کی امانت ہے اور ہمیں یہ کہنے کا بالکل حق نہیں ہے کہ وہ ہمیں مار دے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کبھی موت کی دعا مت مانگو، ہاں اگر زندگی سے تنگ ہو بھی جاؤ تو یوں دعا کرو، اے اللہ اچھی زندگی اور اچھی موت عطا کر۔''

''یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟''

''سورۃ الکھف آیت نمبر 55 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے والے۔'' پلکیں موندے ترجمہ پڑھا اس کا تجسس عروج پر تھا۔

''مطلب؟'' وہ سمجھا نہیں یا پھر وہ مزید جاننا چاہتا تھا اس نے پرسکون سانس بھری پھر صاف وشفاف کھیتوں کے درمیان بہتے نالے پہ نظریں جمائے گویا ہوئی۔

''تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں کے سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں، ان کے جن کی ساری کوشش دنیا میں ہی گم ہو گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں یہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں اور ان کا ملنا نہ مانا تو ان کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم قیامت کے دن کوئی تول نہ قائم کریں گے، یہ ان کا بدلہ ہے جہنم، اس پر کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی اڑائی، بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔''

''تم فرماؤ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔'' وہ سانس لینے کو رکی آنسو قطرہ قطرہ گرتے رخسار بھگونے لگے تھے وہ مبہوت سا اسے دیکھے گیا چپ چاپ بنا کچھ

کہے، اسے لگا جیسے نالے کا بہتا صاف شفاف پانی یکدم رک سا گیا چلتی ہوا ساکت ہوئی رب کا کلام سننے کے لئے۔

''تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے، سورۃ الکہف کی آیت کا ترجمہ پڑھنے کے بعد۔'' وہ وہیں بیٹھی رہی ہونٹوں پہ انگلی رکھے بھیگے چہرے کے ساتھ، ٹپ ٹپ آنسو تھوڑی تلے گرتے تھے اگلے ہی پل اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں بھرا سامنے بیٹھے ساکت وجود پہ نگاہ کیے بغیر وہ روتی گئی، روتی گئی، یہاں تک کہ آنسو ختم ہو گئے کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور اس پہ نگاہ کی جو ساکت سا اسے بولا۔

''اگر میں اللہ سے ملنا چاہوں تو کیا کروں۔'' اس نے پوچھا اسے اپنے اردگرد ننھے ننھے دیئے کی لو لرزتی محسوس ہوئی چاند کی مدھم روشنی پتنگوں کو جھلسانے لگی تھی۔

''تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔'' اس نے وہی آخری آیات دوہرائیں وہ چپ چاپ اٹھ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا دل دماغ سن سے محسوس ہو رہے تھے اسے اس وقت۔

☆☆☆

ساڑھی کا پلو سر پہ رکھے اکشرہ، سیتا تائی اور دیوی کے گھر سے نکلی ہاں مگر جانے سے پہلے سیتا تائی نے اسے بلایا۔

''اے مسلمانی میں گھر کی شودی کر کے جا رہی ہوں گنگا کنارے پوجا کے لئے ہاں تو صرف اپنے کمرے میں رہنا اپنے گندے اور ناپاک وجود لئے باہر مت نکلنا۔''

''جی بہتر۔'' وہ ادب سے بولی تو سیتا تائی اکشرہ سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ ارجن رام اور نیکھیل کہاں ہے۔''

''جی وہ رام بابو تو آ رہے ہیں مگر۔'' وہ ڈر کے رکی سیتا تائی نے مڑ کر اک غضب ناک نظر اس پہ ڈالی۔

''مگر بول۔''

''وہ نیکھیل دادا کو بخار ہے وہ پوجا میں نہیں جا رہے۔''

''ارے اتنی بڑی پوجا ہے اور وہ کیوں نہیں جا رہا جاؤ دیوی اسے بلا کر لاؤ۔'' کڑی آواز میں کہا، نور کے لبوں نے مسکراہٹ کی چاشنی کو چھوا یعنی وہ پوجا میں نہیں جا رہا تو اس کا مطلب وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ کون سا دین سچا اور پاک دین ہے۔

''تائی دادا کو تو سچ مچ بہت بخار ہے وہ چل بھی نہیں سکتے۔'' دیوی آ کر بولی، وہ فکر مندی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھیں، سب جانتے تھے کہ انہیں فکر اس کی صحت کی نہیں بلکہ اپنے بھگوان کی پوجا کی تھی۔

نیم تاریک کمرہ کیے وہ چارپائی پہ بے سدھ پڑا تھا۔

''نیکھیل!''

''جی۔'' بڑبڑایا وہ قریب ہوئیں۔

''اٹھو تم جانتے ہو کہ آج ہم سب نے پوجا کے لئے جانا ہے۔''

''تائی میری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' مارے نقاہت کے صرف اتنا ہی بول سکا انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی چادر اتار دی۔

''پوجا کے لئے جاؤ گے نا تو مارا رام سب

ٹھیک کر دے گا صحت بھی اور طبیعت بھی۔'' طنز کیا وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھا۔

''میں نہیں جا رہا۔'' زندگی میں پہلی بار ان کی کسی بات پہ انکار ہوا تھا غصہ آنا تو فطری بات تھی پھر۔

''تو اب مجھے غصہ دلا رہا ہے۔''

''میں نے کہا نا تائی میری طبیعت۔'' وہ اسی پرسکون انداز میں بولا، اب کے وہ پہلے سے زیادہ زور سے چیخی تھیں۔

''کیا ہوا ہے تیری طبیعت کو۔''

''یہ لیں خود دیکھ لیں۔'' دھیرے سے کہا کہ اس نے ہاتھ بڑھایا جسے پکڑنا تک گوارہ نہ کیا گیا۔

''جانتی ہوں بخار ہے، پر بھگوان خیر کرے، مر مرا تو نہیں گیا۔'' اس نے نہایت دکھ سے اپنی ماں کے منہ سے یہ الفاظ سنے اور اسے لگا جیسے وہ سچ مچ مر مرا گیا ہو۔

''تائی کیا ہم مر کر دوبارہ زندہ ہوں گے۔''

''سات جنم ہونگے نا ہمارے پھر پیدا تو ہونا ہی پڑے گا۔'' اب کے نرمی سے کہا تو وہ اسی انداز میں بولا۔

''پھر ٹھیک ہے میں اگلے جنم پوجا کے لئے چلا جاؤں گا۔''

''تو۔'' وہ کچھ سخت کہتیں کہتیں رکی۔

''اب تیار ہو کر باہر آؤ ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' پر اذیت انداز میں اس نے انہیں جاتے دیکھئے کیسے کہتا کہ وہ نہ تو بھگوان کو مانتا ہے نہ ہی گنگا کنارے ہونے والی پوجا کو، اس کا دل تو نجانے کب سے رحمان کا ورد کرنے لگا ہے خود اسے بھی پتہ نہیں چلا وہ اللہ سے ملنا چاہتا تھا اور نور کہتی تھی جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے، اسے یہ تو پتہ نہیں تھا کہ نیک کام کیا ہوتا ہے یا کون سا ایسا نیک کام ہے جسے کر کے ثواب حاصل کیا جائے ہاں مگر اب وہ رب کی بندگی میں کسی کو بھی شریک نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ کہتی تھی کہ اللہ بڑا رحمان و رحیم ہے، وہ معبود برحق ہے اکیلا لاشریک جس کے ہاتھ نہیں پیر نہیں ناک اور منہ نہیں آنکھیں یا کان نہیں یعنی انسانی جسم جیسا کوئی حصہ نہیں وہ تو بس نور ہے، وہ نور جو ہر کسی کے ساتھ ہے وہ یہ بھی کہتی تھی کہ وہ ہر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، یعنی ساری سانسوں سے نزدیک تر اور پھر وہ اٹھا لڑکھڑاتے کپڑے بدلے دل ہی دل میں نور کے رب سے مخاطب ہوا۔

''اے نور کے رب اے اللہ میں تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا اور نور کہتی ہے کہ اللہ یعنی تیرے ساتھ کسی کو شریک کرنا بہت بڑا گناہ ہے تو اے نور کے اللہ مجھے تو بچا اس گناہ سے، کیونکہ تو ہر چیز پہ قادر رحمان و رحیم رب ہے۔'' پتہ نہیں کس طرح وہ اس سے مخاطب تھا اور رحمت خداوندی مسکرا رہی تھی ایک کافر کی دعا پہ التجا پہ، وہ تو سب کو دیتا ہے سب کی سنتا ہے سو شاید اس کی بھی سن لی تھی۔

وہ مرے مرے قدموں سے تانگے میں جا بیٹھا اور نور مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی اور قرآن پاک کو اٹھا لیا ایسے ہی تو موقعوں پہ وہ قرآن یا نماز ادا کیا کرتی تھی ورنہ اس گھر میں اسے ان سے اجازت کہاں تھی، اسے یاد نہیں تھا کہ پچھلی بار اس نے تلاوت کہاں پہ چھوڑی تھی پھر یاد کیے بغیر اس نے اپنی پسندیدہ سورت کھولی، چیونٹیوں کی سورۃ، پیامبروں کی سورت۔

اعوذ باللہ پڑھا اور پورے دھیان سے صفحے پہ سطروں کو دیکھا، جہاں سفید کاغذ کے اوپر سیاہ

الفاظ جگمگا رہے تھے، اس کی نظریں ان الفاظ پہ جم سی گئیں دل میں موجود ہر خوف پریشانی اس جگمگاہٹ کے پس منظر میں چلی گئی۔

"مگر جس کسی نے بھی ظلم کیا، پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا ہو تو بے شک میں (اللہ) غفور اور رحیم ہوں، اللہ تعالیٰ!" وہ بڑبڑائی تو سیاہ ہیروں کی سی چمک دل کے اندر اترتی ہر آگ کو ٹھنڈا کرنے لگی، اسے یہ آیت یاد تھی، بچپن میں اکثر رات کی تنہائی میں اماں اسے اپنے بازو پہ سلا کر سنایا کرتیں تھیں، وہ کہتی تھیں کہ عربی بہت گاڑھی زبان ہے اس میں ہر لفظ کا بہت وسیع مطلب ہوتا ہے "قرآن تب سمجھ میں آئے گا جب اس کے ہر لفظ کے مطلب کو سمجھو گے" اللہ تعالیٰ دیکھیں نا، آپ نے کہا، جو کوئی ظلم کرے تو ظلم کا مطلب کیا ہے، اس سارے ذہنی دباؤ میں بھی مجھے یاد ہے، ظلم کا مطلب ہے کسی کے حق میں کمی کرنا، تو آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں اللہ کہ ہم زندگی میں جب بھی کسی کے حق میں کمی کریں تو احساس ہونے پر صرف سوری کر لینے کے بجائے برائی کو، اس دکھ اور تکلیف کو ہمیں اچھائی اور محبت سے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" وہ سر جھکائے بڑبڑاتی ہوئی چونکی۔

"اوہ!" جیسے کچھ سمجھ آیا۔

"اسی لئے آپ نے کہا کہ آپ غفور اور رحیم ہیں، غفور کہتے ہیں ڈھانپنے والے کو، جو گناہوں کو ڈھانپ کر ان کو مٹا دے، معاف کر دے اور رحیم......" اس نے آنکھیں میچ کر یاد کرنا چاہا۔

"بار بار رحم کرنے والا، لوگوں کی غلطیاں، گناہ سب معاف کر کے بار بار ان کو موقع دینے والا" سیاہ حرف کی جگمگاہٹ اس کے گرد کسی اونچے دائرے کی صورت رقصاں تھی، باقی سب کچھ چھپ گیا تھا بدوقت اس نے اگلے الفاظ پڑھنے چاہے۔

"اور اپنا ہاتھ ڈال لیجئے اپنے گریبان میں (اے موسیٰ) وہ نکلے گا سفید چمک دار، بغیر کسی عیب کے (کسی بیماری کی وجہ سے نہیں، معجزاتی طور پہ) یہ تو نشانیاں ہیں، ان کو لے جائیے فرعون اور اس کی قوم کی طرف، بیشک وہ لوگ ہیں جو حد سے بڑھ جانے والے ہیں، پھر جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والی ہماری نشانیاں آ گئیں تو وہ کہنے لگے، یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔" ایک ایک لفظ اس نے ٹھہر کر اپنے اندر اتارا، دل و دماغ میں عجیب قنوطیت اور اذیت بھرتی گئی۔

ٹپ ٹپ کچھ گر رہا تھا کیا وہ سمجھ نہ سکی بس نظریں قرآن کے سیاہ حروف پہ جمائے سوچتی گئی پڑھتی گئی اور خود سے بے نیاز ہو کر۔

"اللہ آپ کو پتہ ہے نا کہ وہ نہیں مانیں گے اس کو ہدایت کی کوئی بات ان کے دل کو موم نہیں کر سکے گی، پھر کوئی کیوں جابر کسی منکر ظالم کو للکارے؟ وہ اپنا عمل کریں اور ہم چپ چاپ اپنی نماز اور روزہ کرتے رہیں، میں بھی کوئی اس کا دل موم نہیں کرنا چاہتی تھی مگر یوں ہی بس انجانی سی خواہش تھی کہ شاید نیلھیل ایمان لے آئے اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائے میں غلط تھی اللہ پاک وہ چلا گیا شیطان کے سامنے جھکنے کے لئے۔"

سیاہ جگمگاہٹ کو مایوسی کا اندھیرا نگلنے لگا اور جیسے جیسے آس پاس سیاہ دھبوں کے مرغولے اٹھنے لگے، ٹپ ٹپ ٹپ کچھ گرنے کی آواز اب زور پکڑتی جا رہی تھی اس کا دل زخم زخم ہونے لگا، وہ نظریں اٹھائے بنا محسوس کر سکتی تھی کہ کچھ گر رہا ہے مگر کیا اسے پتہ نہیں تھا

(باقی اگلے ماہ)

ریت کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

انتیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام واپس آتا ہے تو نومی سے ٹکراؤ ہوتا ہے جہاں دونوں میں دلچسپ نوک جھونک چلتی ہے، عینی ہیام کو دیکھ ایک بار پھر نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگتی ہے۔

کومے کے مرنے کی اطلاع پر پلوشہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتی ہے وہ ہوسپٹل میں ہے اور شانزے اس کے پاس تھی۔

لاہور سے آئے اسامہ اور اس کی والدہ نے امام کے گھر اور مہمانوں کو سنبھال لیا تھا ہر کوئی کومے کی موت کی خبر پر افسردہ تھا۔

صندیر ابھی تک حیرانگی میں تھا، وہ شاہوار کے بدلے ہوئے اطوار سے چونکتا ہے اور پھر اپنے خاص ملازم کو اس کا کھوج لگانے کو کہتا ہے اور خود بی جاناں کو آ کر بتاتا ہے کہ صندیر خان نے قبیلہ کے باہر کی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہے اس بات کے سچ ثابت ہونے کی صورت میں اسے خاندانی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیل بر کی سالگرہ کے دن جہاندار اسے سرپرائز سالگرہ وش کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیسویں قسط

موبائل کی بپ مسلسل بج رہی تھی۔
عشیہ اپنے پاؤں پہ زیتون کا تیل ملتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے موبائل کو دیکھنے لگی۔
''اللہ تمہیں سمجھے ہیام! پٹھانوں کے نام پہ دھبہ ہو، ماں کی قسم! اپنے خاندان میں تو دور دور تک ایسا کوئی زن مرید نہیں تھا، تم جانے کس پہ چلے گئے، شاید ننھیال پہ۔'' عشیہ نے انگلیوں سے ایڑھیاں رگڑتے ہوئے بلند آواز میں سوچا تھا اور موبائل کی بجتی بپ کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا۔
''ہاں، تم واقعی ننھیال پہ ہو، پیار محبت میں مورے کا خاندان پورے گلگت میں صف اول پہ تھا، خاصی تاریخ ساز محبتیں کی تھیں مورے کے بھائیوں نے، کسی دن مورے کا موڈ اچھا دیکھ کر پرانی کہانی سنوں گی۔'' عشیہ نے تیل کی بوتل کا ڈھکن بند کیا اور فون کو ایک مرتبہ پھر نظر انداز کر دیا۔
''اور ہاں، ایک کہانی فرخزاد اور ودھا کی بھی تو تھی، اب یہ ہمارا عاشق زادہ کوئی کم ہے ان سے، صد شکر اس بیکار ہیام کے رستے میں کوئی ظالم سماج نہ تھا، ورنہ میرا بے چارا بھائی کس کس سے ٹکراتا......؟ او......نو......اب یہ ہیام بے چارا ہو گیا؟ بہت تنگ کر رکھا ہے اس نے، آج تو بالکل اس کی نشرہ سے بات نہیں کرواؤں گی، موبائل ہی بند کر دیتی ہوں، گدھا گھنٹہ گھنٹہ جان نہیں چھوڑتا، چاہے مریضوں کو ڈسپرین کی جگہ پیراسٹامول ہی لکھ کے دیتا رہے، سچ ہی کسی نے کہا ہے، عشق اندھا ہوتا ہے۔'' اس نے گہرا سانس بھرا اور موبائل اٹھانے سے پہلے سوچا۔
''واقعی عشق اندھا ہوتا ہے، اپنے شاہوار خان کو ہی دیکھ لیں، جانتے بوجھتے انگاروں کو چھونے کی خواہش مند ہیں، حد ہے کم عقلی کی، دل ہارا بھی تو کہاں؟'' اسے خود پہ ہی غصہ آنے لگا تھا اور اسی غصے میں اسکرین دیکھے بنا فون اٹھایا، کال ریسیو کی اور تیز گام پہ سوار ہو گئی۔
''زن مرید! شرم تو ہے نہیں تم میں، خانزادوں کی پشتوں میں بھی تم جیسا بیوی کا عاشق پیدا نہ ہوا، نہ ہونے کا امکان، ایک تم ہمارے لئے کافی۔''
''صاحب! سن لو، یا تو موبائل ٹوٹے گا، یا تمہاری بیگم کو سیدھا لاہور پہنچا دوں گی، بیٹھے رہنا بیوی کے چرنوں میں رات دن، میری سولی پہ ٹنگی جان تو آزاد ہو گی، ہر وقت یہی خطرہ کھائے جاتا ہے کہیں مورے کو پتا نہ چل جائے، مگر تمہیں مطلق پرواہ نہیں، نشرہ کی جان الگ تلوار پہ لٹک جاتی ہے۔'' عشیہ تو نان اسٹاپ ایسا شروع ہوئی کہ پھر دوسری طرف کی ''ارے......ارے'' نے اسے بمشکل ہی روکا تھا، آواز جانی پہچانی تھی، مگر اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو آواز ہیام کی ہرگز نہیں تھی۔
''تو پھر یہ کون تھا؟''
عشیہ کو لمحہ ہی لگا اور وہ فراٹے بھرتی زبان کے ساتھ ہی پوری کی پوری گنگ ہو گئی تھی۔
''مانا کہ ہم عاشقوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانے پہ فخر محسوس کرتے ہیں مگر سیدھا سیدھا آپ نے ہمیں ''زن مرید'' ہی کہہ ڈالا، جناب وہ مبارک گھڑی ابھی آپ کی ''ہاں'' کے بیچ اٹکی ہوئی ہے، اگر آپ ہاں کہیں تو ہم باقاعدہ طور پر ''زن مرید'' بننے کے لئے تیار ہیں، کہیں تو گاجے باجے بھی اٹھا لائیں۔'' دوسری طرف تو شوق کا عالم ہی کچھ اور تھا، عشیہ تو ایسے منجمد ہوئی جیسے کوئی

پتھر کی مورتی۔

''شاہوار خان!'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

''جی! شاہوار خان کی جان۔'' چہکتی ہوئی زندگی سے بھرپور آواز نے عشیہ کی روح ہی پھونک ڈالی تھی، وہ حیرت سے اچھل ہی پڑی۔

''یہ تم کس خوشی میں اتنا رومینٹک ہو رہے ہو؟''

''زن مرید بننے کی خوشی میں۔'' جواب ترنت آیا تھا۔

''دیکھو شاہو۔'' وہ غصے میں بالکل ہی پٹڑی سے اتر گئی تھی، ہیام سچ ہی کہتا تھا۔

''غصے میں عشیہ کے دماغ کی بتی گل ہو جاتی تھی۔''

''ہائیں...... اس انداز تخاطب پہ قربان نہ ہو جائیں ہم...... ارے کیا دیکھے شاہو، دیکھا نئیں تو سہی، ہم تو اسی انتظار میں سلگ رہے ہیں، آپ پاؤں تڑوا کر گھر کی ہی پیاری ہو چکیں، اب تو سڑک پہ ملاقات کی کوئی سبیل بھی نہیں رہی، تو آپ کو دیکھنے کے لئے خود ہی بہ نفس نفیس حاضر نہ ہو جائیں ہم؟'' بڑے مہذب انداز میں اس نے اپنے دل کی خواہش کو زبان دے دی تھی، وہ اس کی خیریت پوچھنے آنا چاہ رہا تھا، مگر عشیہ کی اجازت کے بنا آنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

''دیکھیے ''نہ'' مت کہیئے، ویسے بھی آپ کی والدہ حضور ہماری شخصیت کی مداح ہو چکی ہیں۔''

وہ اس کی بات سنے بنا اپنی ہی سنانے میں محو تھا، عشیہ ارے ارے ہی کرتی رہ گئی۔

''دیکھو، دیکھو...... جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسنا تم لوگوں کا خاندانی وطیرہ ہے۔'' اس نے حتی المکان آواز میں جی بھر کے رکھائی سموتے ہوئے کہا تھا، مگر دوسری طرف اس رکھائی کا کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔

''ارے نہ جی...... ہم تو خاندانی مہذب ہیں، جوتے اتار کے آنکھوں میں تشریف لائیں گے، باقی آپ پرواہ نہ کیجئے، آج کی شام آپ کے نام۔'' وہ بڑے ہی موڈ اور انداز میں تھا، عشیہ کا دل پہلی مرتبہ اوپر نیچے ہوا اور کوئی بات نہ سوجھی تو جھٹ سے کہہ دیا۔

''ہمیں کافی بنانی نہیں آتی، چائے آپ کو پسند نہیں، سوکھے منہ مہمانوں کو گھر سے لوٹانا ہمارے رواج کے خلاف ہے، تو بہتر ہے آپ ہمیں اس شرمندگی سے بچالیں۔''

''وری ویل...... یہ کوئی بڑا مسئلہ تو نہیں نا، آپ کو کافی بنانی نہیں آتی، ہمیں چائے پسند نہیں، کوئی تیسرا آپشن نکال دیکھیے، پشاوری قہوہ، کشمیری دودھ پتی یا پھر کوئی سوفٹ ڈرنک، اب ٹھیک ہے نا؟ آپ شرمندگی سے بچ جائیں گی، ہماری آنکھیں دیدار سے فیض یاب ہو جائیں گی، دونوں کی پرابلم سولوڈ۔'' شاہوار نے شاید مسکراہٹ کو بری طرح سے ہونٹوں میں دبایا تھا، عشیہ کو یہی محسوس ہوا، وہ دبی آواز میں ہنس رہا ہے، عشیہ کے سارے حربے بیکار جاتے دکھائی دینے لگے تھے۔

''دیکھیں ذرا۔''

''ارے گھر بلائیں گی تو دیکھیں گے نا، اب دوسری کوئی بات نہیں، ہم آج کی شام آپ کے ہاتھ کا پشاوری قہوہ پینے آ رہے ہیں۔'' شاہوار نے اس کی ہڑبڑاہٹ کا خوب مزہ لیتے ہوئے کہا

تھا۔

''پشاوری قہوہ بھجوا دیں گے، اپنے نوکر سے بنوا کر پی لیجئے گا۔'' عشیہ نے تپ کر جتایا۔

''ارے......ایسے ہی۔'' وہ شاید برا مان گیا تھا۔

''نوکر کے ہاتھ میں آپ کے ہاتھ کا سواد کہاں؟'' اک آہ بھری گئی تھی، عشیہ تذبذب میں ڈوبی رہ گئی، اب کہے تو کیا کہے؟

''اچھا تو پھر آ جایئے گا۔'' بالآخر مرے مرے لہجے میں مژدہ جاں فزا سنا دیا گیا، شاہوار اس ادا پہ اش اش کر اٹھا تھا۔

''نہیں ابھی بھی کوئی بہانہ ہے تو گڑ لیجئے، مگر یاد رکھیئے گا، محبت کسی بہانے، کسی دلیل، کسی جواز کو نہیں مانتی۔'' اس کے لہجے میں پربتوں کے بیچ بہنے والے چشموں کی سی روانی تھی، وہ لمحہ بھر کے لئے منجمد ہوگئی، جیسے ان الفاظ کے بہاؤ میں خود بھی بہنے لگی ہو، یا ان الفاظ کی سچائی میں کھونے لگی ہو، یا محبت کے اس سجدے پر یقین کے وضو کا پانی بھرنے والی ہو، یا عشیہ پہ محبت وحی بن کر اترنے والی ہو۔

☆☆☆

اور شام ہیام کے چھوٹے سے مکان پر ٹھہر ٹھہر کر اتر آئی تھی۔

آج سبھی لوگوں کو حیرانی تھی، عشیہ ایک دفعہ پھر ماضی والی کٹ کھنی بلی بن کر کیوں غراتی پھر رہی تھی۔

دو دفع تو عروفہ کے ساتھ لڑائی بھی ہوگئی، ایک مرتبہ مورے کے ساتھ الجھ پڑی اور آدھی مرتبہ نئی نویلی بھابھی سے بھی تلخ کلامی ہوتی ہوتی رہ گئی، جس کا بعد میں عشیہ کو افسوس بھی ہوا تھا، اب بھلا نشرہ معصوم کا کیا قصور؟ خواہ مخواہ اس پہ ساری ''جھلاہٹ'' نکال ڈالی تھی۔

پھر جب نشرہ نے ہونٹ دبا کر آنکھیں میچ لیں اور تیزی سے بنا جواب دیئے باہر نکل گئی اور تب سے لے کر اب تک وہ صحن کی اوپر جاتی سیڑھیوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھی رو رہی تھی۔

عشیہ کو جلدی ہی اوٹ میں بیٹھی ذرا ذرا ہلتی نشرہ دکھائی دے گئی تھی، مانو احساس زیاں اور بھی بڑھ گیا تھا، وہ تیزی سے نشرہ تک پہنچ گئی۔

اللہ اللہ نشرہ ابھی تک رو رہی تھی اور اگر پتہ لگ جاتا اس کے عاشق بھائی کو کہ نشرہ کی آنکھوں سے سونامی بہہ رہا ہے تو اس نے ایک لمحہ نہیں لگانا تھا اور اس سونامی میں ڈوبنے کے لئے دیامر کی کوچ کا ٹکٹ کٹوا لینا تھا اور پھر جو عشیہ کی درگت بنا تا وہ الگ کہانی تھی۔

''میں نے کہا تھا، عروفہ اور مورے کے میزائلوں سے بچانا اس کو، تم تو خود ہی اس پہ بم بلاسٹ کرنے لگی، میری آستین کی دشمن! اللہ کرے تیرا دوسرا پاؤں بھی ٹوٹ جائے۔'' نشرہ دل ہی دل میں ہیام سے ملنے والی صلواتیں سوچتی نشرہ کے قریب ہی دھپ سے بیٹھ گئی تھی، نشرہ اس افتاد پہ ایک دم خوفزدہ ہوئی اور بے ساختہ اس کے لبوں سے چیخ نکل پڑی، عشیہ نے سر تھام لیا تھا۔

''اف ڈرپوک۔''

''تو اب کیا ہے؟ کچھ ڈانٹنے میں کسر باقی رہ گئی تو کل کلاس لے لیجئے گا، آج کے لئے اتنی ہی

''ڈوز'' کافی ہے، مجھ سے اور آنسو بہانا مشکل ہوگا۔'' نشرہ نے بھرائی آواز میں سسکی روکتے ہوئے کہا تھا، عشیہ پہ گھڑوں پانی پڑ گیا، جذباتی انداز میں ہونٹ چبا ڈالے تھے، پھر انگلیاں چٹخاتے ہوئے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

''ارے روئیں تیرے دشمن، یہ رونے دونے کی بات نہیں کرو۔'' اس نے پیار سے نشرہ کو چمکارا تو اس نے سوں سوں کرتے ہوئے ناک بری طرح سے سڑک کر کہا تھا۔

''تو کون سی بات کروں؟ دودھ ابلنے کی؟ جو کلو سے آدھا کلو رہ گیا۔'' نشرہ کو اپنا جرم پھر سے بہت یاد آیا تھا، جس کی پاداش میں عشیہ سے ڈانٹ پڑی تھی، کہ وہ آئے دن دودھ ابال کر ضائع کر دیتی تھی اور یوں مورے کے ضبط کو بھی برابر آزما رہی تھی۔

''تو کیا ہوا؟ جیسے روز بڑھاتی ہو، ایسے پانی ڈال کر پھر بڑھا لینا۔'' عشیہ نے بے سرے پن سے اپنے ہی آئیڈیا کو انجوائے کیا تھا، نشرہ بھی جلدی سے کھسیانی ہوگئی تھی، کہ مورے کے عتاب سے بچنے کے لئے یہ حربہ وہ آل ریڈی کئی مرتبہ آزما چکی تھی۔

''اچھا وہ تو میں کر ہی لوں گی مگر یہ بتائیں، آج بہت غصہ کیوں آرہا ہے۔'' نشرہ نے آنسو سمیٹ کر جلدی سے ہاتھ چہرے پہ رگڑے اور بڑی معصومیت سے سوال کیا تھا، ایک منٹ میں سارا غصہ اور دکھ بھلا چکی تھی، یہی ادا تو عشیہ کو اس میں بھا چکی تھی اور شاید اسی ادا نے عشیہ کے بھائی کا دل بھی لوٹا تھا، وہ بہت سیادہ دل اور مہربان لڑکی تھی، دل میں کینہ اور کدورت نہیں رکھتی تھی، ذرا سی نرمی پہ پہلے جیسی ہو جاتی تھی۔

''جب وہ کشمیری دودھ پتی پینے ہمارے سروں پہ سوار ہوگا تو غصہ آئے گا ہی نا؟ پتیلی میں دودھ کم ہوگا، تو چائے کیسے بنے گی؟ پانی ڈال کر بننے سے تو رہی۔'' عشیہ نے اچانک وارد ہونے والے غصے کی وجہ بتائی تو نشرہ کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں، گیلے گیلے نین کٹورے ڈھل ڈھل کر کنول بن گئے تھے، عشیہ نے بے ساختہ ماشاء اللہ بول کر نظر چرالی تھی۔

''وہ کھوتا یہاں ہوتا تو اب تک ڈوب ہی چکا ہوتا۔'' اس نے بے ساختہ سوچا اور مسکراہٹ دبا لی تھی۔

''ارے کون آرہا ہے؟ کیا ہیام؟'' نشرہ کے دل کی گھنٹی ٹن ٹن بج اٹھی تھی، چہرہ مبارک چاند کی مانند چمکنے لگا، عشیہ نے اس بدلتے روپ سروپ کی نظر اتاری اور بظاہر ناک بھوں چڑھا کر بولی۔

''تمہارے ہیام کے علاوہ اور بھی دنیا میں لوگ موجود ہیں۔''

''ہیں...... اور کون...... مطلب کوئی مہمان آرہا ہے؟'' نشرہ نے پہلی مرتبہ کوئی ڈھنگ کا سوال کیا تھا اور اسے بالکل اندازہ نہیں ہوا تھا کہ کوئی دبے قدموں ان کے مکان کی راہداری پہ چلتا ہوا آوازوں کی سمت کا تعین کرتا ان کے بہت قریب آچکا تھا اور اس نے نشرہ کا حیرانی میں ڈوبا سوال بھی سن لیا تھا۔

''مہمان آچکا ہے اور آداب عرض کرتا ہے۔'' ایک گمبھیر خوبصورت بھاری آواز نے ان دونوں کو بری طرح سے چونکا دیا تھا، دونوں ہی اچھل پڑی تھیں، جہاں نشرہ کا منہ کھلا تھا وہیں عشیہ

کے لب بھینچ گئے تھے۔
''ہونہہ زبردستی کا مہمان۔'' اس نے ناک چڑھا کر جتلایا تھا، مہمان نے اپنے دونوں شانے اچکائے تھے۔
''مہمان تو مہمان ہی ہوتا ہے، چاہے زبردستی کا ہو، ویسے بائی داوے آپ تو تندرست دکھائی دے رہی ہیں۔'' شاہوار نے اسے دونوں پیروں پہ جما کھڑا دیکھ کر حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا، عشیہ کے ماتھے پر بل آ گئے تھے۔
''تو آپ کے خیال میں مجھے کیسا نظر آنا چاہیے تھا؟'' طنزیہ انداز میں چبا چبا کر پوچھا گیا۔
''مٹرگشت کرتے ہوئے تو نہیں، آئی تھنک، بستر پہ ہوتیں تو ''عیادت'' کرنے کا مزہ آتا۔'' شاہوار نے نشرہ سے نظر بچا کر آنکھ بھی ماری تھی یہ اور بات ہے کہ نشرہ نے یہ سین بقائمی ہوش و حواس ملاحظہ کر لیا تھا اور فوری طور پہ اپنے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر آواز دبا لی تھی، جبکہ عشیہ کا چہرہ لال ٹماٹر ہو گیا تھا۔
''واٹ ربش۔''
''او...... زیادہ انگریزی نہیں جھاڑو، میں جانتا ہوں تم کتنی ویل آف ایجوکیٹڈ ہو، مقامی زبان میں مجھے بے ہودہ بھی کہہ لو گی تو میں مائنڈ بالکل نہیں کروں گا۔'' شاہوار نے ہونٹوں کی دل نشین مسکراہٹ سمیٹ کر عشیہ کو خوب تپایا تھا، نشرہ سے اب کہ ہنسی روکنا محال ہو چکا تھا، بری طرح قل قل کر ہنسنے لگی تھی، عشیہ کی گھوریاں بھی بے اثر ہو چکی تھیں۔
''خاتون! آپ کی ہنسی بہت حسین ہے، تھوڑی یہاں بھی عنائیت کر دیں، یہ آپ کی نند تو مرچیں چبائے رکھتی ہیں۔''
''دیکھو خان! اب تم حد سے مت بڑھو، ورنہ میں یہاں سے چلتا پھرتا کر دوں گی۔'' عشیہ کا ازلی جلال عود آیا تھا، خان پہ مطلق اثر نہ ہوا، برابر مسکرا مسکرا کر چڑاتا رہا۔
''ہر جگہ آپ کا راج نہیں محترمہ! یہاں سے نکالنا ذرا مشکل ہے۔'' اس نے پھر سے آنکھ دبائی تھی، اب تو عشیہ کا غصہ آسمان پہ جا پہنچا تھا۔
''یہ جو تمہاری آنکھوں کے سوئچ آن آف ہو رہے ہیں، کسی الیکٹریشن سے چیک کروالو، ورنہ فیوز اڑا دوں گی تمہارا۔''
''الیکٹریشن کے پاس ہی تو آیا ہوں، آنکھوں کا معائنہ اب کب تک کریں گی۔'' بڑی چاہت اور دلربائی سے ارشاد کیا گیا تھا، عشیہ مٹھیاں بھینچتی بے حال ہو گئی تھی۔
''کتنی زبان چل رہی ہے آج اس کی، قینچی ہوتی تو کتر ڈالتی۔''
''نہ نہ...... یہ زبان قینچی سے کترنا مشکل ہے، اس کے لئے محبت کا ہتھیار استعمال کریں، دل، جگر، زبان کٹ کٹ کر آپ کے قدموں میں آ گرے گی۔'' شاہوار نے ترنت جواب دیا تھا، اب کہ نشرہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔
''میں نے سمجھا، دنیا میں دو ہی عجوبے تھے، ایک اسامہ بھائی اور دوسرا عشیہ کا بھائی، مجھے معلوم نہیں تھا، ایک عجوبہ اور بھی ہے، جو عشیہ کی بولتی بند کرنے میں کمال رکھتا ہے، میں آپ کی آج

سے گریٹ فین ہوں شاہوار بھائی۔'' نشرہ جھک کر کورنش بجالائی تھی اور عشیہ کی کہنی اس کے بازو میں اتنی ہی شدت کے ساتھ چبھی تھی، اس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

''یہ خاصی تشدد پسند خاتون ہے نشرہ! اس سے بچ کر رہنا۔'' شاہوار نے نشرہ کے سر کو ہلکا سا سہلا کر تسلی دی تھی۔

''ہونہہ نشرہ کا سگا۔'' عشیہ نے شاہوار کو گھورا تھا، پھر نشرہ کی طرف گھومی۔

''تم نے پارٹی بدل لی، یہ اچھا نہیں کیا، جانتی ہونا، اس گھر میں مجھ سے بڑا اسپورٹر تمہارا کوئی نہیں۔''

''آں ہاں۔'' شاہوار نے فوراً مداخلت کی تھی، دونوں نے چونک کر شاہوار کی طرف دیکھا تھا۔

''ایک سپوٹر آج کے بعد سے میں بھی ہوں، دیکھو نشرہ کسی نے تمہیں کچھ کہا تو مجھے ایک میسج بھجوا دینا، پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔'' عشیہ کو گہری نگاہوں سے دیکھتے بڑی محبت سے کہا گیا تھا، عشیہ کے تو سر پہ جا لگی تھی، غصے میں پھٹ پڑی۔

''ہاں...... ہاں کیا کرلو گے تم۔''

''تمہیں زندہ سلامت اٹھوا کر لے جاؤں گا، خس کم جہاں پاک، پھر نشرہ یہاں راج کرے گی۔'' شاہوار نے ہاتھ جھاڑ کر ہنسی دبائی تھی اور نشرہ کا قہقہہ چھوٹ گیا تھا اور عشیہ بس واک آؤٹ کرنے ہی لگی تھی جب شاہوار نے بے ساختہ اس کا راستہ روک لیا۔

''نہ نہ...... یہ ڈاج کسی اور کو دینا، میں نہیں جانے والا، اب کشمیری چائے ہی نہیں کھانا بھی کھاؤں گا، وہ بھی تمہارے ہاتھ کا، جانا ہے تو باورچی خانے میں جاؤ، میں ذرا مورے کو سلام کر آؤں، پھر تم سے دو دو ہاتھ کروں گا، آؤ پارٹنر ذرا میرے ساتھ، مجھے مدران لاء کو سلامی دینی ہے۔'' وہ عشیہ کو بری طرح سے چڑاتا نشرہ کو ساتھ لئے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا تھا، جبکہ عشیہ اپنا سر بھی نہ پکڑ سکی۔

ایسا مہمان اس نے زندگی بھر میں نہیں دیکھا تھا، مہمان تھا یا بلائے جان تھا یا پھر راحت جان تھا؟ عشیہ کا دل بے ساختہ کسی اور ہی لے اور ترنگ میں دھڑکنے لگا تھا اور ہونٹوں پہ ایک دل نشین تبسم جیسے ٹھہر گیا تھا۔

☆☆☆

گاڑی کی چمکتی ہیڈ لائٹس نے لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھیں چندھیا ڈالی تھیں۔

ہیام نے بیگ دوسرے کندھے پہ منتقل کرتے ہوئے حیرت سے بھاگتی جیپ کو دیکھا، اس کے مکان کی ذیلی سڑک پہ بھاگتی جیپ میں آنے والا یقیناً اس کے گھر میں ہی مہمان آیا تھا، آخر کون؟

وہ ڈھیر سارا تجسس لئے سارے ''سرپرائز'' کو توڑتا مروڑتا دیوار پھلانگ کر اندر آیا تو بالکونی میں ٹنگی عروفہ ایک ہی جست میں سیڑھیاں پھلانگتی ہیام کو ہی اچانک سرپرائز ڈ کر چکی تھی۔

''یا حیرت...... کیا تماشا ہے؟'' ہیام کا بیگ زمین پہ جا گرا تھا، جسے اٹھاتے ہوئے وہ حیرت

سے بولا۔

''تماشا تو اب لگے گا، اچھا ہوا تم وقت پہ آئے۔'' عروفہ کی آنکھوں میں وحشت بھری مکاری ناچ رہی تھی، جو رات کے اندھیرے میں ہیام کو ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی۔

''چھوٹے بھائی ہو، اس کا یہ مطلب نہیں، تمہاری غیرت کو بڑی بہنیں لتاڑ کر آگے بڑھ جائیں، آج تو وقت پہ پہنچے ہو۔''

''کیا بکواس ہے عروفہ!'' ہیام کا چہرہ تپ کر لال ہو گیا، اسے عروفہ کچھ ابنارمل لگی تھی۔

''بکواس تو اب اسٹارٹ ہوگی، بلکہ پوری فلم، ٹریلر تو گزر گیا۔'' اس نے تالی بجائی تھی، ہیام نے بمشکل ہی جھلاہٹ کو پیا تھا، سارے موڈ کا ستیاناس ہوتا دکھائی دے رہا تھا، گھر آنے کی خوشی جیسے ملیامیٹ ہونے لگی۔

''اب بول بھی چکو، میں بڑی دور سے سفر کر کے تھکا ہوا آیا ہوں۔'' ہیام کی بیزاری بڑھ گئی تھی۔

''وہ آیا تھا، شاہوار...... عشیہ کی احوال پرسی کے بہانے، تمہاری غیر موجودگی میں، لمبی میٹنگ ہوتی رہی۔'' عروفہ نے لہجے میں زہر بھرتے ہوئے چرکہ لگایا تھا، ہیام کا گھومتا میٹر رک گیا۔

''تو کیا ہوا؟'' ہیام کے الفاظ نے عروفہ کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

اس ''تو کیا ہوا؟'' کے آگے اب بھلا وہ کیا بولتی، ہیام کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی؟ عروفہ کا دماغ تنور کی طرح تپ گیا تھا۔

''وہ آئے دن ہمارے گھر آ جاتا ہے، کیوں؟ ہمارا دشمن ہے وہ تم اتنے پر سکون، کسی دن وار کر گیا تو پھر ہاتھ مسلتے رہنا۔'' عروفہ زہر خندسی بولتی چلی گئی تھی۔

''بڑی مہربانی بتانے کے لئے، جب وار کرے گا تو میں بھی جوابی وار کر لوں گا اور تم برائے مہربانی شیطانی خیالات سے اپنے ذہن کو پاک ہی رکھا کرو، واٹ ربش، وار کرے گا، جیسے میں نے چوڑیاں پہنی ہوئی ہیں اور جیسے وہ بھارت کی طرح حملہ آور ہونے والا ہے اور ہاں سن تو ایک بات دھیان سے، شاہوار ایسا نہیں ہے، وہ میری موجودگی میں آئے یا غیر موجودگی میں، مجھے یا میری فیملی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، تم اس فکر میں مت گھلو۔'' ہیام کا لہجہ آن کی آن میں نہایت روکھا اور خشک ہو چکا تھا، عروفہ کی آنکھیں ہی چڑھ گئی تھیں۔

''تم اپنے دشمنوں کو کب سے دوست سمجھنے لگے؟ بھول گئے جوان لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا؟''

''شاہوار نے نہیں کیا تھا اور اب بار بار یہ بات نہیں دہراؤں گا۔'' اس نے سرد لہجے میں بولتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔

''تم دونوں جو مرضی کرتے رہو، وہ جائز ہے، اگر ہم کریں تو ناجائز۔'' وہ ایک دم پلٹ کر چیخ پڑی تھی، ہیام رک گیا، ٹھہر گیا، اسے عروفہ کا چلانا نہایت ہی ناگوار گزرا تھا اور اس کے الفاظ بے حد زہریلے۔

''ہم دونوں کون سا غلط کر رہے ہیں؟ بتانا پسند کرو گی؟'' وہ شدید غصے کو دباتے ہوئے نپے

تنے قدم اٹھاتا عروفہ کے قریب آ گیا تھا، عروفہ کی روح ایک دم فنا ہوگئی، اس نے ہیام کی بے حد سرخ آنکھوں کو دیکھا اور سہم سی گئی، اس نے ہیام کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا، اسے اپنے غصے اور جلد بازی پر افسوس ہوا تھا۔

''یہ لڑکی......'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''ہاں......وہ لڑکی......نشرہ......تمہیں کیا کہہ رہی ہے؟'' ہیام نے لب بھینچ کر سرد لہجے میں پوچھا تھا۔

''وہ کس رشتے کے تحت......؟'' اس نے جی داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنا چاہا تھا مگر ہیام نے اس کی بات بیچ میں ہی اچک لی تھی۔

''ہاں......کس رشتے سے؟ رشتے کی وضاحت بھی ہو جائے گی، تم اپنے کام سے کام رکھو۔'' ہیام اسے وارننگ دینے والے انداز میں بولتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا اور عروفہ اپنی ہی لگائی آگ میں جل جل کر بھسم ہوتی رہ گئی تھی۔

''تم سب کو تو میں دیکھ لوں گی۔'' اس نے نفرت سے سوچا اور پاؤں پٹختی باہر صحن کے بیچ رکھے بینچ پر بیٹھ کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی اور وہ نہیں جانتی تھی کچھ آنسو بہت بیکار ہوتے ہیں، جتنے بھی بہا ڈالو، بے مول ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

''اچھا تو لوگ یہاں مراقبے میں مصروف بیٹھے ہیں۔'' ہیام کی اچانک آواز پہ عشیہ کے ہاتھ سے کپڑوں کا گٹھر زمین پہ جا گرا تھا، ہیام کی انٹری بھی کسی ولن کی طرح بالکل اچانک تھی، وہ بغیر بتائے آیا تھا، عشیہ سرپرائزڈ ہی رہ گئی تھی اور لگ رہا تھا وہ سیدھا اسے ڈھونڈتا یہیں آیا تھا، مورے اور نشرہ تو اپنے کمروں میں جا چکی تھیں اور عروفہ بھی منظر پہ نہیں تھی، وہ عشیہ کو تلاشتا سٹور روم میں آ گیا، بیگ ابھی تک کندھے سے لٹک رہا تھا۔

''میں صدقے......تم پھر پہنچ گئے، ابھی ایک مہینے میں چار دن باقی ہیں۔'' عشیہ نے اسے گھورتے ہوئے ساتھ لپٹایا تھا، ہیام کو اچانک دیکھ کر وہ سرتاپا خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

''سرکار نے چھٹی دے دی تو کیا ہسپتال کی صفائی کے لئے وہیں رک جاتا۔'' اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔

''لوگوں کو تو میرے آنے کی کوئی خوشی نہیں ہوتی۔''

''یہ بے پر کی کس نے اڑائی ہے؟ لوگوں کو آپ کے آنے کی بہت خوشی ہوگی، مگر خدارا ابھی دیدار مت کرائیے گا، میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گی۔'' عشیہ نے اس کا کان مروڑ ڈالا تھا۔

''ارے واہ جی، خطرات تو اس وقت سو رہے ہیں۔'' اس کا اشارہ مورے کی طرف تھا، عشیہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''ایک خطرہ ابھی جاگ رہا ہے۔'' اس نے ہیام کو دھمکایا تھا۔

''اجی......جانے دیجئے، وہ چھوٹے موٹے خطرات ہیں، ان کی ہمیں پرواہ نہیں۔'' اس نے کان پر سے مکھی اڑائی تھی، عشیہ اسے گھورنے لگی۔

''سدھر جاؤ ہیام اور ابھی کے ابھی اپنے کمرے میں جا کر منہ ہاتھ دھولو، میں کھانا نکالتی ہوں پھر باتیں بے شمار ہیں۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر، مگر ایک بات کہہ دیتے ہیں، آپ کو اس سے تکلیف دینے سے دل کو تکلیف ہوتی ہے، اجی آپ آرام کیجئے، کنیز خاص ہمیں کھانا نکال دے گی۔'' ہیام نے ایک آنکھ دبا کر شرارتاً کہا تھا، عشیہ نے اس کا پھر سے کان پکڑلیا۔

''کنیز خاص نے یہاں اپنا ایک سپورٹر ڈھونڈ لیا ہے۔'' عشیہ کپڑوں کی گانٹھ اٹھانے لگی، تو ہیام نے اسے روک دیا اور پھر گانٹھ اٹھا کر پلنگ پر رکھی، اب دونوں بہن بھائی کپڑے نکال نکال کر الگ کرتے ہوئے تہہ لگا رہے تھے۔

''ہیں؟ وہ بھلا کون؟''

''شاہوار خان۔'' عشیہ نے دانت ہی چبا ڈالے تھے، ہیام نے ڈرنے کی اداکاری کی۔

''اجی......اتنا غصہ؟''

''دھکے کا مہمان بن جاتا ہے، غصہ نہ آئے تو کیا آئے؟ کھانا، چائے سب کھا پی کر گیا ہے۔'' اس کا موڈ بگڑ رہا تھا۔

''تم نے کون سا شاہی خوان لگا دیا ہوگا اور نہ ہی تمہارے بجٹ کو اپ سیٹ کر گیا، بے چارے نے کتنا کھا لیا ہوگا اور ہمارے کھانے جیسا کھانا تو اس کے گھوڑے بھی نہ کھاتے ہوں گے، وہ تو مروت نبھا گیا ہوگا۔'' ہیام سچائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کپڑوں کی تہیں اٹھا اٹھا کر الماری میں جماتی تھیں، عشیہ نے لب بھینچ لئے۔

''اس کے گھر کے شاہی خوانوں پہ ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے، ہمارا حق سالوں سے غصب کیے بیٹھے ہیں، حلق میں انگلیاں ڈال کر نکالوں گی۔'' عشیہ کے ارادے بہت خطرناک تھے، ہیام لمحہ بھر میں ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''یاد رہے، ہمارا حق شاہوار نے نہیں غصب کیا، جس نے کیا ہے، اسے احساس تک نہیں اور بے حسوں اور ظالموں سے حساب نہیں لیتے، ان کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔'' اس نے بہن کے ہاتھ نرمی سے دبائے تھے، جیسے ایک حوصلہ، ایک ہمت دلاتا احساس۔

''اور ہم روکھی سوکھی کھاتے ہوئے سینکڑوں سے بہتر ہیں، تم نے یہ کبھی نہیں سوچا۔'' وہ ملائمت سے بول رہا تھا۔

''تم باتوں کی دلیل دے کر مجھے میرے ارادوں سے نہیں ہٹا سکتے۔'' عشیہ جھنجھلا اٹھی تھی، ہیام نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ ملائمت سے رکھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں، بس یہ یقین رکھو، مجھے اتنا اندازہ ہے، تم کچھ برا نہیں کرو گی، نہ اپنے ساتھ نہ شاہوار کے ساتھ۔'' وہ گانٹھ جھاڑ کر اٹھ گیا تھا، عشیہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی، جاتے سے وہ اس کا کندھا ہلا کر بولا تھا۔

''میں اسے جگا لیتا ہوں، کھانا نکال دے گی، اب تم آرام کرو، آخر بیمار ہو۔'' آخر میں آنکھ دبا کر شرارتی لہجے میں کہا تھا، عشیہ گھورتے گھورتے مسکرا اٹھی تھی۔

''بہت کمینی چیز ہو تم۔''
''جو بھی ہیں، اب تو اسی کے ہیں۔'' وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا، عشیہ سر ہلاتے ہوئے ہنستی رہی، کتنی دیر تک ہنستی رہی۔
''گلیوں میں تازگی اور دم تمہی سے ہے، ہاں ہیام زندگی میں ترنگ تمہی سے ہے۔'' اس کا دل اپنے بھائی کی محبت سے لبریز ہو گیا تھا، اس نے بے ساختہ ہیام کے لئے اس کی خوشیوں اور سلامتی کے لئے دعا کی تھی۔

☆☆☆

ذات کی تنہائی میں کوئی نہیں ہوتا شریک
اپنی اپنی خامشی اور اپنا اپنا شور ہے

وہ کھڑکی سے باہر پھیلی خاموشی میں بھیگتی اداسی کو دیکھ کر اداس ہو رہی تھی، ایک خوبصورت یام کے گزر جانے کے بعد دل بہت اداس ہو رہا تھا۔
شام کے سمے جب شاہوار بھائی کے ساتھ سب ہنس بول رہے تھے تب اسے ہیام کی بہت کمی محسوس ہو رہی تھی اور ابھی تو پورے چار دن پڑے تھے اور چار دن اتنے طویل لگ رہے تھے، جانے کیسے تمام ہوتے اور ابھی وہ ہیام کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی جب ہلکے کھٹکے سے دروازہ کھلا اور بند ہوا، وہ اپنے خیالوں میں ایسی گم تھی کہ ذرا نہ چونکی، یہاں تک کوئی اس کے اتنا قریب پہنچ گیا تھا اور دوسرے ہی پل وہ کسی کے مضبوط بازوؤں میں بری طرح سے مچل رہی تھی۔
''یا خدا......'' اس کی بھیانک چیخ لبوں کے اندر ہی دم توڑ گئی تھی۔
''تم تو رومانس بھی کرنے نہیں دیتی، اپنا بھونپو چلا دیتی ہو، کسی دن مروا ڈالو گی۔'' ہیام کی زندگی سے بھرپور آواز اس کی سماعتوں کو دیوانہ کر گئی تھی، اس نے بے ساختہ گردن گھمائی تو ہیام کے چہرے سے اسے کے گال ٹکرا گئے تھے، اوپر سے ہیام کی گستاخیاں، وہ شروع ہوا تو پھر رکا ہی نہیں، نشرہ مارے حیاء اور جھلاہٹ کے لالوں لال ہو گئی تھی۔
''ہیام! رکو تو......اوف کوئی آ جائے گا۔'' وہ بے ساختہ دبی دبی آواز میں مزاحمت کرتی رہی مگر بے سود۔
''یہ مہینے بھر کی اداسی ہے، جاتے جاتے ہی جائے گی۔'' وہ اس کے چہرے پہ جھکا رہا، نشرہ کی مارے حیاء کے آنکھیں ہی بند ہو گئیں، شرم سے رخسار تپ رہے تھے۔
''بہت دن لگا دیئے ہیام۔'' اس کے لبوں پہ شکوہ بے ساختہ آ رکا تھا، ہیام اپنی ''مصروفیت'' میں لمحہ بھر کے لئے وقفہ دے کر بولا۔
''ابھی تم کہہ رہی تھی، مہینے سے پہلے نہ آنا، ورنہ میرے پاس بہانے بہت، میں تو ہر ویک اینڈ پہ پہنچنے پہ بھی تیار تھا، تم بلاتی تو سہی۔'' وہ فدا ہوتی نظروں سے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔
''میرے علاقے کی شفاف فضاؤں میں کتنا نکھر گئی ہو تم واؤ، یہ تم پرانی نشرہ ہو، میلی میلی سی۔'' ہیام اس کے گالوں کو کھینچتا دلکشی سے مسکرایا تھا، نشرہ نے اس کے کندھے پہ مکا جڑا۔
''میلی تو میں کسی زمانے میں نہیں تھی۔''

''ہاں، جیسے مجھے تو پتا ہی نہیں۔'' وہ برجستہ بولا۔
''تم سے زیادہ گوری ہوں۔'' نشرہ اترائی تھی۔
''کروالو مقابلہ حسن، میں جیتا نا تو کہنا۔'' ہیام نے کالر کھڑے کیے تھے، وہ موقع پا کر اس کے بازوؤں کے شکنجے سے نکل آئی تھی مگر ہیام نے اسے موقع پا کر بھاگنے نہ دیا، دوبارہ قابو کر لیا تھا وہ مچل اٹھی تھی۔
''ہیام...... سنو۔'' وہ مدہم آواز میں بولی تھی۔
''آں، ہاں سنا ڈالو۔'' ہیام قربان ہونے لگا۔
''اب بس کرو۔'' وہ اس کے سینے پہ دونوں ہاتھ کا دباؤ ڈالتی ہوئی بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔
''اس کے علاوہ کچھ اور کہو۔'' ہیام ابھی بڑے موڈ میں تھا، سو دل کھول کر لگا رہا، یہاں تک کہ عشیہ کی دستک پہ اچھل کر دور ہٹا تھا اور پھر دوسرے ہی پل کمرے سے غائب، نشرہ ہنس ہنس بے حال ہو گئی تھی، کیونکہ عشیہ باہر جوتا پکڑ کر کھڑی تھی اور ہیام کی درگت بنتی دیکھنا بھی ایک الگ ہی مزیدار تجربہ تھا۔
''ہاں ہاں ہنس لو میرے حال پر، کبھی آ جائے گی تمہاری باری۔''

☆☆☆

کبھی تو آؤ
اور آ کے دیکھو
نظارہ میری آرام گاہ کا
ہجر کا بستر
دکھوں کی چادر
جفا کا تکیہ
نہ نیند آئے
نہ چین آئے
سلگتی آنکھیں
دہکتے آنسو
جو خواب دیکھیں
وہ ٹوٹ جائے
تھکن بہت ہے
جلن بہت ہے
ادھورے پن کی
چبھن بہت ہے
نہ کار دنیا

نہ کوئی چارہ ہے
کوئی عذر نہ
کوئی بہانہ
عجیب کشمکش سی ہلچل
جس نے رت میں تشنہ بادل
تیرگی ہے، خامشی ہے
نیند کی مجھ سے دشمنی ہے
بدلتے پہلو ہیں، رات گزرے
سویرا کا جب ظہور ہوگا
ایک اور شب کا انتظار ہوگا
اور دور تک اس کی آنکھوں میں نمکین دھند کا غبار پھیلا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں گنہ گار پہاڑی کے پیچھے ان کتبوں پہ جمی تھیں جن کے اوپر ردھا اور فرخزاد کے نام لکھے تھے۔
''اور اس دن ردھا کی سالگرہ تھی، سرخ گلابوں کے موسم میں اور فرخزاد کو تحفہ خریدنا تھا، اس نے گھوڑے کی کاٹھی پہ مجھے بٹھایا اور ایڑھ لگائی، ہم گلگت کے مین بازار پہنچ چکے تھے۔'' وہ بھیگ پرنم آواز میں بول رہا تھا اور اس کے آس پاس گلگت کے بازار کا شور ابھی تک گونج رہا تھا، جہاندار بیزار تھا، اچھا بھلا گیم کھیل رہا تھا، فرخزاد نے اٹھالیا۔
''چل جہانی! آج تیری چوائس کا امتحان ہے۔'' اس کے نم نم چہرے پہ اوائل جوانی کا رواں بھیگ رہا تھا، گال سرخ تھے، شاید کسی احساس کے تحت، جہاندار اس وقت جذبوں کو سمجھنے کی عمر میں نہیں تھا، وہ سمجھ نہیں سکا، فرخزاد کو اوائل محبت کی خوشبو نے اتنا معطر کر رکھا تھا۔
''کیوں جی...... میرا کیوں امتحان؟'' وہ سجی سجائی دوکانوں کو بیزاری سے دیکھ رہا تھا۔
''ابھی بتائے دیتے ہیں، تم آؤ تو سہی۔'' فرخزاد نے اچک کر اسے گھوڑے سے اتروایا اور دونوں ایک خوبصورت زیورات کی دوکان میں آچکے تھے۔
''لالہ! تم نے لینا کیا ہے؟ اب تم عورتوں کے زیورات پہنا کرو گے۔'' جہاندار نے ناک بھوں چڑھا کر پوچھ رہا تھا۔
''ابے گدھے، چپ کر۔'' فرخزاد نے اسے ڈپٹ کر کہا۔
''کیا اماں کو دو گے؟'' جہاندار سے رہا نہیں گیا تھا، ایک مرتبہ پھر بول اٹھا، جہاندار سے یہی امید تھی، اسے کون چپ کرواتا، مسلسل بولتا ہی رہا۔
کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں فرخزاد کو ایک بریسلیٹ پسند آیا تھا وہ بھی جہاندار نے ہی منتخب کیا، جو فرخزاد کو بھا گیا، اللہ اللہ کرے انہوں نے پے منٹ کی اور باہر نکل آئے۔
''اب بتا دو لالہ! یہ کس کے لئے خریدا۔'' گھوڑے پر بیٹھتے ہی جہاندار نے مچل کر پوچھا تھا۔
''ابھی پتا چل جائے گا، تجھے بہت بے چینی ہے، چپ نہیں بیٹھ سکتا۔'' فرخزاد کے ڈانٹنے پہ وہ

منہ بسور کر چپ ہو گیا تھا۔

پھر جب سرخ گلابوں کے گلدستے سمیت وہ گنہ گار پہاڑی کے پیچھے بہنے والے جھرنے کے پاس پہنچے تو جہاندار کو کوئی سوال پوچھنا ہی نہیں پڑا تھا، سارے سوالوں کے جواب اس لڑکی کی گلاب آنکھوں میں چھپے تھے، جس کا نام ماں نے ودھا رکھا تھا، مگر وہ بڑے خوبصورت نام والی ودھا بڑی بدنصیب تھی۔

اس خوبصورت سہ پہر ودھا کی سالگرہ منائی گئی تھی، گنہ گار پہاڑی کے پیچھے یعنی پچھواڑے میں اور اگلواڑے میں اسی جگہ ودھا کی قبر بنی تھی، کیسی بدنصیبی تھی اور اس وقت ودھا بہت خوش اور سرپرائزڈ تھی، شاید اس کی سالگرہ کسی نے کبھی نہیں منائی تھی، وہ بار بار یہی کہتے۔

''یہ سہ پہر میری زندگی کی سب سے حسین سہ پہر ہے۔'' اور اس سہ پہر کے علاوہ کوئی اور سہ پہر اس کی زندگی میں اتنی خوبصورتی سے کبھی نہیں اتری تھی اور انہوں نے بہت باتیں کیں، دنیا جہاں کی باتیں اور بہت ساری مسکراہٹیں۔

اور وہیں اسی منحوس گھڑی صندیر خان کا وہاں سے گزر ہوا تھا، جہاندار کو یاد پڑتا تھا، وہ جمعرات کی سہ پہر تھی اور صندیر اپنی ماں کی قبر پہ فاتحہ خوانی کے لئے آیا تھا، ودھا کی آواز اور ہنسی کی گنگناہٹ نے اسے منجمد کر دیا تھا، وہ رکا اور پھر لمحہ بھر کے لئے فریز ہو گیا۔

ودھا فرخزاد کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟ اور سرخ گلاب، ودھا کی کلائی میں چمکتا بریسلیٹ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں پھوٹنے لگی تھیں۔

ودھا کو فرخزاد کے ساتھ دیکھنا کوئی معمولی بات نہیں تھی، یہ ایک قیامت کی گھڑی تھی اور صندیر اس وقت ناسمجھ لڑکا تھا، جذباتی، غصہ ور، اکھڑ، اس سے برداشت نہ ہوا اور آگ بگولہ ہو کر تیز قدموں سے پہاڑی اترنے لگا۔

اور دوسرے ہی پل اس کے ہاتھ فرخزاد کے گریبان پر تھے اور ساتھ ودھا کی چیخیں، جہاندار خوف کے عالم میں دور کھڑا لرزتا رہا، شاید صندیر خان نے اسے دیکھا ہی نہیں تھا، یا پھر فرخزاد اور ودھا کے علاوہ اسے کچھ اور دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔

''تم حرام زادی، یہاں کیا کر رہی ہو؟ ہمارے دشمن کے لڑکے کے ساتھ۔'' صندیر کی آواز زخمی بھیڑیئے کی طرح پربتوں میں گونجی تھی۔

''دیکھ خان! آرام سے بات کر، عزت کے ساتھ، گالی دینی مجھے بھی آتی ہے۔'' فرخزاد نے تحمل سے جواب دیا تھا، حالانکہ اس کا مزاج بھی صندیر خان سے کم نہیں تھا مگر وہ بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

''تم میرے معاملے میں مت بولو، تم سے تو بعد میں نمٹوں گا، ابھی ودھا کو اپنی خیر منانے دو۔'' وہ گالیاں بکتا اپنے آپے میں نہیں لگ رہا تھا۔

اور پھر بات بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی پہ اتر آئی، دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے تھے، کچھ لوگوں نے بیچ بچاؤ کروا دیا تھا اور صندیر خان ودھا کو لے کر چلا گیا اور اس شب فرخزاد کو پوری رات نیند نہیں آئی۔

''اگر اس نے ودھا کو ہاتھ لگایا تو اس کے ہاتھ توڑ ڈالوں گا۔'' وہ مٹھیاں بھینچتا پوری رات بالکونی پہ ٹہلتا رہا اور پوری رات جہاندار کرسی پہ بیٹھا دعائیں کرتا رہا۔

''اللہ ودھا کو کچھ بھی نہ ہو، ورنہ فرخی تباہی لے آئے گا۔''

''دیکھ جہانی! میرا وعدہ ہے ودھا سے اس کا خون بہانے والا بھی زندہ نہ رہے گا، وہ مری تو زندہ میں بھی نہیں رہوں گا اور مجھے لگتا ہے اس فسادی نے دیکھ لیا ہے، اب خیر کی خبر نہیں آنے والی۔'' فرخزاد کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔

خیر کی خبر کہاں سے آتی۔

ودھا کا نشان بھی نہیں تھا، اس پہ پابندی لگ چکی تھی، گھر پہ اس پر پہرے لگا دیئے گئے تھے اور ادھر فرخزاد تڑپ رہا تھا اور تب ہی اماں نے اس کے بدلتے مزاج کی بو کو پالیا تھا، اماں نے فرخی سے کہا۔

''میرا دل ہے، تم بابا یا بڑے بھائی کے پاس نکل چلو، میرا دل گھبراتا ہے۔''

''آپ کا دل بلڈ پریشر ہائی ہونے کی وجہ سے گھبراتا ہے، میں نہیں جانے والا کہیں بھی، آگے پولو کا سیزن ہے، مجھے پریکٹس بھی کرنا ہے، کیسے جا سکتے ہوں میں۔'' فرخزاد نے صاف جواب دے دیا تھا۔

''وہ ودھا کو چھوڑ کر کیسے چلا جاتا؟ اس نے ودھا سے وعدہ کر رکھا تھا، ساتھ آئے نہیں تھے، ساتھ جائیں گے ضرور۔'' جہاندار کی بھیگی آواز میں درد کا طوفان امڈ رہا تھا، سرخ گلابوں پہ جیسے اوس گرنے لگی تھی، نیل بر کا دل دکھ کے احساس سے لبالب بھر گیا۔

وہ اس کی پشت کو دیکھتی قریب آئی تھی، پھر اس نے جہاندار کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیا اور نم آواز میں بولی۔

''پھر کیا ہوا تھا جہاندار؟'' اس کے آنسو گلاب گالوں پر ٹپ ٹپ کرنے لگے، جہاندار چونک گیا، وہ اس کی پشت سے لپٹ کر رو رہی تھی۔

ایک فرہنگن کی بیٹی، ایک بے حس سنگ دل، جابر باپ کی اولاد اور اس کے آنسو؟ جہاندار کی پشت بھیگتی رہی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا اور نیل بر کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا، اب وہ کھل کر رو رہی تھی، اونچی آواز میں، جیسے ابھی ابھی بٹو محل سے نیل بر کی چچازاد بہن ودھا کا جنازہ اٹھا ہو اور ہر طرف صف ماتم بچھی ہو ہر آنکھ پرنم ہو اور ہر دل سوگ سے بھرا ہوا رو رہا ہو۔

''پھر کیا ہوا تھا؟'' جہاندار کی سوز بھری آنکھوں میں سوگ پھیلنے لگا تھا، وہ غیر ارادتاً نیل بر کی پشت اور سر کو سہلاتا کچھ دیر کے لئے پھر سے ماضی کے دھندلکوں میں کھونے لگا۔

(باقی اگلے ماہ)

سعدیہ عابد

"دولہا کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔" شادی ہال سے گاڑیاں آگے پیچھے نکلی تھیں سب سے آگے دولہا کی گاڑی تھی جو حادثہ کا شکار ہو گئی تھی، ایک افراتفری سی مچ گئی تھی، موٹر سائیکلوں پر سوار نوجوان رشتہ دار گاڑی کی طرف بھاگے تھے، کوسٹر میں ایک دم ہی کہرام مچ گیا تھا، جیسے تیسے زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا گیا تھا، ہاسپٹل میں بھی معمول سے زیادہ رش لگ گیا تھا، کچھ مہمان گھر جانے کے بجائے ہاسپٹل چلے آئے تھے، دولہا کی کار میں کل پانچ افراد تھے، دولہا جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا، دولہا کا دوست جو گاڑی چلا رہا تھا جبکہ پچھلی سیٹ پر دلہن کے ساتھ دولہا کی بہن اور بھابھی موجود تھیں، تینوں خواتین کو معمولی چوٹیں آئی تھیں جبکہ دولہا اور دوسرے دوست آئی سی یو میں تھے، جس کی غلطی کے باعث دولہا کی گاڑی حادثہ کا شکار ہوئی تھی وہ گاڑی بہت تیز ی

ناولٹ

میں آگے بڑھ گئی تھی، سب ہی پریشان تھے اور دولہا اور اس کے دوست کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے تھے، دلہن کے ماتھے پر پٹی بندھی تھی اور وہ ویٹنگ روم میں ہراساں چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی، چند گھنٹے قبل ہی تو اس کے تن پر ارمانوں بھرا سرخ جوڑا سجا تھا، کتنے خواب دیکھے تھے اور یکدم اس کے سارے ارمان بکھر گئے تھے، وہ بینچ پر آنے والے وقت سے ہراساں بیٹھی تھی، دلہن کے میکے میں اطلاع کر دی گئی تھی اس کے ماں باپ ہاسپٹل پہنچ گئے تھے، دلہن ماں کے کاندھے سے لگی بلک اٹھی تھی، آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا سب ڈاکٹر کی طرف لپکے تھے، ڈاکٹر نے دولہا کے دوست کی نئی زندگی کی نوید دی تھی اور اسے پرائیوٹ روم میں شفٹ کرنے کی نوید سناتا آگے بڑھ گیا تھا، دوسرے پیشنٹ کے متعلق ڈاکٹرز ابھی کچھ کہنے سے قاطر تھے، فجر کی اذانیں ہونے

لگی تھیں اور موذن کی صدا ''اللہ اکبر'' کے ساتھ ہی آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا۔

''آئی ایم سوری، ہم آپ کے پیشنٹ کو نہیں بچا سکے۔'' ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں کہتا آگے بڑھ گیا تھا، دلہن بکھر گئی تھی، دولہا کی ماں کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا وہ دھاڑیں مار رہی تھی، بہن اور بھائیوں کا بھی برا حال تھا، وہ سرخ جوڑے میں سجی سنوری چاند سی دلہن تیورا کر زمین پر آ رہی تھی، اس کی خوشیوں کو گرہن لگ گیا تھا، وہ سہاگ کی خوشبو محسوس کیے بناء ہی چند گھنٹے قمبر عالم کی منکوحہ رہنے کے بعد بیوہ ہو گئی تھی، قسمت کی اس ستم ظریفی پر ہر آنکھ اشکبار تھی، چند گھنٹے قبل اس نے سرخ جوڑا پہنا تھا، قمبر عالم کے ساتھ ہی اس کے تن پر بھی سفید جوڑا سجا دیا گیا تھا، سرخ ارمانوں بھری چوڑیاں باز اتار لی گئی تھیں، سرخ بیل بوٹوں سے سجے ہاتھ سیاہ لکیروں میں الجھے ایسے سیاہ بخت، سبز قدم بنا گئے تھے، جس گھر کی دہلیز کو اس نے قمبر عالم کی بیوی کی حیثیت سے عبور کی تھی، آہیں تھیں، کراہیں تھیں، زندگی ختم ہو گئی تھی باقی صرف زندگی کے جھمیلے رہ گئے تھے، واری صدقے جانے والی ساس منحوس کہہ کر دھتکار گئی تھیں، خاندان بھر میں الگ چہ مہ گوئیاں ہو رہی تھیں، وہ قمبر عالم کے مردہ چہرے کو دیکھ کر سسک رہی تھی کانوں میں اس زندہ شخص کی آواز تھی۔

''تم مجھ سے ہر وقت لڑتی رہتی ہو پری۔'' جھنجلا کر کہا گیا تھا۔

''آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں۔'' وہ جھینپ کر بولی تھی۔

''کیسی باتیں کرتا ہوں، چند رومانوی جملوں پر تم آئیں بائیں شائیں کرنے لگتی ہو، ہر رات لڑتے ہوئے ہی گزرتی ہے، یوں ہی چلانا ہے تو میں تمہیں کال کرنا چھوڑ دوں گا۔'' شرارت سے کہتے ہوئے بات کے اختتام تک دھمکی لگائی تھی۔

''یہی مناسب ہے آپ مجھے کال کرنا چھوڑ دیں۔'' وہ سرخ پڑتی منمنائی تھی۔

''تمہاری ان باتوں سے تو لگتا ہے ہماری شباب زماف بھی لڑتے ہوئے ہی گزرے گی۔'' وہ قدرے جھنجلا کر بولا تھا۔

''آپ کی یہی فضول گوئی مجھے لائن ڈراپ کرنے پر مجبور کرتی ہے اور آپ پھر خفا ہوتے ہیں کہ میں بات نہیں کرتی۔'' وہ سرخ پڑتی منمنائی تھی اور وہ زبردست قہقہہ لگا گیا تھا۔

''تم بس لائن مت کاٹا کرو، لائن پر رہا کرو یار کہ میرا تو بس یہی ماننا ہے کہ لڑن رات ہو وچھڑن رات نہ ہو۔'' نہایت شوخی سے دو معنی لہجہ میں کہا گیا تھا، پر یہاں کی ہچکیاں بلند ہو گئی تھیں۔

''کلمہ شہادت'' کی صدا بلند ہوئی تھی اور وہ خیالوں سے باہر نکل آئی تھی، جس کی ڈولی میں بیٹھ کر آئی تھی اس کا ڈولا رخت سفر باندھ چکا تھا، فضا میں آہوں کراہوں سسکیوں کی آواز میں بلند ہوتی ''کلمہ شہادت'' کی صدا پر وہ جنازے کے پیچھے لپکی تھی اسے چند خواتین نے پکڑ لیا تھا۔

''میں تو بس یہی چاہتا ہوں پری کہ تم مجھ سے لڑتی رہا کرو کہ لڑنے میں بھی زندگی کے رنگ ہیں، پیار کی کھلکھلاہٹیں ہیں، میں تو بس تم سے بچھڑنے سے ڈرتا ہوں۔'' جنازہ گھر کی دہلیز سے پار نکلا تھا کانوں میں قمبر عالم کا لہجہ گونجا تھا۔

''قمبر......!'' وہ چیخی، زمین بوس ہوئی اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اسفر عالم کا تعلق متوسط طبقے سے تھا، تین

بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے، تینوں بہنیں شادی شدہ تھیں، دو ملک سے باہر تھیں اور ایک یہی کراچی میں مقیم تھی، اسفر عالم کی شادی ان کی خالہ زاد نورین سے ہوئی تھی، ان کے دو بیٹے احمر عالم اور قمبر عالم تھے اور ایک ہی بیٹی سامعیہ تھی، احمر عالم سب سے بڑا تھا اس کی شادی ہوگئی تھی، ایک بیٹا جو کہ ڈھائی سال کا تھا، قمبر عالم کا دوسرا نمبر تھا اس نے انجینئرنگ کی ڈگری لی تھی اور ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا، بھائیوں سے چھوٹی سامعیہ انٹر کی طالبہ تھی۔

اسفر عالم کا اپنا کپڑے کا کاروبار تھا، احمر عالم نے محض انٹر تک تعلیم حاصل کر کے کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا اور اس کی مناسب وقت پر شادی بھی کر دی گئی تھی ان کا گھرانا کافی خوشحال تھا، انہیں کسی قسم کی تنگی نہ تھی اور دلوں میں رشتوں کا احساس اور محبت الگ جاوداں تھی۔

قمبر عالم کو اپنی پھپھو زاد پریہان احمد سے بے حد محبت تھی، محبت تو پریہان کو بھی قمبر سے بے پناہ تھی، پریہان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی، احمد علی کالج میں لیکچرار تھے اور ان کی اہلیہ مہرین ایک گھریلو خاتون تھیں، دونوں بچوں کی رضا مندی دیکھتے ہوئے ان کی شادی طے کر دی گئی تھی، دونوں ہی بہت خوش تھے، پریہان نے گریجویٹ کیا تھا، ایم اے کا ارادہ تھا جو قمبر کے آناً فاناً شادی کی تاریخ فکس کروا لینے کے باعث ارادہ ہی رہ گیا تھا، دونوں گھرانوں میں شادی کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھیں، پریہان ایک سادہ مزاج کی نہایت سنجیدہ لڑکی تھی، جبکہ قمبر شوخ و بذلہ سنج نوجوان تھا، جس کے دم سے اس کے گھر میں رونق تھی اور وہ پریہان کو بھی تنگ کرتا تھا اور شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد تو اس کی شوخی کئی گناہ بڑھ گئی تھی اس کے اندر کا رومان پرور قمبر عالم پوری طرح بیدار ہو گیا تھا، وہ روز رات گئے پریہان کو کال کرتا تھا اسے چھیڑتا تھا وہ تنگ آ کر زچ ہو کر شرمائی، لجائی لائن ہی ڈراپ کر دیتی تھی وہ لگاتار میسجز سینڈ کرنا شروع کر دیتا تھا ہر میسج میں مستقبل کے خواب رومانوی شاعری وہ تو بس قمبر کے اس روپ سے ہی گھبراتی رہتی تھی اور مایوں کی شب کتنی حسین تھی ہر طرف بکھرے رنگ، ابٹن اور مہندی کی مہک اور پر سے سب سے نظر بچا کر قمبر کے شوخ جملے وہ اپنی قسمت پر نازاں ہوئی جا رہی تھی، تقریب کے اختتام سے محض آدھا گھنٹہ بعد اس کی کال آ گئی تھی، پریہان نے ریسیو نہیں کی تھی لگاتار میسج آنے لگے تھے اس نے کال ریسیو کر لی تھی، وہ اس سے لڑنے لگا تھا اس کے شوخ جملے پریہان کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہے تھے مگر قمبر کا بھی اپنا ہی انداز تھا، وہ اس سے لڑتا، اسے مناتا مستقبل کے خواب سجا رہا تھا، پریہان کہتی ہی رہ گئی تھی کہ کل شادی ہے یوں بات کرنا بھی مناسب نہیں، مگر وہ کہاں اس کی سن رہا تھا، اس کا بس یہی کہنا تھا ''لڑن رات ہو وچھڑن رات نہ ہو'' وہ اس سے کہہ رہا تھا اسے جتنا لڑنا ہو لڑے، اپنے دل کی بات اسے بتائے، کہ وہ اپنی محبت میں ذرا بھی دوری برداشت نہیں کر سکتا، قمبر کے محبت بھرے جملوں پر وہ حیاء سے سرخ پڑتی خوش تھی اپنی آنے والی زندگی سے مطمئن تھی۔

☆☆☆

شادی کے دن کا سورج طلوع ہوا تھا، ہر طرف گہما گہمی تھی، رنگ برنگے ملبوسات، چوڑیاں، مہندی کی خوشبو لٹاتے ہاتھ، مسکراہٹیں، کھلکھلاہٹیں، تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا تھا، قاضی صاحب نے نکاح کی کارروائی ہوئی، وہ

شرعی طور پر ایک دوسرے کو قبول کر گئے تھے
پر یہان احمد نکاح کے تین بولوں سے پر یہان قمبر
بن گئی تھی وہ دونوں بہت خوش تھے، رخصتی کے
وقت وہ ماں باپ سے بچھڑنے کے فطری احساس
کے تحت بہت روئی تھی، وہ ماں باپ اور کئی ایک
رشتہ داروں کی دعاؤں کے سائے میں قمبر عالم
کے ساتھ رخصت ہوگئی تھی، کا[illegible] رفتار سے
آگے بڑھ رہی تھی کہ رونگ [illegible] سے بے حد تیز
رفتار کار ان کے کار سے ٹکرا[illegible]، فضا میں چیخوں
کی آواز بلند ہوئی تھی، ان دونوں کو ہی اندازہ نہ
تھا کہ قسمت ان کے ساتھ یہ کرنے والی ہے عین
وصل کی رات رہ بچھڑ جائیں گے، قمبر عالم جو
پر یہان سے بچھڑنے سے ڈرتا تھا وہ زندگی سے
ہی بچھڑ گیا تھا، وہ تو دنیا سے ہی چلا گیا تھا اور اس
کی زندگی کے ساتھ ہی پر یہان کی زندگی بھی جیسے
ختم ہوگئی تھی، ایک قبر میں اتر گیا تھا اور ایک زندہ
درگور ہوگئی تھی۔

☆☆☆

''اشھل! کیا ہوا ہے تم اتنے ڈرے ہوئے
کیوں ہو؟'' وہ جو کافی دیر سے لان میں بے
قراری سے ٹہلتا چھوٹے بھائی کے آنے کا انتظار
کر رہا تھا جب وہ آیا تھا تو اس کے حسین چہرے
پر ہراس اور ماتھے پر شبنمی قطرے دیکھ کر وہ بے
قراری سے سوال کر گیا تھا اور اس کے سوال کے
جواب میں اشھل گردیزی نے جو کچھ کہا تھا وہ سن
کر انجل گردیزی اپنا دماغ چکراتا ہوا محسوس ہوا
تھا۔
''بھیا! میری کار سے ایک ایکسیڈنٹ ہوگیا
ہے۔'' لمحہ بھر کو تو انجل گردیزی کچھ سمجھ ہی نہیں پایا
تھا اور جیسے ہی حواس کام کرنے لگے تھے وہ اس
سے تفصیل پوچھ گیا تھا اور وہ بات کر ہی رہے تھے
کہ بیل بجی تھی اور پولیس اہلکار داخل ہوگئے تھے،
انجل گردیزی کے ایک اشارے پر اشھل اندر کی
طرف بڑھ گیا تھا۔
''ہم معذرت خواہاں ہیں گردیزی صاحب
اتنی رات میں آپ کو ڈسٹرب کرنے کے لئے
لیکن ہماری مجبوری تھی۔'' ایس پی ندیم عباس نے
انجل گردیزی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔
''اب تو آپ پریشان کر چکے ہیں ایس پی
ندیم۔'' اس کا سرد لہجہ ایس پی کو خواہ مخواہ میں
شرمندہ کر گیا تھا۔
''اشھل گردیزی کی کار سے ایکسیڈنٹ ہوا
ہے۔'' ایس پی نے کہنا چاہا تھا۔
''کیا ثبوت ہے آپ کے پاس۔'' انجل
گردیزی نے بات قطع کر دی تھی اور ایس پی نے
تمام تفصیل سے انجل گردیزی کو آگاہ کر دیا تھا،
کسی نے نہایت سمجھداری کا ثبوت دے کر اشھل
گردیزی کی کار کا پیچھا کر کے گاڑی کا نمبر نوٹ
کر لیا تھا اور جس وقت قمبر عالم کو آئی سی یو میں
شفٹ کیا گیا تھا، پولیس کیس کہہ کر پولیس کو
اطلاع کر دی گئی تھی، ضروری کاروائی کے بعد وہ
گردیزی مینشن چلے آئے تھے۔
''دیکھو ایس پی! ایکسیڈنٹ اشھل کی کار
سے ہی ہوا ہے مگر تم اس بات کو یہی دبا دو۔'' انجل
گردیزی نے بلا چوں چرا اپنے بھائی کا جرم قبول
کیا تھا کہ وہ اپنی طاقت سے بہ خوبی واقف تھا۔
''لیکن گردیزی صاحب!''
''لیکن ویکن کچھ نہیں ایس پی ندیم! راتوں
رات کار کی نمبر پلیٹ چینج ہو جائے گی، باقی جو
ثبوت اشھل کے خلاف جائیں انہیں مٹانا آپ کا
کام ہے۔'' وہ ایس پی ندیم کو کچھ کہنے کا موقع
دیئے بغیر فیصلہ سنا گیا تھا۔
''اب آپ جا سکتے ہیں، یہ میرے آرام کا
ٹائم ہے آپ پہلے ہی بہت میرے آرام میں خلل

ڈال چکے ہیں شب بخیر۔" وہ اپنے مخصوص سرد انداز میں کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا لان عبور کر گیا تھا اور ایس پی ندیم کے وہاں ٹھہرنے کا جواز ہی ختم ہو گیا تھا وہ وہاں سے نکلا تھا اور وہی کیا تھا جو اسے کرنے کو اجمل گردیزی نے کہا تا، اجمل گردیزی بھائی کے کمرے میں آ گیا تھا اسے چند دن گھر سے نکلنے اور دوستوں سے ٹیلی فونک رابطہ نہ کرنے سے منع کر دیا تھا اور اپنے کمرے میں آ گیا تھا، اجمل گردیزی کا اپنا لیدر کا بزنس تھا، یہ دو بھائی تھے، والدین وفات پا چکے تھے، اجمل گردیزی کی عمر لگ بھگ چھتیس سال تھی اس نے اب تک شادی نہیں کی تھی، اشعل یونیورسٹی کا طالب علم تھا، اجمل گردیزی مجموعی طور پر ایک اچھا انسان تھا مگر وہیں تک جہاں تک اس کے اپنے مفادات کو ٹھیس نہیں پہنچتی تھی اور سب سے بڑھ کر اس کی جان اس کا بھائی اشعل گردیزی محفوظ ہوتا تھا، وہ بھائی کے لئے کچھ بھی کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتا تھا، اجمل گردیزی کے لئے اگر زندگی کا کوئی مقصد تھا، جس کے لئے وہ جی رہا تھا تو وہ اشعل گردیزی تھا، اشعل کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرنا، اس کی غلطیوں پر پردہ ڈالنا اجمل گردیزی کے بائیں ہاتھ کا کمال تھا، اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ ایکسیڈنٹ کا کیس دبانا اتنا آسان نہیں ہو گا اور صبح ہوتے ہی اسے قمر عالم کی موت کی خبر مل گئی تھی، اب اس کیس کو بند رکھنا اس کے لئے مشکل تھا، مگر ناممکن نہیں اس نے اپنے تمام تعلقات استعمال کر کے اس کیس کو با آسانی دبا یا تھا، اس نے قانون کی جیبیں گرم کر دی تھیں اور کسی بھی قسم کی خراب صورتحال سے بچنے کے لئے اشعل گردیزی کو ملک سے باہر بھیج دیا تھا، یکدم ہونے والی ہلچل ایکدم ہی سکوت کا شکار ہو گئی تھی، اس نے اپنے ذرائع اپنی طاقت کو استعمال کر کے اپنے بھائی کو بچا لیا تھا، اس نے یہ تک سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ اس کے بھائی کی غلطی کی وجہ سے اس کے بھائی کی لاپرواہی کی وجہ سے جو نوجوان زندگی کی بازی ہار گیا اس کے اپنوں پر کیا بیت رہی ہے، اس نوجوان کی جواں موت پر اس کی ماں اور باپ کا کیا حال ہے، بہن کیسے آنسو روک رہی ہے اور وہ لڑکی جو چند گھنٹوں بعد ہی بیوہ ہو گئی اس کا کیا ہو گا، وہ اپنی خوشیوں کو اپنے بھائی کی زندگی کو طاقت اور پیسے کے بل پر خریدتا قمر عالم کے گھرانے کے لئے اداسیاں اور موت خرید چکا تھا۔

☆☆☆

"پلیز مامی! مجھے اس گھر سے نہ نکالیں، یہ میرے شوہر کا گھر ہے۔" قمر عالم کا سوئم ہو گیا تھا جو رشتہ دار باہر شہروں سے آئے ہوئے تھے وہ شادی کے ہنگاموں کی جگہ موت کا سناٹا برداشت کرتے ولیمہ کی جگہ قمر عالم کے جنازے وسوئم کا کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے، اب گھر میں صرف گھر والے ہی رہ گئے تھے، قمر عالم کی ماں نوین عالم نے پریہان کو اس گھر سے چلے جانے کو کہہ دیا تھا اور اس کے اصرار پر باقاعدہ دفعہ ہو جانے کا کہہ گئی تھیں، بس کسر دھکے مار کر نکالنے کی رہ گئی تھی اور وہ مامی کے پیر جکڑتی سسک اٹھی تھی۔

"شوہر کا گھر، کس شوہر کے گھر کی بات کر رہی ہو، تم پریہان جسے تم ایک رات میں ہی کھا گئیں تمہارے سیاہ بخت میرے جواں جہان بیٹے کو موت کے منہ میں لے گئے۔" وہ اسے دھتکار کر پیچھے ہٹ گئی تھیں۔

"ہوش سے کام لو نورین۔" وہ بھانجی کی درگت بنتے تو دیکھ ہی رہے تھے، مگر بیوی کے

ناشکری کے مظہیر الفاظ سن نہیں پائے تھے۔

''کیا غلط کہہ دیا ہے میں نے اسفر! یہ منحوس میرے بیٹے کو کھا گئی۔'' وہ اس کو نفرت سے دیکھتیں شوہر سے بولیں تھیں۔

''کفر نہ بولو نورین! ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے، قمبر کی زندگی ہی اتنی تھی۔'' وہ بیوی کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کچھ بھی کہیں میں اس کا وجود اپنے گھر میں برداشت نہیں کرسکتی۔'' وہ دھیمی پڑ گئی تھیں مگر فیصلہ نہیں بدلا تھا۔

''جہالت کی باتیں نہ کرو نورین، زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس بچی کا کیا قصور جو چند گھنٹوں بعد ہی بیوہ ہوگئی، اس کے سر پر ہاتھ رکھنے کے بجائے تم اسے لعنت ملامت کر رہی ہو، کچھ تو خدا کا خوف کرو۔'' اسفر عالم بالکل بھی دھیمے نہیں پڑے تھے، بیوی کو سخت سست سنا گئے تھے ان کو ان کی غلطی کا احساس دلا گئے تھے اور ان کے رونے میں یکدم ہی شدت آ گئی تھی انہوں نے آگے بڑھ کر بیوی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''قمبر کو جانتی ہو نا پریہان سے کتنی محبت تھی، تم اس کے ساتھ ایسا سلوک کرو گی تو اس کی روح بے چین ہوگی، مرنے والوں سے زیادہ مرنے والوں سے راستہ لوگوں کا خیال کرنا پڑتا ہے نورین۔'' وہ دھیمے دھیمے بیوی کو سمجھا رہے تھے کچھ کہنے کی چاہ میں ان کے لب محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔

''قمبر مر گیا ہے اب ہمیں قمبر کی بیوہ کا خیال رکھنا ہے، زندگی امتحان لیتی ہے تو یوں دوسرے کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتے اللہ کی مصلحتوں پر اس کے فیصلہ پر سر جھکاتے ہیں۔'' وہ شوہر کے کاندھے پر سر رکھ کر رونے لگی تھیں۔

''دکھ بہت بڑا ہے اگر ہمارا بیٹا ہم سے دور گیا ہے تو پریہان کا شوہر اس سے بچھڑ گیا ہے نورین، اور جب دکھ سانجھا ہے جب مرنے والے سے ہمارا اور اس بچی کا گہرا تعلق ہے تو دکھ کا سبب تم اس بچی کو کیسے ٹھہرا سکتی ہو، یہ دکھ کا سبب ہے یہ اگر قمبر کی موت کی وجہ ہے تو کیا نعوذ باللہ، اللہ نہیں ہے۔'' وہ بیوی کے غلط رویے کو گزشتہ تین دن سے محسوس کرتے آج بالآخر بول پڑے تھے وہ شوہر کی آخری بات پر دہل کر رہ گئی تھیں۔

''جو ہوا اللہ کا فیصلہ تھا پریہان تمہارے بیٹے کی بیوہ ہے دکھی ہے، اس کا سہارا بنو اس مشکل وقت میں، نہ کہ اس پر لعن طعن کر کے اسے اس گھر سے نکال دو۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بول رہے تھے، اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی نورین عالم نے آگے بڑھ کر پریہان کو گلے لگا لیا تھا، وہ کوئی بری عورت نہیں تھیں پر یہاں انہیں بھی عزیز تھی بس بیٹے کی جواں موت ان کی سوچ پراگندہ کر دی تھی جوان کے شوہر مثبت سوچ سے صاف ہو گئی تھی، وہ دونوں سا بہو سینے سے لگیں بری طرح رو رہی تھیں، ا عالم اپنے آنسو صاف کرتے وہاں سے نکلتے گئے تھے کہ جواں بیٹے کی موت نے ان کی کم توڑ ڈالی تھی وہ یکدم ہی بوڑھے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''گردیزی! اب بس تم بھی شادی ک پینتیس تو کراس کر چکے بس بڑھاپا آیا ہی ہے۔'' وہ ایک آفیشل ڈنر پر مدعو تھا کھا بعد کافی کا دور چلا تھا، جس میں کام کے ساتھ غیر ضروری باتیں بھی ہو رہی تھیں کسی نے اسجل گردیزی کے اب تک غیر شدہ ہونے پر چوٹ کی تھی۔

''شاید آپ نے سنا ہی نہیں مسٹر شاہنواز! کہ مرد اور گھوڑا کبھی بوڑھے نہیں ہوتے۔'' وہ بے تکلفی سے بولا تھا محفل زعفران زار ہوگئی تھی۔

''مگر جوانی کو یوں بے مقصد رولنا بھی تو غیر دانشمندی ہے۔'' کہیں سے جواب آیا تھا۔

''بھئی شباب کا مزہ چکھے بنا جوانی گزرانا یہ خشک مزاجی نہیں، کفران نعمت کے مترادف ہے۔'' مسٹر شاہنواز جو کافی رنگین مزاج تھے، جن کے افیئرز کی لسٹ ان کے سیاسی کارناموں سے زیادہ طویل تھی وہ قدرے شوخی سے بولے تھے فضا میں بے باک قہقہے گونج اٹھے تھے۔

''چلیں ہمیں کفران نعمت کر لینے دیں، عابد وزاہد بن کر بھی زندگی اچھی گزر رہی ہے۔'' اجل گردیزی نے بات کو مزاح کا رنگ دیا تھا۔

''مرد لمبی ریس کا گھوڑا ہوتا ہے گردیزی۔''

وہ سب ہی اس نسوانی آواز پر چونک اٹھے تھے، سامنے ہی عبیرہ منصور کھڑی تھی جس کی عمر لگ بھاگ تیس کے قریب تھی اور وہ انتہائی حسین لڑکی تھی، پہننے اوڑھنے سوسائٹی میں موو کرنے کے ہنر سے واقف وہ حسینہ کتنے ہی امیر و کبیر مردوں کی منظور نظر تھی مگر اس کا دل تو اکھڑ قدرے بد مزاج نہایت خشک مزاجی سے بھرا ہوا اجل گردیزی پر آیا ہوا تھا اور یہ بات ان کے حلقے کے کئی لوگوں کو پتہ تھی، سب ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ عبیرہ منصور، اجل گردیزی کی دیوانی تھی، اجل گردیزی کی خاطر کتنے پرپوزلز ٹھکرا چکی تھی اسے بس ایک اجل گردیزی کی چاہ تھی۔

''مرد جب لمبی مسافت کے بعد تھک جاتا ہے تو اسے ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ سہارا ایک عورت کا ہوتا ہے اور جس مرد کو لمبی مسافت کے بعد ایک عورت کا ساتھ نصیب ہوتا ہے وہ نئی مسافت کے لئے تیار ہوتا ہے اور اگر عورت کا ساتھ نہ ہو تو وہیں تھک کر بیٹھ جاتا ہے، یہ کبھی مت بھولنا گردیزی ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔'' وہ ہجوم کی پرواہ کیے بغیر اپنی پرفسوں آنکھیں اجل گردیزی کے چہرے پر گاڑے گہری سنجیدگی سے بولی تھی، اس کی بات کے اختتام تک اس نے لب بھینچ لئے تھے، جبکہ کئی ایک نظریں حسد سے اجل گردیزی کا طواف کرنے لگی تھیں، تو وہیں چند ایک نظریں رشک سے بھی اجل گردیزی کے حسین سراپے کی گرد چکرانے لگی تھیں۔

''عبیرہ منصور! کی بات سے میں سو فیصد متفق ہوں۔'' مسٹر شاہ نواز ترنت بولے تھے، اس نے ایک کٹیلی نظر عبیرہ پر ڈالی تھی اور اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی ٹیبل سے اٹھاتا بڑی تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا، ماحول ایکدم ہی مکدر ہو گیا تھا وہ چند ثانیے کے سکوت کے بعد اجل گردیزی کے پیچھے لپکی تھی۔

''ایسی بھی کیا بے رخی اجل!'' وہ جو ڈرائیونگ ڈور کھولنے کو تھا وہ آکر اس کے بھاری مردانہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

''اوہ یو شٹ اپ! تم جانتی ہو عبیرہ تمہاری ان بکواس باتوں اور گھٹیا حرکتوں میں مجھے بالکل بھی انٹرسٹ نہیں ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک گیا تھا۔

''کیوں کرتے ہو میرے ساتھ ایسا اجل! محبت کرتی ہوں تم سے، تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا، برسوں سے تمہارے پیچھے خوار ہو رہی ہوں، اخر کمی کیا ہے مجھ میں۔'' وہ ہاتھ جھٹکے جانے پر ذلت سی محسوس کرتی چیخ ہی تو پڑی تھی۔

''میں نے کہیں کہا تم سے کہ تم میرے پیچھے خوار ہو، میں تمہیں یونی لائف میں ہی باور کروا چکا ہوں کہ مجھے نہ تم سے محبت ہے نہ میں تم سے

شادی کرنا چاہتا ہوں، تو کیوں تم میرے پیچھے پڑی ہو، اپنی زندگی تم خود برباد کر رہی ہو عبیرہ، مجھے الزام نہ دو۔'' وہ بھی پھٹ پڑا تھا وہ عبیرہ منصور کی روز روز کی باتوں سے تنگ آچکا تھا۔

''محبت کرتی ہوں تم سے اجمل! تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی سنگدلی پر تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

''مجھے تم سے محبت نہیں ہے عبیرہ منصور۔'' وہ اس کا بازو دبوچ کر آنکھوں میں بے زاریت و سرد سا تاثر لئے بولا تھا۔

''تم بہت پچھتاؤ گے اجمل! میں تمہارے ساتھ مخلص ہوں اور محبت کی ناقدری پر تو عرش ہل جاتا ہے، تم برسوں سے میری محبت کی توہین کر رہے ہو، سینے میں دل نہیں ہے تمہارے، تم پتھر ہو اجمل گردیزی۔'' وہ اب باقاعدہ رو رہی تھی، اجمل گردیزی اس کی پہلی چاہت تھا، وہ کالج فیلوز تھے ان کی اچھی دوستی تھی، عبیرہ کے جذبات بدل گئے تھے اور اس نے یونیورسٹی کے سال دوم میں اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا، اجمل گردیزی جسے ٹھکرا گیا تھا، وہ آج بھی اس سے وہی کہہ رہا تھا جو برسوں قبل کہا تھا اسے نہ کل عبیرہ سے محبت تھی نہ ہی آج وہ اس کے لئے کوئی جذبہ محسوس کر رہا تھا اور وہ جو اس پر جان دیتی تھی آج اس کی برداشت بھی جیسے بکھر گئی تھی۔

''مگر جب پتھر پر چوٹ پڑتی ہے ناں گردیزی، تو بہت تکلیف ہوتی ہے، تم نے میرا شیشہ سا دل توڑا ہے، میری محبت کو ٹھکرایا ہے، جب خود کسی سے محبت کرو گے ناں تو تمہیں احساس ہوگا میری تکلیف کا اور یاد رکھنا گردیزی تکلیف صرف شیشے کو نہیں پتھر کو بھی ہوتی ہے۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور اجمل گردیزی سناٹے میں آگیا تھا۔

''تم مجھے بددعا دے رہی ہو عبیرہ!''

''ہک ہا، کاش میں تمہیں بددعا دے سکتی اجمل، مگر میرا دل تمہاری محبت کا یوں دم بھرتا ہے کہ تم میرے دل پر پاؤں رکھ کر جاتے ہو اور میں پھر بھی اف نہیں کرتی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تھی، اجمل گردیزی کو آج پہلی دفعہ اپنے انداز و رویے کی بدصورتی کا نہ جانے کیوں یکدم ہی اس کی نمناک آنکھوں میں دیکھتے ہوئے احساس ہوا تھا، وہ یکدم ہی شرمندگی محسوس کرنے لگا تھا۔

''محبت کی ہے تم سے تو تمہارے سنگدل رویے سے میرا شیشہ سا دل کرچی کرچی ہو جاتا ہے، تکلیف سے تڑپتی ہوں میں اجمل، اور میری اس تکلیف کا احساس تمہیں تب ہوگا جب تمہیں محبت ہوگی، جب تمہارے پتھر دل پر چوٹ لگے گی، آہیں بھرو گے اجمل، مگر محبت نہیں ملے گی تمہیں کہ دل توڑنے والوں کے دل بھی کبھی جڑا نہیں کرتے، میں اگر تمہارے ہجر میں شب و روز گزاروں گی تو تم بھی کسی کے ہجر میں تڑپو گے اور یہ بددعا نہیں ہے، میرے ٹوٹے زخمی دل کی آہ ہے اور آہ فرش سے عرش تک جاتی ہے۔'' وہ بکھرے لہجے میں کہتی اسے حیران پریشان چھوڑ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور اس کا عبیرہ سے یہ آخری سامنا تھا، دو ماہ گزر گئے تھے اور وہ اس کے سامنے نہیں آئی تھی، اسے بھی حیرانی ہوئی تھی اور پتہ کرنے پر پتہ چلا تھا کہ وہ تو اسی صبح ملک سے باہر چلی گئی تھی، اجمل گردیزی نے سکون کا سانس لیا تھا، مگر اس سکون میں ایک عجیب سی بے سکونی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے عبیرہ منصور کی نمناک پلکیں رقص کرنے لگی تھیں، دو ماہ بعد اس نے اشعل گردیزی کو ملک واپس بلا لیا تھا، زندگی وہی پرانی ڈگر پر چل پڑی تھی، وہ مصروف

زندگی جس میں کوئی رنگینی و شگفتگی نہیں تھی، اگر زندگی کا اسے احساس ہوتا تو اپنے بھائی کی اشعل گردیزی کے دم سے ہوتا تھا، اشعل کی برتھ ڈے تھی اس نے بہت بڑے پیمانے پر پارٹی آرگنائز کی تھی، پارٹی نہایت شاندار تھی، جس کے چرچے مہینوں تک کیے جاتے تھے، وہ بھائی کی خوشی میں خوش تھا کہ ایک دن آفس سے واپسی پر اس کی گاڑی خراب ہوگئی تھی وہ ڈرائیور کو سخت سست سناتا گاڑی سے اترا تھا اس کا ارادہ ٹیکسی کر کے گھر جانے کا تھا، سڑک پر کھڑا تھا اور دائیں طرف یونہی نظر اٹھی تھی اور کچھ فاصلے پر سیاہ کشمیری چادر میں لپٹی لڑکی پر ٹھہر گئی تھی، میدے سی سفید رنگت اور تیکھے نین نقش والا بے حد حسین چہرہ سیاہ چادر کے ہالے میں روشنیاں بکھیر رہا تھا، اس کی نظر اس لڑکی کے چہرے سے ہٹنے سے انکاری تھی اور منظر بدل گیا تھا، وہ لڑکی ایک ویگن پر سوار ہوئی تھی اور اس کی نظر سے اوجھل ہوگئی تھی، وہ سر جھٹک کر ٹیکسی کرتا گھر آ گیا تھا مگر وہ حسین چہرہ تو جیسے آنکھ کی پتلیوں میں ٹھہر گیا تھا اور نتیجہ کے طور پر وہ تیسرے ہی دن اس بس اسٹاپ پر موجود تھا، احمق نے یہ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ ضروری تو نہیں وہ مہہ جبین وہیں اسی طرح سیاہ کشمیری چادر میں اپنے بے پناہ حسن کے ساتھ موجود ہو، اس کے بعد اس سے زیادہ حماقتیں تصور کی جاسکتی تھیں، وہ تقریباً ایک ہفتہ سے اس بس اسٹاپ کے چکر لگا رہا تھا، مگر گوہر مقصود تھا کہ جھلک دکھلا کر روپوش ہو گیا تھا، اس نے زندگی کی چھتیس بہاریں دیکھی تھیں، کئی ایک لڑکیاں لچکیلی پھلدار شاخ کی مانند اس سے آلپٹنے کو تیار تھیں مگر اس نے کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی، وہ لڑکیوں کے چکر میں پڑنے والا ہوتا تو عبیرہ منصور ہرگز بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہ تھی، اس کے ذہن و دل آج کل جس طرح سوچ رہے تھے اس نے اپنی عمر کے طویل سالوں میں بھی اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا اور کہاں اب وہ ایک ہفتہ سے بس اسٹاپ کے چکر کاٹ رہا تھا۔

اسے یکدم ہی آفس کے کام کے سلسلے میں شہر سے جانا پڑا تھا اس کے بلاناغہ دوہرائے جانے والے عمل کو بریک لگ گئے تھے اور تقریباً پندرہ دن بعد اس کی واپسی ہوئی تھی، وہ فریش ہو کر لنچ کے لئے پہنچا تھا اس نے اپنے اکلوتے لاڈلے بھائی کے ساتھ مل کر لنچ کیا تھا، اشعل گردیزی لنچ کے بعد کمرے میں چلا گیا تھا وہ کافی کے گھونٹ بھرتا اسی لڑکی کو سوچ رہا تھا، اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی تھی، وہ کچھ دیر تک اس لڑکی کی تلاش میں نکلنے کا سوچنے لگا تھا، تب ہی ملازمہ نے کسی کے آنے کی اطلاع دی تھی، اس نے آنے والے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

''صاحب کوئی لڑکی ہے، آپ سے ضروری ملنا چاہتی ہے۔'' ملازمہ ادب سے بولی تھی۔

اجل گردیزی کو پہلا خیال عبیرہ منصور کا آیا تھا، ملازمہ نئی تھی ورنہ وہ اسے آکر بتا دیتی کہ پہلے جب بھی عبیرہ آتی تھی پرانی ملازمہ اس کا نام لے کر بتا دیتی تھی کہ وہ عبیرہ کو اچھے سے جانتی تھی، اس نے ملازمہ کو اسے اندر لانے کا اشارہ کیا تھا اور خالی مگ کاؤنٹر پر رکھتا وہ ڈائننگ ہال سے نکل کر لاؤنج میں آ گیا تھا، قدموں کی چاپ ابھری تھی اس نے نظر اٹھائی تھی، سامنے وہی سیاہ کشمیری شال میں بے حد حسین لڑکی کھڑی تھی، اسے یہ نظر کا دھوکہ سراسر اپنا الوژن لگا تھا، لیکن نہیں وہ اس کا الوژن نہیں تھا جسے وہ قریہ بہ قریہ ڈھونڈ رہا تھا وہ تو اس کی نظر کے سامنے تھی، خود چل کر اس کے گھر تک آ گئی تھی، ملازمہ کی آواز پر اس کا الوژن ٹوٹا تھا، وہ حقیقت کا سفر کرتا اس

لڑکی کو اپنے گھر میں دیکھتا اندر ہی اندر خود کو مسرور پا رہا تھا، اس کے لب مسکرانے لگے تھے اور نگاہ اس کے حسین چہرے پر تھی، وہ اسے بیٹھنے کا کہتا کہ وہ بول پڑی تھی۔

"میں مسز قمبر عالم ہوں، اجمل گردیزی سے ملنے آئی ہوں۔" امیدوں کے محل یکدم مسمار ہوئے تھے، وہ آنکھوں میں بے یقینی لئے اس جادو بھرے چہرے والی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کا آنا زندگی کی نوید تھا اور اس کا فقط ایک لفظ مسز اسے موت کا پیغام لگا تھا، دھڑ دھڑ دھڑام کر کے اس کا دل اس کی امید آن گری تھی، وہ کوئی کچی عمر کا نوجوان نہ تھا کہ وہ خود کو سنبھال نہ پاتا، اسے خود کو کمپوز رکھنے میں ملکہ حاصل تھا وہ لمحہ کے ہزارویں حصہ میں خود کو کمپوز کرتا چہرے پر سنجیدگی در آئی تھی، اس نے ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ پھنساتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"سوری میں کسی قمبر عالم کو نہیں جانتا، آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنے آئی ہیں۔" وہ ابرو الجھا گیا تھا اسے یکدم یہ نام پہلے بھی سنا سنا سا لگا تھا۔

"مسز عالم، پہیلیاں نہ بجھوائیں صاف دو ٹوک بات کریں، میں آپ کو پانچ منٹ سے زیادہ نہیں دے پاؤں گا۔" وہ اس کے طنز کو نظر انداز کرتا گہری تلخی سے اپنے مخصوص بے لچک پروفیشنل انداز میں بولا تھا، وہ جس لڑکی کو گھنٹوں سڑک پر ڈھونڈتا رہا تھا اس کے سامنے موجود ہونے پر اسی سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے پانچ منٹ سے زیادہ کا وقت نہیں دے سکتا، جانے قسمت اس کا مذاق بنا رہی تھی یا وہ خود اپنا مذاق اڑا رہا تھا، مگر جو ہو رہا تھا وہ سب نہایت نا قابل یقین تھا۔

"جس کی پوری زندگی آپ نے برباد کر دی، اسے پانچ منٹ نہیں دے سکتے آپ۔" وہ چیخی تھی، وہ حیران ہوتا لب بھینچ گیا تھا۔

"محترمہ بہتر ہوگا آپ جس سلسلے میں تشریف لائی ہیں وہ کہیں اور تشریف لے جائیں۔" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔

"میں قمبر عالم کی بیوہ ہوں مسٹر گردیزی، اسی قمبر عالم کی جس کا تمہارا بھائی قاتل ہے۔" وہ ضبط سے گزرتے ہوئے بولی تھی اور وہ بے یقین رہ گیا تھا، پہلے اس کے لفظ "مسز" نے اسے حیران کیا تھا اور اب لفظ "بیوہ" نے پریشان کر ڈالا تھا۔

"بتاؤ آپ مجھے کیا قصور تھا میرا کہ عین شادی کی شب میں بیوہ ہوگئی، میرا شوہر قمبر مر گیا، صرف آپ کے بھائی کی وجہ سے، آپ کا بھائی ہے میرے شوہر اور میری خوشیوں کا قاتل، جسے آپ نے کتنی آرام سے بچالیا۔" وہ اب باقاعدہ روتے ہوئے بول رہی تھی، اور گردیزی کے پاس کہنے کو ایک لفظ نہ تھا، وہ اس فریاد کناں لڑکی سے کہتا بھی تو کیا؟

"آپ یہ مت سمجھنا کہ میں قمبر عالم کی بیوہ، آپ کے بھائی کو اپنے شوہر کا خون معاف کروں گی، میں آپ کے بھائی کو کورٹ میں گھسیٹوں گی، میرے شوہر کا قتل ضائع نہیں جائے گا اجمل گردیزی۔" وہ انگلی اٹھا کر وارن کرتی ایک جھٹکے سے مڑی تھی اور وہاں سے جاتی کہ وہ اس کا بازو جکڑ گیا تھا۔

"تمہاری ہر کوشش کو میں ناکام بنا دوں گا تم مجھ سے جیت نہیں سکتیں، اس لئے ایسی کوئی کوشش نہ کرنا کیونکہ میں اپنے بھائی کے بچاؤ کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" وہ پہلے پہل تو کچھ سمجھا ہی نہ تھا مگر جیسے ہی حواس لوٹے تھے، وہ جاتی ہوئی لڑکی کا بازو دبوچ کر اس کے یکدم رکنے پر اس کی نمناک آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نہایت

سرد اور سفاک لہجہ میں بولا تھا۔
''کچھ بھی سمجھتی ہو، کچھ بھی۔'' وہ ایک جھٹکے سے اس کا بازو آزاد کر گیا تھا۔
''آپ اگر طاقتور ہیں تو میں بھی اتنی کمزور نہیں ہوں گردیزی صاحب، اپنے شوہر کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لوں گی۔'' وہ لمحہ بھر کو اس کے تیوروں پر ہراساں ہو گئی تھی مگر جب بولی تھی تو نہایت خود اعتمادی کے ساتھ بولی تھی۔
''تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے تب ہی میرے سامنے کھڑی ہو، یہی کھڑے کھڑے تمہیں غائب کر دوں تو کوئی تمہاری خاک تک نہیں پا سکے گا۔'' وہ نہایت کروفر سے بولا تھا، اس کا لہجہ اس قدر سخت اور بارعب تھا کہ وہ دہل کر رہ گئی تھی اس کی نظر اٹھی تھی وہ شخص بے حد جاذب نظر تھا لیکن اسے کراہیت محسوس ہوئی تھی۔
''مجھے اس نوجوان کی موت کا دکھ ہے، لیکن مجھے اپنا بھائی بہت عزیز ہے، میں نے صرف اپنے بھائی کے بچاؤ کے لئے کیس کو کھلنے سے پہلے ہی بند کروا دیا، آج تم کیس کھولنے کی بات کرنے آئی ہو تو سن لو میں اپنے بھائی کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں چھائے ہراس پر دل ہی دل میں ہنس دیا تھا وہ لب کچلنے لگی تھی۔
''اپنے بھائی کی اتنی پرواہ ہے آپ کو، تو وہ مرنے والا نوجوان بھی کسی کا بھائی تھا، بیٹا تھا، شوہر تھا۔'' وہ شدتوں سے رو رہی تھی اجل گردیزی نے لب بھینچ لئے تھے۔
''مجھے اس نوجوان کی موت کا افسوس ہے۔''
''افسوس، آپ تو شرمندہ تک نظر نہیں آ رہے۔'' وہ درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ گئی تھی۔
''میں اپنے بھائی کی محبت میں مجبور ہوں، اس سے غلطی ہو گئی۔''
''غلطی، آپ کے بھائی سے قتل ہوا ہے، آپ اسے غلطی کہتے ہیں، ایک انسان مر گیا اور یہ صرف غلطی ہے۔'' وہ اس کی بات اچک کر نہایت دکھ و افسوس کے ساتھ بولی تھی۔
''میں خون بہا دینے کو تیار ہوں۔'' وہ اس کی بات کو آگے بڑھائے یا کسی قسم کا ردعمل ظاہر کیے بنا ہی کہہ گیا تھا۔
''مجھے خون بہا نہیں چاہیے، میں آپ کے بھائی کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لوں گی۔'' وہ نفرت سے پھنکاری تھی۔
''تمہارا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا، آرام سے گھر جا کر سوچ لو، اپنے گھر والوں سے مشورہ کر لو، پھر مجھ سے بات کرنا۔'' وہ اس کے بھڑکنے کی پرواہ کیے بغیر نہایت سکون سے بولا تھا، وہ کچھ کہنے لگی تھی مگر اس نے موقع ہی نہیں دیا تھا۔
''یہ یاد رکھنا تمہاری فیملی میری طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جب ہارنا ہی مقدر ہے تو بہتر ہوگا خون بہا لے کر پرسکون زندگی گزارو، میرے مقابلے پر آؤ گی تو کچھ نہیں بچے گا، میں تمہاری سوچ و عمر سے زیادہ با اختیار ہوں۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھے گہری سنجیدگی سے اس کے رونے سے بے حد سرخ ہو جانے والے مزید خوبصورت لگتے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
''آپ چاہے بے حد با اختیار ہیں مگر ایک ذات ہے، جو آپ سے بھی زیادہ با اختیار ہے اور یاد رکھیے گا خدا کی لاٹھی بڑی بے آواز ہوتی ہے۔'' وہ آنسو گراتے ہوئے کہتی جانے کے لئے قدم

اٹھا گئی تھی اسے قمبر کے بڑے بھائی احمر کے ذریعے پتہ لگ گیا تھا کہ جس شخص کی غلطی کی وجہ سے ایکسیڈنٹ ہوا وہ بہت امیر گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور انہوں نے اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کیس کو دبا دیا ہے، یہ سن کر وہ بہت روئی تھی، اس نے قمبر کی تصویر کو سینے سے لگا کر ایک عہد کیا تھا کہ وہ اس کے قاتل کو ضرور سزا دلوائے گی اور یہی سوچ تھی جو وہ کسی نہ کسی طرح تمام تفصیلات حاصل کرتی اجمل گردیزی کے گھر چلی آئی تھی، اس کا یہ قدم نہایت احمقانہ وغیر سمجھداری سے مزین تھا، وہ جو بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اسے اجمل گردیزی کی آواز نے رکنے پر مجبور کر دیا تھا جبکہ وہ چلتا ہوا عین اس کے سامنے آن رکا تھا، اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی اور وہ مسکرا رہا تھا اور مل کر اپنی بات دہرائی تھی۔

''مجھ سے شادی کرو گی؟'' اس کے حواس لوٹے تھے اور ہاتھ بے اختیار اٹھ گیا تھا اس سے ایسے عمل کی اجمل گردیزی کو امید ہی کب تھی، وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے غصہ سے کھول رہا تھا۔

''بکواس بند کریں اپنی۔'' وہ غصہ سے بے قابو ہو رہی تھی، اس نے غصہ سے بے قابو ہوتی اس انجان لڑکی جس کے نام تک سے واقف نہ تھا، بس ایک بار بس اسٹاپ پر دیکھا تھا اور آج اسے پر پوز کر دیا تھا، اجمل گردیزی جس پر لاکھوں لڑکیاں مرتی تھیں، اس نے ایک بے حد عام سی لڑکی کو پرپوز کیا تھا اور اس نے اجمل گردیزی کو کیا خوب جواب دیا تھا اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا، ایسے میں وہ خود پر قابو رکھنا بھی تو کیسے، اس نے غصہ سے بے قابو ہوتے ہوئے اس شعلہ جوالہ بنی لڑکی کو بازوؤں سے جکڑ کر دیوار سے لگا دیا تھا۔

''آج تک کسی کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ میرے سامنے ٹھہر سکے اور تم نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے، میں اس ذلالت کا بدلہ لینے پر آؤں تو تم سر اٹھا کر چلنے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو۔'' وہ اسے دیوار سے لگائے دیوار پر دائیں بائیں ہتھیلیاں جمائے درشتگی سے کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، وہ خوف بے باقاعدہ لرزنے لگی تھی، وہ اتنی بولڈ نہیں تھی، نہ ہی اتنی آزاد مزاج، وہ تو قمبر کی موت کا صدمہ ایسا تھا کہ اس کے قاتل کو انجام تک پہنچانے کے لئے اکیلے ہی ایک انجان جگہ پر آ گئی تھی، مگر اب اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

''مگر میں نے آج تک کبھی کسی عورت کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا، اس لئے تم یہاں سے باعزت جا سکتی ہو لیکن......'' وہ آگے جو کچھ بولا تھا، وہ اقرار تو کیا انکار کی ہمت بھی نہیں کر پائی تھی، وہ تو یہاں قمبر عالم کی موت کے ذمہ دار شخص کا اس سے وابستہ لوگوں کا سکون برباد کرنے آئی تھی مگر خود اس کا اپنا سکون برباد ہو گیا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اس کا رشتہ کل ہی لے کر آنے کی بات کر رہا تھا، انکار کی صورت میں نتائج کی ذمہ داری اس کے سر ڈال گیا تھا، اس نے جاتے جاتے اس کا نرم آنسوؤں سے تر رخسار تھپتھپایا تھا اور اندر کی طرف بڑھ گیا تھا وہ جس طرح گھر آئی تھی وہی جانتی تھی۔

☆☆☆

''پری کیا بات ہے میں نوٹ کر رہی ہوں تم کل سے بہت پریشان ہو، مما نے کچھ کہہ دیا ہے۔'' اس کی اکلوتی نند سامعیہ نرمی سے پوچھ رہی تھی سامعہ اس سے تقریباً ڈیڑھ سال چھوٹی تھی، مگر ان دونوں میں بچپن سے ہی کمال کی

انڈر اسٹینڈنگ تھی، سامعہ کے کچھ کہنے کی دیر تھی وہ روتے ہوئے اسے تمام تفصیل سے آگاہ کر گئی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے پری، یوں ایک انجان شخص کے گھر جانے کی تمہیں کیا ضرورت تھی۔'' وہ تفصیل سن کر پریہان پر غصہ ہونے لگی تھی۔

''جب سے مجھے یہ پتہ لگا تھا کہ جس انسان کی لاپروائی کی وجہ سے قمر نہیں رہا، اس کے بھائی نے اسے بچالیا ہے تو میں غم و غصہ سے پاگل ہو رہی تھی، میں نے نام کے ذریعے ٹیلی فون ایکسچینج سے گھر کا نمبر حاصل کیا اور نمبر کے ذریعے ایڈریس یہ سب بہت مشکل تھا میرے لئے، مگر میں گزشتہ دو ڈھائی ماہ سے اسی سب میں لگی ہوئی تھی۔'' وہ روتے ہوئے مزید تفصیل سامعہ کے سامنے رکھ گئی تھی۔

''یہ جان لینے کے بعد کہ وہ اس قدر طاقت ور ہے کہ اس نے چٹکی بجائے میں کیس کو دبا دیا، تمہیں وہاں جانا ہی نہیں چاہیے تھا، وہ بھی اکیلے۔'' سامعہ اس پر بری طرح بگڑ رہی تھی۔

''تو کیا کرتی میں، خاموشی سے تماشہ دیکھتی۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''تو اب کون سا تم نے تیر مار لیا ہے، قمر بھیا کے قاتل کو تم جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا آئی ہو۔'' وہ اس کے رونے سے ہرگز بھی متاثر ہوئے بغیر ہنوز غصہ سے بولی تھی۔

''وہ بہت طاقتور ہیں سامعہ، ہم جیسے غریب لوگ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' وہ بے بسی سے ہچکیاں بھر رہی تھی۔

''یہ بات تم وہاں جانے سے پہلے بھی جانتی تھی پھر بھی تم وہاں گئیں یہ سوچے بغیر کہ تمہارے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو سکتی ہے، تم منہ اٹھا کر وہاں شیرنی بن کر پہنچ گئیں، وہ اگر تمہاری عزت پر ہاتھ ڈال دیتا تو۔'' وہ بولی تھی اور پریہان کی آنکھوں کے سامنے اجلال گردیزی کا بے حد سرخ چہرہ اور شعلہ رنگ آنکھیں لہرا گئیں تھیں۔

''مجھے صرف ایک لمحہ لگے گا تمہیں بے آبرو کر کے یہیں اس مینشن کے کسی کونے میں دفن کرنے میں، مگر میں ایسا نہیں کروں گا کہ میں پارسائی کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں نے آج تک کسی عورت کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا۔'' وہ سرد لہجے میں بولا تھا اور وہ سامعہ کی بات پر چونکی اسے یہ بات بھی بتا گئی تھی سامعہ نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''او میرے خدا، تم کتنی احمق لڑکی ہو، ایک تو خود چل کر شیر کی کچھار تک گئیں اور اس پر ہاتھ بھی اٹھا لیا۔'' وہ پریہان کو غصہ و افسوس کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

''مجھے تو سن کر جھرجھری آ گئی ہے اور تم وہ سب برداشت کر کے آ رہی ہو، حوصلہ ہے تمہارا پری۔'' وہ ہراساں سا محسوس کرتی سچائی سے بولی تھی، جبکہ پریہان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں بھی بہت ڈر گئی تھی سامعہ، مجھے لگا تھا کہ میں اپنے قدموں پر چند منٹ نہیں کھڑی رہ پاؤں گی، میرے حواس معطل ہو رہے تھے مگر عزت جانے کا خوف ایسا تھا کہ میں نے خود کو گرنے نہیں دیا، ہوش و حواس قائم رکھے، ورنہ اس کی آنکھوں میں جو چنگاریاں تھیں مجھے بھسم کر دینے کو کافی تھیں۔'' وہ ان تکلیف دہ لمحات کو سوچ کر ہی کانپ اٹھی تھی۔

''شکر ادا کرو عزت کے ساتھ گھر آ گئی ہو، ورنہ اپنی عزت تم خود ہتھیلی پر رکھ کر وہاں گئی تھیں۔'' وہ اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھ کر بھی ملامت کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔

''اب کہہ تو رہی ہوں غلطی ہوگئی مجھے یہ تو نہیں پتہ تھا کہ اس کے گھر میں کوئی عورت ہی نہیں ہوگی۔'' وہ لاچاری سے بولی تھی۔

''اونہہ ویسے تم نے اس شخص پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا ایسا کیا کہہ دیا تھا اس نے؟'' وہ اس کی بات پر تبصرہ کرنے یا اسے آگے بڑھانے کے بجائے سوال کر گئی تھی اور جواب میں جو کچھ پریہان نے بتایا تھا اسے لگا تھا کمرے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔'' وہ بے یقینی سے چلائی تھی۔

''میں تو اسے سنا کر اپنا اور قمبر کا انصاف خدا پر ڈالتی آنے لگی تھی اس نے ہی مجھ سے شادی کی بات کر دی وہ مجھے پرپوز کر رہا تھا سامعہ، تو بس مجھے غصہ آگیا اور میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔'' وہ پریشانی کی اصل وجہ بھی اس کے سامنے رکھ گئی تھی۔

''اس نے تمہیں پرپوز کیوں کیا، اس سب سے اس کا آخر مقصد کیا ہوسکتا ہے۔'' سامعہ پر سوچ انداز میں بولی تھی۔

''یہ تو مجھے نہیں پتہ سامعہ، مگر وہ کہہ رہا تھا کہ وہ آج میرا پروپوزل لے کر آئے گا اور انکار کی صورت میں وہ کسی بھی حد تک جائے گا۔'' وہ اب سامعہ کو اس کے آخری الفاظ بھی بتا گئی تھی۔

''وہ بہت بڑا پلان میکر ہے پری۔'' وہ تمام تر تفصیل سننے کے بعد پرسوچ انداز میں بولی تھی۔

''مم...... میں...... سمجھی نہیں۔'' وہ تشویش بھری نگاہوں سے سامعہ کو دیکھ رہی تھی۔

''تم نے اس سے کہا ناں کہ تم کیس چلاؤ گی اس کے بھائی کو کورٹ تک گھسیٹو گی تو اس نے اس سب کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنے کے لئے تم سے شادی کا آناً فاناً فیصلہ کرلیا۔'' سامعہ کو بچپن سے ہی جاسوسی کہانیاں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور یہ انہی کا اثر تھا کہ وہ یہ سب کہہ گئی تھی وہ جو پہلے ہی پریشان تھی مزید پریشان ہوتی ہونق چہرے کے ساتھ سامعہ کے سامنے موجود تھی۔

''ہم کون سا اتنے طاقتور ہیں کہ وہ ہم سے ڈر جائے اور وہ حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ پلاننگ کرلے۔'' وہ ہوائیاں اڑاتے نم چہرے کے ساتھ منمنائی تھی۔

''وہ یہ بات جانتا ہے کہ اتنے طاقتور نہیں ہیں، مگر لاکھ کمزور سہی اس کے بھائی کے سر پر ہمیشہ ایک تلوار لٹکی رہے گی، جس کا اس نے یوں انتظام کرنے کا سوچا ہے، تم سے شادی ہوجائے گی تو کیس ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا۔'' وہ گہری سوچ کے ساتھ بولی تھی اور پریہان کو اس کی ہر بات ٹھیک لگ رہی تھی۔

''ہاں...... یہ...... ہی...... بات ہے سامعہ، وہ خون بہا دینے کی بھی بات کر رہا تھا۔'' وہ ہکلائی تھی اس کی ساری خود اعتمادی جیسے کل ہی ختم ہوگئی تھی۔

''تم جو بہادر بن کر اس کو للکارنے چلی گئی تھیں۔'' وہ پھر پریہان پر بگڑنے لگی تھی۔

''اب کیا ہوگا سامعہ، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ سسکی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ کیا ہوگا، میں فی الحال تو یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ جب تمہارے کارنامے کا سب کو پتہ لگے گا تو کیا ہوگا؟ مما تو تم سے پہلے ہی خفا ہیں، کوئی نئی مصیبت آئے گی تو وہ تمہیں بالکل معاف نہیں کریں گی۔'' سامعہ انٹر کی طالبہ تھی مگر اس کی نسبت نہایت سمجھدار و معاملہ فہم تھی۔

''میں مامی کو بتا دوں گی کہ اس میں میری

کوئی غلطی نہیں ہے۔'' وہ سوں سوں کرتی جلدی سے بولی تھی۔

''اور جیسے مما تو یقین ہی کرلیں گی، وہ تمہیں قمر بھیا کی موت کا ذمہ دار سمجھتی ہیں، میں جانتی ہوں کہ وہ غلط ہیں، مگر جس سوسائٹی سے ہم تعلق رکھتی ہیں یہ سب اتنا بھی غلط نہیں ہے۔''

سامعہ کون سا غلط بولی تھی یہ سب تو معاشرہ کا ہی حصہ تھا، لوگ تو ہمات میں پڑرہے تھے۔

''محال ہے جو تم نے اتنی دیر میں ایک حرف بھی میری تسلی کو بولا ہو جبکہ میں کل سے کس قدر پریشان ہوں۔'' وہ خودترسی کا شکار ہوتی بے بسی سے شکوہ کرگئی تھی۔

''اس پریشانی میں تم خود پھنسی ہو اور ہم سب کو بھی گھسیٹو گی۔'' وہ ترنت بولی تھی اسے طنز کرنے میں ملکہ حاصل تھا، پریہان نے لب بھینچ لئے تھے۔

''تمہیں تمام بات گھر والوں کو خاص پپا کو بتانی ہوگی۔'' اس کا انداز ایک بار پھر پرسوچ تھا، پریہان آگے سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہمت ہی نہیں پڑی تھی، جبکہ سامعہ اٹھی تھی اور اس کے بیڈ روم سے نکل گئی تھی، یہ قمر عالم کا بیڈ روم تھا جس میں وہ رخصت ہوکر نہیں اجڑ کر آن بسی تھی، سب بڑوں کا یہی فیصلہ تھا کہ پریہان اپنے گھر چلی جائے قمر سے محض نکاح ہی ہوا تھا، وہ اس کی منکوحہ تھی، سہاگن نہیں تھی، سب یہی چاہتے تھے کہ وہ میکے چلی جائے اور اس کے لئے مناسب رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کردی جائے لیکن وہ نہیں مانی تھی، وہ اپنے گھر جانے کو راضی نہیں ہوئی تھی وہ قمر عالم کے گھر کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی، غم تازہ تھا اس لئے سب بڑے فی الوقت مناسب وقت پر کچھ وقت گزرنے غم ہلکا ہوجانے کے بعد سمجھا کر اسے باپ کے گھر جانے کے لئے راضی کرنے کا فیصلہ کرتے چپ کرگئے تھے اور وہ یوں قمر عالم کے گھر میں اس کے بیڈ روم میں رہ رہی تھی، اسے دیکھ کر نورین عالم کو غصہ آتا تھا مگر وہ مجموعی طور پر ایک اچھی خاتون تھیں اس لئے غصہ کرکے اس پر لعنت ملامت کرکے اب چپ ہوگئی تھیں ویسے بھی جواں بیٹے کی موت کے صدمے نے انہیں نڈھال کردیا تھا وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں رہتی تھیں، وہ پہلے بھی صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اور اب تو ہمہ وقت رب کے آگے سربسجود رہتی تھیں جواں بیٹے کی موت کا دکھ ایسا تھا کہ ان کے آنسو نہیں رکتے تھے، پریہان کو دیکھ کبھی غصہ آتا تو کبھی اس پر رحم آتا تھا، وہ قسمت کے اس وار پر بالکل ہی ڈھے گئی تھیں اور آگے زندگی جانے انہیں مزید کتنا آزمانے والی تھی، پریہان کی قسمت میں جانے کیا تھا۔

☆☆☆

پریہان جس طوفان کی آمد کے خیال سے ہی ہی خوفزدہ تھی وہ آیا تھا اور آکر چلا بھی گیا تھا، وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ یہ خاموشی طوفان ٹل جانے کی تھی یا اس خاموشی میں بھی طوفان پنہاں تھا، اجل گردیزی آیا تھا اس نے اپنے بھائی کے جرم کا اعتراف کیا تھا اور خون بہا دینے کو تیار تھا وہ اسفر عالم سے یہاں تک کہہ گیا تھا کہ وہ قمر عالم کی بیوہ سے شادی کرنے کے لئے بھی تیار ہے، اسفر عالم بے حد پریشان تھے، کہ جانتے تھے وہ اجل گردیزی کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکتے، انہوں نے اجل گردیزی سے زیادہ بات نہیں کی تھی بس اس کی سن لی تھی اور بس ایک جملہ میں اپنی تکلیف اپنا موقف سب ہی کچھ بیان کرگئے تھے۔

''گردیزی صاحب میں نے اپنا جوان بیٹا کھویا ہے، میں آپ کی طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتا، میں اپنا معاملہ اپنے رب پر چھوڑتا ہوں اس

سے بڑا منصف کوئی نہیں ہے۔'' ان کی بات پر اجمل گردیزی مضطرب ہو گیا تھا۔

''آپ اپنا معاملہ اللہ پر نہ چھوڑیں کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگوں کا صبر خاموش آہ میرے بھائی کے آگے آئے۔'' وہ گویا تڑپ کر بولا تھا، اس نے خون بہا کے بارے اسی لمحہ سوچا تھا جب پریہان نے اس سے کہا تھا۔

''خدا کی لاٹھی بڑی بے آواز ہوتی ہے۔'' اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ خون بہا دے کر اپنے بھائی کو اس سب سے بچائے گا ان مظلوموں کی آہ سے بچائے گا اور وہ ان کے سامنے ہر بات رکھ گیا تھا۔

''خون بہا اسلام میں ہے، آپ لوگ خون بہا لے کر اپنے بیٹے کا خون معاف کر دیں اس بھری دنیا میں، میرا میرے بھائی کے سوا کوئی نہیں ہے، اس کی لاپرواہی اسے قاتل بنا گئی ہے، آپ لوگ درمیانی راہ نکال لیں۔'' اجمل گردیزی کے لہجہ میں عاجزی تھی اور انہوں نے سوچ کر بتانے کا فیصلہ کیا تھا، نورین عالم کو ساری بات پتہ چلی تھی۔

''چند کھنکتے سکے میرے بیٹے کا نعم البدل نہیں ہو سکتے۔'' وہ بری طرح رو رہی تھیں۔

''اس نوجوان کی سزا بھی ہمارے بیٹے کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔'' وہ دکھ سے بولے تھے۔

''پاکستان میں قانون کے نام پر جو مذاق ہوتا ہے اس سے بھی بہ خوبی ہم سب ہی واقف ہیں، اس لئے یہ بات تو ذہن سے نکال دو کہ قمبر کی موت کے ذمہ دار کو سزا ہو گی، البتہ اسے معاف کر کے ہم اپنے رب کی نظر میں ضرور سرخرو ہو سکتے ہیں۔'' اسفر عالم کا وہی دھیما متاثر کن قائل کر لینے والا انداز تھا۔

''ہاں ہم معاف کر دیں گے لیکن میں خون بہا نہیں لوں گی۔'' ان کے رونے میں بتدریج اضافہ ہو گیا تھا۔

''مگر میں خون بہا لینا چاہتا ہوں۔'' اس وقت کمرے میں وہ دونوں میاں بیوی اور پریہان کے علاوہ احمر عالم موجود تھا، وہ تینوں ہی بے طرح چونک کر بے یقینی کے ساتھ اسفر عالم کو دیکھنے لگے تھے۔

''شریعت کی روح سے خون بہا لینا جائز ہے اس لئے میں خون بہا لوں گا۔'' اسفر عالم کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، پریہان نے یکدم ہی پرزور احتجاج کیا تھا۔

''خون بہا چھوڑ کر معاف کرنے میں حرج نہیں ہے، مگر ہم خون بہا لے کر اس کی مد میں ملنے والی رقم سے ہم قمبر کے نام کا کوئی ہاسپٹل کھول دیں گے یا وہ رقم غریبوں میں تقسیم کر دیں گے جو ہمارے بیٹے کے لئے صدقہ جاریہ ہو گا۔'' انہوں نے دھیمے سے خون بہا لینے کے اصل مقصد سے آگاہ کیا تھا یکدم ہی وہ سب ٹھنڈے پڑ گئے تھے کہ اسفر عالم کا مشورہ انتہائی مناسب تھا۔

''پپا وہ جو پرپوزل دے گیا ہے۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد احمر عالم نے باپ سے پوچھا تھا۔

''پرپوزل پر بھی غور کیا جا سکتا ہے، اگر پری بیٹی اور اس کے والدین مناسب سمجھیں تو۔'' وہ خاموشی سے آنسو بہاتی پریہان کو دیکھنے لگے تھے، جو صوفہ سے یکدم ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

''مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں کئی شکوے تھے، وہ ناراضگی سے اسفر عالم کو دیکھ رہی تھی۔

''اور اپنے شوہر کے قاتل کے بھائی سے تو کسی قیمت پر نہیں۔'' وہ شدتوں سے رو رہی تھی۔

''قاتل وہ ہوتا ہے جو سوچی سمجھی سازش کے تحت کسی کا قتل کرتا ہے اور قمبر ایک حادثہ کا شکار ہوا ہے اس لئے اس شخص کو قاتل نہیں کہہ سکتے، وہ بس قمبر کی موت کا ذمہ دار ہے، وہ شخص اگر لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرتا، اس کی گاڑی کی اسپیڈ نارمل ہوتی اور اگر رانگ وے پر نہیں آ رہا ہوتا تو شاید یہ حادثہ نہ ہوتا، وہ شخص حادثہ کا ذمہ دار ہے مگر وہ قاتل پھر بھی نہیں ہے۔'' ان کا اپنا ہی انداز تھا۔

''قاتل کہیں یا نہ کہیں لیکن قمبر تو نہیں رہا اور مجھے شادی نہیں کرنی آپ کو اگر میرا یہاں رہنا نہیں پسند تو ٹھیک ہے میں آج اسی وقت اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاتی ہوں، آپ لوگ مجھ سے اس گھر میں رہنے کا حق تو چھین سکتے ہیں، مگر میرے نام کے ساتھ لگے قمبر کے نام کو الگ نہیں کر سکتے۔'' وہ ایک جھٹکے سے مڑی تھی اور کسی کے بھی روکنے کی پرواہ کیے بغیر اپنے بیگ میں ضروری سامان ڈال کر وہ اس گھر سے نکل آئی تھی، اسی گھر سے جہاں اس نے قمبر کے ساتھ رہنے بسنے کے کتنے ہی خواب سجائے تھے۔

☆☆☆

''ماما! آپ کو بھی لگتا ہے کہ میں غلط ہوں۔'' مہرین احمد اور احمد علی کو بھی تمام صورتحال پتہ چل گئی تھی جس کے بعد مہرین احمد نے بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ سمجھتی کیا الٹا ماں سے ہی بدگمان ہونے لگی تھی۔

''ہاں تم غلط ہو۔'' وہ صاف کہہ گئی تھیں وہ ماں کو پر شکوہ نظر سے دیکھنے لگی تھی۔

''ہم تمہیں اجمل گردیزی سے شادی پر مجبور نہیں کر رہے کہ اس خاندان میں تو ہم خود بھی تمہاری شادی نہیں کرنا چاہتے۔'' وہ بیٹی کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہنے لگی تھیں اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''مگر ہم تمام عمر تمہیں بٹھا کر نہیں رکھ سکتے پری، ایک نہ ایک دن تم نے شادی کرنی ہی ہے۔'' وہ اپنا موقف واضح انداز میں بیٹی کے سامنے رکھ گئی تھیں۔

''ماما! آپ تو جانتی ہیں قمبر میرے لئے کیا تھا، کتنی محبت کرتی ہوں میں اس سے، آج بھی میرے دل میں صرف قمبر ہے۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''میں سب جانتی ہوں پری، مگر تم بھی حقیقت کو تسلیم کرو کہ اب قمبر اس دنیا میں نہیں رہا۔'' وہ بیٹی کے دکھ پر اس کے ساتھ ساتھ آنسو بہا رہی تھیں۔

''ماما یہ محبت کرنے والے اتنے ظالم تو نہیں ہوتے پھر قمبر اتنا کیسے ظالم ہو گیا، مجھے سرخ ردا میں تڑپتا چھوڑ گیا، عین وصل کی رات مجھ سے بچھڑ گیا۔'' وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''قمبر اب ہم سے اچھی جگہ پر ہے پری اور اس جہاں چلے جانے والوں سے بدگمان نہیں ہوتے ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اسے دعاؤں میں یاد رکھو بس۔'' وہ بیٹی کے آنسو صاف کرتے ہوئے دکھ سے بولی تھیں۔

''ماما! میں اسے بھول نہیں سکتی۔'' وہ ماں کے سامنے سے اٹھ گئی تھی۔

''بھولنے کو میں بھی نہیں کہہ رہی، مگر زندگی میں تمہیں آگے بڑھنا ہو گا۔'' وہ جاتی ہوئی بیٹی کا ہاتھ تھام کر اب کے سختی سے بولی تھیں۔

''ماما! آپ مجھے دو کشتیوں کا سوار بنا دینا چاہتی ہیں۔'' وہ خفا ہوئی تھی۔

''میری اور تمہارے بابا کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے پری، اور یہ دنیا بڑی ظالم ہے، تم قمبر کے نام پر ساری زندگی بیٹھی نہیں رہ سکتیں،

زندگی میں ایک نہ ایک دن تمہیں آگے بڑھنا ہی ہوگا۔'' ان کا انداز اب ناصحانہ تھا وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

''ماما! میں دو کشتیوں کی سوار بن کر نہیں رہ سکتی، میری زندگی کو مزید کٹھن نہ بنائیں۔'' وہ سسک رہی تھی۔

''وقت کے ساتھ صبر آ جاتا ہے پری اور میں بس یہی چاہتی ہوں کہ تم قمبر کے لئے جوگ لینے کی بجائے زندگی کے سفر میں آگے بڑھ جاؤ۔'' وہ بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نم لہجہ میں بولی تھیں، وہ بیٹی کو سمجھا رہی تھیں، اسے زمانے کی اونچ نیچ بتا رہی تھیں اور وہ یکدم چپ کر گئی تھی اور اس کی خاموشی کو ہی انہوں نے غنیمت سمجھا تھا اور اس کے لئے رشتہ دیکھنے لگی تھیں، اجمل گردیزی ان کے گھر بھی آیا تھا اپنا پرپوزل لے کر مگر احمد علی نے اس سے صاف واضح الفاظ میں انکار کر کے معذرت کر لی تھی اور وہ مایوس سا لوٹ گیا تھا، اسے عبیرہ منصور شدت سے یاد آئی تھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ کس جذبے کے تحت وہ اتنے برسوں اس کے پیچھے خوار ہوتی رہی تھی، اجمل گردیزی ایک بار پریہان سے ملنا، اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر کیسے کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی، پریہان کے پیرنٹس نے اس سے کہا تھا کہ وہ چاہے تو اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دے مگر وہ اس کے لئے گھر کے قریبی پرائیوٹ اسکول میں ٹیچنگ اسٹارٹ کر دی تھی، اجمل گردیزی جو اس سے ملنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا اس کے گھر کے باہر پہرہ لگایا ہوا تھا کہ وہ کب گھر سے نکلتی ہے مگر گزشتہ پورے ماہ میں ایسا ہوا ہی نہیں تھا اور جس وقت وہ انٹرویو کے لئے نکلی تھی صبح نو بجے کا وقت تھا اور جس وقت نگران نے اسے کال کر پریہان کے گھر سے نکلنے کی اطلاع دی تھی وہ بہت چاہ کر بھی نہیں پہنچ سکا تھا، کہ اشعل گردیزی کو رات سے تیز بخار تھا اور وہ اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا اس نے پہرہ دار کو چند ایک ہدایات دی تھیں اور اگلے دن ساڑھے سات بجے وہ اپنے گھر سے نکلی تھی اور اجمل گردیزی کے تک کی تصدیق ہو گئی تھی اس نے پریہان کے جاب کرنے کو غنیمت سمجھا تھا اور اس نے پہرہ دار سے تمام معلومات لے کر اسے فارغ کر دیا تھا وہ ٹھیک ایک ہفتہ بعد جب وہ پیدل ہی گھر کی طرف بڑھ رہی تھی اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے پریہان۔'' وہ اس کو دیکھ کر ناگواری سی محسوس کرتی اسے صاف نظر انداز کر کے آگے بڑھی تھی کہ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا تھا۔

''میں آپ کو پانچ منٹ بھی نہیں دے سکتی۔''

''تم اگر تماشہ لگانا چاہتی ہو تو یونہی سہی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر غرایا تھا وہ اس کی اتنی دیدہ دلیری پر ساکت رہ گئی تھی۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، بہت صبر کر لیا بہت نرمی سے پیش آ گیا، اس سے زیادہ تحمل کا میں مظاہرہ نہیں کر سکتا۔'' وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ گئی تھی اس نے گلی کے اطراف میں نگاہ دوڑائی تھی، گرمیوں کی دوپہر میں ویسے ہی گلی کوچے سنسان پڑے ہوتے ہیں، اس وقت بھی گلی سنسان تھی اس نے سکون کا سانس لیا تھا اور وہ دھیمے مگر باور کراتے لہجہ میں گویا اسے دھمکی دے گیا تھا۔

''میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ اپنا صاف انکار اس کے منہ پر مار گئی تھی۔

''تم اگر یہ چاہتی ہو کہ میں اپنی طاقت کے

ذریعے تم تک رسائی حاصل کرلوں تو میں ایسا بھی کرلوں گا۔'' وہ ایک تیز نظر اس کے سرخ و سفید چہرے پر ڈالتا جانے کو آگے بڑھا تھا۔

''آ...... آ...... آپ کیا کریں گے۔'' وہ لڑکھڑائے لہجہ میں پوچھ گئی تھی، اس نے ایک قدم پیچھے لیا تھا اس کی جھیل سی آنکھوں میں جھانکا تھا، جو ہراس کے سبب مزید حسین لگ رہی تھیں، چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

''میں تمہیں اغواء کرلوں گا۔'' وہ سرد لہجہ میں بولا تھا، اسے ایک جھرجھری سی اپنے جسم میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''یاد رکھنا پر یہاں میں اشعل کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں، کیونکہ میرا بھائی میری زندگی میرے جینے کی وجہ ہے۔'' وہ اس کے خوف سے پڑتے زرد چہرے کو دیکھ کر بول رہا تھا، وہ آگے سے کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہی تھی۔

''اور میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور تمہارے حصول کے لئے بھی میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں یکدم نرمی اتر آئی تھی مگر اس نے کہاں محسوس کی تھی وہ تو لفظ محبت پر ہی اٹک گئی تھی، اس سے وہ یہ تک نہیں پوچھ پائی تھی کہ ایک ہی ملاقات میں اسے محبت کیسے ہو گئی تھی، وہ بھی اتنی شدید کہ وہ اس کے حصول کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔

''میں آپ کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، پہلے ہی موڑ پر میں اپنی شکست تسلیم کرتی ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے بولی تھی۔

''مجھے تم سے اتنی ہی سمجھداری کی توقع تھی۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''آپ طاقت کے بل پر کیس بند کروا سکتے ہیں، اپنے بھائی کو بچا سکتے ہیں، آپ دنیا کی ہر شے اپنی طاقت اور دولت سے حاصل کر سکتے ہیں یہاں تک کہ مجھے بھی حاصل کر سکتے ہیں گردیزی صاحب۔'' وہ اس کی مسکراہٹ کو طنز بھری نگاہ سے دیکھتی نہایت سرد لہجہ میں گویا تھی وہ اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں، آپ طاقت کے بل پر مجھ جیسی غریب لڑکی کو زندگی بھر کے لئے ہی نہیں چند گھنٹوں کے لئے بھی حاصل کر سکتے ہیں کہ آپ طاقتور با اثر ہیں اور میرے پاس میرے خاندان کے پاس عزت کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اسے یہ بھی پرواہ نہیں تھی کہ وہ گلی میں کھڑی ہے کوئی اسے یوں ایک غیر مرد سے باتیں بگھارتا دیکھ سکتا ہے۔

''اور ہم عزت کی خاطر جان دے سکتے ہیں، سولی پر چڑھ سکتے ہیں، کڈنیپ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی آپ کو، میں آپ سے نکاح کے لئے تیار ہوں۔'' وہ کم عمر بے حیثیت لڑکی کیسے اسے بھگو بھگو کر مار رہی تھی، اس کے لفظ کیا تھے انگارے تھے اجل گردیزی کی روح تک جھلستی جا رہی تھی جب وہ بول رہا تھا تو وہ چپ تھی اور اب وہ بول رہی تھی تو وہ چپ ہو گیا تھا۔

''مگر یہ بات آپ تاعمر یاد رکھیئے گا کہ میں نے محبت صرف قمر عالم سے کی ہے، وہ میری روح میں بستا ہے اور آپ اپنی طاقت سے میرے شوہر کے قاتل کو انجام سے بچا سکتے ہیں، مجھ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں، مگر میرے دل سے میرے شوہر کی محبت کو نہیں نکال سکتے، طاقت کے بل پر آپ میری محبت حاصل نہیں کر سکتے۔''

وہ ایک کٹیلی سرد نگاہ اس کے حسین چہرے پر ڈالتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی، اس نے گھر آ کر بہت سوچا تھا اور اس کے ذہن و دل نے اسے یہی

سمجھایا تھا کہ شادی ہو جانے دو شادی کے بعد سوچ بدل جائے گی، ابھی محبت نہیں ہے، شادی کے بعد ہو جائے گی، وہ خوش گمانی کے گھوڑے پر سوار بے حد آسانی کے ساتھ پریہان کو اپنے گھر رخصت کرا لایا تھا اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ایک ایک کر کے خوش گمان تتلی اڑتی جا رہی تھی اور اسے برزخ میں اتارتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ دونوں ناشتہ کی ٹیبل پر موجود تھے وہ اشعل گردیزی کے انتظار میں اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا، اس نے اجمل گردیزی کے انتظار میں اس کا ساتھ دینے کے بجائے ناشتہ شروع کر دیا تھا، اس کا تقریباً آدھا ناشتہ ہو گیا تھا تب اشعل گردیزی کی بے فکر کھلنڈری آواز ڈائننگ ہال میں گونجی تھی۔

''گڈ مارننگ۔'' اجمل گردیزی نے مسکرا کر بھائی کو دیکھا تھا جبکہ وہ ادھورا ناشتہ چھوڑ کر اٹھ گئی تھی۔

''پریہان بیٹھ کر ناشتہ مکمل کرو۔'' اسے پریہان کی حرکت بہت بری لگی تھی، گزشتہ ہفتہ سے یہی ڈرامہ ہو رہا تھا جہاں اشعل ڈائننگ ہال میں آیا وہیں وہ ڈائننگ ہال سے باہر، وہ اسے اکیلے میں سمجھا چکا تھا وہ سمجھتی تو کیا خاک ان دونوں کی خوب بحث ہوئی تھی اور کل رات ہی تو اشعل نے اس سے کہا تھا کہ شاید بھابھی اسے پسند نہیں کرتیں تب ہی اس سے بات نہیں کرتیں، اس کے کچھ پوچھنے یا بات کرنے کی کوشش کرنے پر محض ایک گھوری ڈال کر آگے بڑھ جاتی ہے، اشعل کے شکووں کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ اس وقت اس کے اٹھ کر جانے پر برہم ہو گیا تھا اور وہ جو رات ان دونوں بھائیوں کی گفتگو سن چکی تھی اس وقت ظاہر نہیں کیا تھا مگر اسی کے پیش نظر وہ بھڑک کر بولی تھی۔

''آپ جانتے ہیں میں اس شخص کی موجودگی میں یہاں ایک لمحہ نہیں ٹھہروں گی، ناشتہ کرنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے بولی تھی۔

''تم حد سے بڑھ رہی ہو پریہان۔'' وہ اس کے چیخنے پر نہایت اشتعال میں آ چکا تھا۔

''ابھی میں کچھ بولی ہی نہیں ہوں تو حد سے بڑھتی ہوئی لگ رہی ہوں گر جو میں بول پڑی تو آپ کا یہ قاتل بھائی۔'' وہ بدلحاظ ہوئی تھی اور وہ اس پر ہاتھ اٹھا گیا تھا۔

''ایک لفظ مزید بولیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ دھاڑا تھا اس نے رخسار پر ہاتھ رکھے ایک ناراض بے بس نگاہ اس پر ڈالی تھی اور خاموش تماشائی بنے اشعل کو نفرت سے دیکھتی وہاں سے تقریباً بھاگتے ہوئے نکلی تھی، اشعل بھائی کے سامنے آ گیا تھا۔

''مجھے نہیں تھا اندازہ کہ بھابھی سب جانتی ہیں اس لئے وہ مجھے ناپسند کرتی ہیں۔'' اشعل گردیزی کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا اور اس نے اپنے طور پر تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ پریہان کو بھی سنا دیا تھا اور عمل کی تاکید بھی کی تھی مگر وہ ایک ہفتہ میں ہی اسے ادھوری سچائی بتا گئی تھی، اجمل گردیزی جو اس کے تیور دیکھ چکا تھا اس کے بعد اس نے بھائی کو مکمل سچائی بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا، جسے سن کر اشعل سکتے میں آ گیا تھا۔

''اتنی بڑی سچائی آپ نے مجھ سے چھپائی۔'' اس کے چہرے پر غصہ کی لہریں صاف محسوس ہو رہی تھیں۔

''میں نے تمہاری بھلائی کے خیال سے کیا جو بھی کیا۔'' وہ بھائی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ گیا تھا اشعل نے بھائی کا ہاتھ ہٹایا تھا اور نکلتا چلا گیا

تھا یہ زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا کہ اشعل ناشتہ کیے بغیر اس سے خفا ہو کر گھر سے نکل گیا تھا وہ غم و غصہ سے کھولتا اپنے کمرے میں آیا تھا وہ تکیہ پر سر رکھے اوندھی پڑی تھی۔

''پریہان!'' اس نے غصہ سے اسے پکارا تھا اس نے سیدھے ہوتے ہوئے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا اور وہ اس کا بھیگا چہرہ دیکھ دھیما پڑ گیا تھا۔

''تم اچھا نہیں کیا پریہان۔'' وہ بے بسی سے کہتا بیڈ کے کنارے پر آ بیٹھا تھا۔

''آپ نے میرے ساتھ اچھا کیا ہے؟'' وہ الٹا سوال کر گئی تھی۔

''میں نے پہلی نگاہ کی محبت کی ہے تم سے پری، یوں میری محبت کو نہ آزماؤ، میں اشعل کو دکھی نہیں دیکھ سکتا، میں تمہیں روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

''اشعل کو دکھی نہیں دیکھ سکتے تو اپنی طاقت کا استعمال کریں آپ اور اس کے لئے بازار سے خوشیاں خرید لائیں۔'' وہ اپنا ہاتھ چھڑائے بنا گہرے سکون سے بولی تھی اور وہ اس کا ہاتھ آزاد کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم میرے ضبط کو آزما رہی ہو۔'' وہ لب بھینچ کر غرایا تھا۔

''ضبط تو میرا بھی آپ آزما رہے ہیں، اپنے شوہر کی موت کے ذمہ دار شخص کے سامنے رہتے میں آزمائش سے ہی تو گزر رہی ہوں۔'' اس کے سکون میں کمی نہ آئی تھی۔

''یہ مت بھولو میں تمہارا شوہر ہوں، اس شخص سے اب تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' وہ اس کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہر تعلق ختم ہو سکتا ہے گردیزی صاحب، اگر کوئی تعلق جو نہیں ٹوٹتا، مر کر بھی ختم نہیں ہوتا تو وہ قلب کا تعلق ہے، میرے دل میں کل بھی قمر کی محبت بستی تھی، آج بھی میں صرف قمر سے محبت کرتی ہوں۔'' وہ بڑے سکون سے بولی تھی، شادی کی رات اس کا رویہ اس قدر نارمل تھا کہ اجمل گردیزی مطمئن ہو گیا تھا، مگر اب وہ دھیرے دھیرے اس کا اطمینان غارت کر رہی تھی۔

''تمہیں شرم آنی چاہیے پریہان، میرے نکاح میں ہو اور کسی غیر مرد کی محبت کا دم بھر رہی ہو۔'' وہ ذلت و رہانیت کے احساس سے سلگتا ہوا بول ہی تو پڑا تھا، وہ دھیمے سے ہنس دی تھی۔

''میں اتنی ہی بے شرم ہوں گردیزی صاحب، آپ کو شادی کرنے سے پہلے ہی بتا چکی تھی تو اب یہ شکوہ کیوں۔'' وہ اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی۔

''میں نرمی سے پیش آ رہا ہوں اس لئے تمہارے نخرے ہی کم نہیں ہو رہے۔'' وہ اس کا بازو دبوچ گیا تھا۔

''نرمی سے پیش آ رہے ہیں آپ، سختی سے پیش آئیں گے؟'' وہ پل پل اس کے اضطراب میں اضافہ کر رہی تھی اور وہ اس کا بازو چھوڑ کر کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ بیڈ پر گری ایک بار پھر رونے لگی تھی۔

☆☆☆

''تم خوش ہو پری!'' سامعہ اس سے ملنے آئی تھی۔

''قمر سے بچھڑ کر کیا میں خوش ہو سکتی ہوں؟'' وہ سامعہ کو نم آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔

''قمر بھیا تمہاری زندگی سے بہت دور جا چکے اب، تم کسی کی بیوی ہو ان کا خیال ذہن و دل سے نکال دو۔'' سامعہ نے اسے سمجھایا تھا۔

''بھول جانا چاہتی ہوں میں، لیکن بھول ہی نہیں پا رہی، بھولنے کی چاہ اسے اور یاد کروا دیتی

ہے۔'' وہ سسکنے لگی تھی، ایک ماہ فقط ایک ماہ میں اس کا ضبط بکھرنے لگا تھا۔

''کچھ دن تک رمضان شروع ہو رہے ہیں، تم اس ماہ مبارک میں اللہ سے اپنے لئے سکون اور قمر بھیا کی مغفرت کی دعا کرنا پری، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سامعہ اس کے رازوں کی امین تھی، اسے سمجھانے کے بجائے اس نے ایک نئی راہ دی تھی اور وہ اس بار دو دن رہنے کے بعد جب گھر دیزی مینشن پہنچی تھی تو پہلے سے زیادہ خاموش تھی، اشہل گردیزی نے خود ہی اس کے سامنے آنا چھوڑ دیا تھا اور یہ بات اجبل گردیزی کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی، اس کی زندگی ایکدم ہی تبدیل ہو کر رہ گئی تھی، ایک طرف اس کا جان سے عزیز بھائی تھا، اسے یاد تھا کہ جب اس کی ماما کی ڈیتھ ہوئی تھی وہ پندرہ سال کا تھا اور اشہل محض تین برس کا، اس کے ڈیڈی کو اس کی ماما سے بے حد محبت تھی، اس لئے انہوں نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور بزنس کی مصروفیات ایسی تھیں کہ وہ دونوں بیٹوں پر بہت زیادہ توجہ نہیں دے پاتے تھے اس لئے اجبل چھوٹے بھائی سے بہت اٹیچ ہو گیا تھا اس نے ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھا تھا اشہل کی تربیت و پرورش میں اجبل کا ہی زیادہ ہاتھ تھا اور چھ سال قبل جب اس کے ڈیڈی کی وفات ہوئی تھی اس کے بعد سے وہ اشہل کے لئے مزید حساس ہو گیا تھا اور اب زندگی اسے یوں آزما رہی تھی ایک طرف اس کا جان سے عزیز بھائی تھا اور دوسری طرف وہ لڑکی جس کے لئے اس نے محبت کو محسوس کیا تھا اور وہ دونوں فاصلے پر تھے، پریہان کا اس کو دیکھ کر نفرت سے رخ موڑنا اشہل کا بھابھی سے کترا کر ملنا، سب کچھ اسے تکلیف دے رہا تھا، مگر وہ کر کچھ نہیں سکتا تھا، وہ پریہان کو سمجھانے میں ناکام ہو چکا تھا وہ اس سے جب بھی کہتا کہ وہ اشہل کے ساتھ نارملی بی ہیو کرے وہ غصہ کرنے لگتی تھی، وہ عجب منجدھار میں پھنس گیا تھا دونوں کو ہی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا مگر دونوں کو ہی تکلیف میں دیکھ رہا تھا، ضبط سے گزر رہا تھا۔

☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو گیا تھا، اس کی ماما صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں، اس کے ڈیڈی بھی نماز کا خیال رکھتے تھے، پورے تو نہیں مگر چند ایک روزے رکھتے ہی تھے، اسے بھی روزہ رکھنے کی عادت تھی اور ڈیڈی کی وفات کے بعد سے تو وہ نماز روزہ کا کافی خیال خود بھی رکھنے لگا تھا اور اشہل پر بھی نگاہ رکھتا تھا کہ اس نے نماز پڑھی کہ نہیں، پریہان نے الارم لگایا تھا اور الارم کی آواز پر جاگ کر وہ فریش ہو کر ڈائننگ ہال میں پہنچی تھی اس نے رات ہی ملازمہ کو سحری میں کیا کھانا ہے بتا دیا تھا، اس نے زندگی کی پہلی سحری اکیلے بیٹھ کر کی تھی، وہ دودھ کا خالی گلاس رکھ کر پلٹی تھی کہ اس کی نظر اجبل گردیزی پر پڑی تھی، اسے اس وقت اس کے جاگنے کی امید نہ تھی وہ حیران ہوئی تھی مگر دوسرے ہی پل وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی، ان دونوں بھائیوں نے مل کر رمضان المبارک کے پہلے روزے کی سحری کی تھی پریہان کو کہاں امید تھی کہ وہ دونوں روزے رکھتے ہوں گے وہ بے حد حیران ہوئی تھی اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ شاید وہ پہلا روزہ رکھ لیتے ہوں، مگر چند دنوں میں ہی اس کی غلط فہمی دور ہو گئی تھی، وہ صرف پہلا رکھنے کے نہیں وہ تو تمام روزے باقاعدگی سے رکھنے کے عادی معلوم ہوتے تھے، پہلا روزہ افطار ہونے میں کوئی دس منٹ رہ گئے تھے اور اشہل گھر نہیں آیا تھا، اجبل

گردیزی اس کے لئے پریشان ہو رہا تھا کہ وہ پانچ منٹ قبل چلا آیا تھا، اس نے ملازمہ کو جوس کا گلاس اور ایک کھجور کمرے میں لانے کا کہا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا مگر اسے پریہان کی آواز پر رک جانا پڑا تھا۔

"افطاری ساتھ کرنے میں برکت ہوتی ہے۔" اس نے حیرت سے پریہان کو دیکھا تھا وہ یا انجل کچھ کہتے کہ اذان مغرب ہونے لگی تھی اور وہ اشھل کو آنے کا اشارہ کرتی ٹیبل پر چلی آئی تھی وہ دونوں بھی آبیٹھے تھے، وہ ڈیڑھ ماہ سے اس گھر میں تھی اور پہلی دفعہ وہ اور اشھل ایک ساتھ ڈرائننگ ہال میں موجود تھے، روزہ افطار کرتے انجل گردیزی نے ان لحات کو قائم رہنے کی دعا کی تھی اور پرسکون سا نماز مغرب کی ادائیگی کے لئے چلا گیا تھا اور دھیرے دھیرے وہ سحری بھی ساتھ کرنے لگے تھے۔

پندرہ روزے گزر گئے تھے، انجل گردیزی نے اسے عید کی شاپنگ کے لئے بازار چلنے کا کہا تھا مگر وہ معذرت کر گئی تھی، اس نے بھی پریہان سے بحث کرنا یا الجھنا مناسب نہیں سمجھا تھا، انیسویں روزے کی شب اس نے انجل گردیزی سے اعتکاف میں بیٹھنے کی اجازت طلب کی تھی، اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا وہ بہ خوشی اجازت دے گیا تھا اور اس کے کہنے پر کہ وہ اپنی امی کے گھر رہ کر اعتکاف کرنا چاہتی ہے، بڑی خاموشی سے اسے میکے چھوڑ گیا تھا، وہ بہت کم بولتی تھی، ضرورتاً ہی اس سے بات کرتی تھی مگر اس کے وجود کا وہ عادی ہو گیا تھا، اسے اپنا کمرہ سنسان لگنے لگا تھا، افطار پر اسے کھنکتی چوڑیاں یاد آجاتی تھیں، سحری میں نیند سے بوجھل پلکیں، یوں آنکھوں کے سامنے آئی تھیں کہ وہ ادھوری سحری چھوڑ کر اٹھ جاتا تھا، وہ ہر نماز میں دعا کرتا تھا کہ

پریہان اس کے بھائی کو سچے دل سے معاف کر کے اسے اپنا لے، اس کی محبت کو اپنا لے، اس نے رمضان کے آخری دس روزے پریہان کو یاد کرتے اس کے لئے عید کی شاپنگ کرتے ہوئے گزارے تھے اس کی بس یہی دعا تھی کہ وہ اس کی زندگی میں اب ایسے لوٹ کر آئے کہ دوری کا احساس نہ رہے، ساری دوریاں مٹ جائیں۔

انتیسواں روزہ تھا یہی امید تھی کہ آج چاند رات ہو جائے گی، اس نے ٹی وی کھولا ہوا تھا آٹھ بجے کے قریب اناؤنس ہو گیا تھا کہ کل پاکستان بھر میں عید الفطر روایتی جوش و جذبے کے ساتھ منائی جائے گی، مسکراتی ہوئی نیوز کاسٹر پیشگی عید مبارک کہہ رہی تھی اور اس کی آنکھوں کے سامنے پریہان کا چہرہ گھومنے لگا تھا، اس نے ملازمہ کو آواز دی تھی کچھ ہدایات دے کر وہ اشعل کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا اس نے بھائی کو گلے لگا کر چاند مبارک کہا تھا اور اشعل کو پریہان کو لینے جانے کا بتایا اور گھر والوں سے مل کر وہ پریہان کو لے کر گاڑی میں آ بیٹھا، راستہ بھر وہ دونوں ہی خاموش تھے کہ اچانک پریہان کی آواز پر اس کا پیر بریک پر جا پڑا تھا، وہ اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں اجمل۔'' وہ مسکرائی تھی اور اس کی حیرت دو چند ہو گئی تھی۔

''آپ مجھے گھر جا کر دل بھر کر دیکھ لیجئے گا فی الحال تو مجھے لے کر بازار چلیں، مجھے کانچ کی رنگ برنگیاں چوڑیاں دلائیں اور مہندی بھی لگوائیں۔'' وہ شادی کے مختصر عرصہ میں پہلی بار مسکراتے چہرے کے ساتھ اس سے کوئی فرمائش کر رہی تھی اجمل کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں، اسے اپنی دعاؤں کے اتنی جلدی مستجاب ہو جانے کی بے حد خوشی تھی، وہ پریہان کا ہاتھ تھام کر اس پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

''شکریہ پریہان۔'' وہ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر نظر جھکا گئی تھی، اس کا ان دونوں بھائیوں کے ساتھ رویہ کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا، اشعل کے ساتھ ناروا سلوک کرنا، اجمل سے الجھنا معمول کی باتیں تھیں، مگر رمضان کے آغاز پر اسے پتہ چلا تھا کہ وہ دونوں بھائی اس قدر بھی برے نہیں، جتنا وہ گمان کیے بیٹھی تھی، پہلے روزہ کو تراویح کے بعد جب وہ ملازمہ کو ہدایت دیتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی اشعل اس کے سامنے آ گیا تھا، وہ بے حد شرمندہ تھا، اپنی لاپرواہی اور جرم کا اعتراف کر رہا تھا وہ اس وقت تو اس سے کچھ نہیں بولی تھی مگر دھیرے دھیرے اس پر ان دونوں کی ہی خوبیاں کھل رہی تھیں، وہ جوان دونوں کو ہی بگڑے ہوئے امیر زادے سمجھتی تھی اس پر منکشف ہوا تھا کہ وہ دونوں ہی نماز روزے کے پابند ہیں، اجمل گردیزی صدقہ و خیرات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے اس کی آمدنی کا ایک کثیر حصہ اس نے بیوہ عورتوں کی کفالت کے لئے مختص کیا ہوا تھا وہ دولت مند تھا مگر اسے اپنی دولت پر گھمنڈ نہیں تھا اس نے طاقت و دولت کو استعمال کیا تھا تو صرف اپنے بھائی کے لئے کہ وہ اس کا دنیا میں واحد سہارا تھا اور جس وقت پریہان اس کے گھر آئی تھی وہ وہی لڑکی تھی جسے وہ ڈھونڈ رہا تھا اس لئے اس نے شادی کی بات کر ڈالی تھی اور قمر عالم کے گھر جا کر اس نے نیک نیتی کے ساتھ خون بہا کی بات کی تھی، وہ مجموعی طور پر ایک اچھا انسان تھا اس میں ہی چند ایک مخصوص خامیاں تھی وہ جو سوچے ہوئے تھی کہ وہ اسموکنگ، ڈرنکنگ کرتا ہوگا اس کے لئے لڑکیوں کے ساتھ افیئر ز ہوں گے اس کی ہر ایک سوچ باطل ہو گئی تھی اس نے اپنی واحد غمگسار

سامعہ کو سب کچھ بتا دیا تھا حالات اور واقعات بھی اور اپنی سوچ بھی اور سامعہ نے اسے یہی سمجھایا کہ وہ کفران نعمت نہ کرے قمبر اس دنیا میں نہیں رہا وہ زندگی میں اسے بھول کر آگے بڑھ جائے، اسے سامعہ کی بات ٹھیک لگی تھی مگر عمل نہیں کر پا رہی تھی، اس نے اعتکاف کا سوچا تھا اور عبادت کے دوران اس نے رب سے اپنے لئے سکون مانگا تھا اس نے اشھل کو دل سے معاف کر دیا تھا اور انجل کے ساتھ زندگی میں آگے بڑھنے کا فیصلہ کرتی مطمئن ہو گئی تھی اس نے چوڑیوں اور مہندی کی فرمائش کی تھی اور انجل کا چہرہ جس طرح کھل اٹھا تھا اسے اپنے گزشتہ رویے پر ندامت ہونے لگی تھی۔

''آئی ایم سوری انجل۔'' وہ نم لہجہ میں بولی تھی۔

''تم حق پر تھیں پری۔'' وہ مسکرا دیا تھا اور وہ مطمئن ہو گئی تھی وہ اس کے لئے پہلے ہی شاپنگ کر چکا تھا مگر اب اسے اس کی پسند کی چیزیں دلا رہا تھا اور وہ ایک جینٹس شاپ میں آ گئی تھی، انجل نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''آپ کے اور اشھل کے لئے عید کا تحفہ لینا ہے۔'' انجل کی آنکھوں میں بے یقینی در آئی تھی، وہ اشھل کا ذکر اتنی محبت و احترام سے کر رہی تھی کہ انجل کا دل رب کی رحمت و نعمتوں کے آگے سجدہ کرنے لگا تھا۔

''پسند میری ہو گی، پیمنٹ آپ نے کرنی ہو گی۔'' وہ مسکرائی تھی اور وہ اس کے ساتھ مل کر کپڑے پسند کرنے لگا تھا، وہ دونوں ہنسی خوشی گھر لوٹے تھے اشھل ٹی وی پر کوئی پروگرام لگائے بیٹھا تھا اس نے قدرے جھجک کر پریہان کو سلام کیا تھا، جس کا اس نے بڑی گرمجوشی سے جواب دیا تو وہ متحیر ہو گیا تھا۔

''جو بیت گیا اسے بھول جاؤ اشھل زندگی کی اصل خوبصورتی مل جل کر رہنے میں ہے۔'' وہ اس کی حیرت کے جواب میں نرمی سے بولی تھی اور ایک گفٹ اس کی طرف بڑھایا تھا جسے وہ شکریہ کے ساتھ تھام گیا تھا، مطلع صاف ہو چکا تھا انجل بھائی اور بیوی کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا، اشھل نے ابھی آنے کا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی تھی اور جب لوٹ کر آیا تھا تو اس کے ہاتھ میں ایک گفٹ پیک تھا۔

''یہ آپ کے لئے ہے۔'' وہ بھابھی کو احترام سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ تم نے کب لیا؟'' انجل گردیزی نے حیرت سے بھائی کو دیکھا تھا۔

''دو دن پہلے ہی لے لیا تھا۔'' وہ مسکرا کر بتا رہا تھا اس نے گفٹ اوپن کیا تھا، ایک سیاہ کشمیری چادر تھی وہ اشھل کا شکریہ ادا کر گئی تھی اور جس

وقت کمرے میں آئی تھی اس کا استقبال پھولوں نے کیا تھا وہ بیڈ پر بکھرے گفٹس کو دیکھتی اسجل گردیزی کے مسکراتے چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا اسجل کہ معاف کر دینے کے بعد زندگی اتنی حسین ہو جاتی ہے۔'' وہ مطمئن نظر آرہی تھی اور اسجل نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بتا دیا تھا کہ اس نے پہلی دفعہ اسے کہاں دیکھا تھا اور کیسے اس کے لئے خوار ہو رہا تھا، وہ پریہان سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا تب وہ بول پڑی تھی۔

''اسجل! میں نے صرف قمر سے محبت کی ہے، لیکن میں اسے بھلا کر زندگی میں آپ کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتی ہوں، اگر کبھی میری طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے تو پلیز درگزر سے کام لیجئے گا کہ میں قمر کے بچھڑنے کے بعد تو جی گئی، آپ کو کھو کر جی نہیں پاؤں گی۔'' وہ نم آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے تھی اس نے پریہان کے مہندی سے سجے حسین ہاتھ تھام لئے تھے اور اپنی محبت اور اپنے ساتھ کا اسے یقین بخشا تھا، آج کی چاند رات ہی نہیں ان دونوں کا یقین تھا صبح عید بھی ان کے لئے روشن محبت کا سویرا لے کر طلوع ہونے والی ہے کہ جو لوگ دوسروں کی برائیوں کو نظر انداز کر کے اچھائیوں پر نظر رکھتے ہیں دوسروں کو معاف کر کے زندگی میں آگے بڑھتے ہیں ان کے لئے زندگی سہل ہو جاتی ہے، اسجل گردیزی نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''چاند کو چاند رات مبارک ہو۔'' اور وہ کھلکھلا دی تھی، اسجل گردیزی نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ لیا، عہد کیا تھا کہ وہ اسے یونہی ہنستا مسکراتا رکھے گا اس کے باعث اس کی زندگی میں کوئی دکھ تکلیف نہیں آئے گی۔

☆☆☆

صبح عید بڑی چمکیلی طلوع ہوئی تھی وہ اسجل کے جاگنے سے قبل ہی جاگ اٹھی تھی اور تیار ہو کر وہ کچن میں چلی آئی تھی اس نے کچن میں کچھ بنانے کے لئے آج پہلی دفعہ قدم رکھا تھا، عید کی سوغات شیر خورمہ تیار کیا تھا اور وہ دونوں بھائی جس وقت عید کے کپڑے پہن کر لاؤنج میں آئے تھے اس نے ان دونوں کا مسکرا کر استقبال کیا تھا، وہ دونوں بھائی کھجور اور شیر خورمہ کھا کر عید کی نماز کے لئے چلے گئے تھے، اس نے اپنی نگرانی میں ملازمہ سے کھانا بنوایا تھا اس نے اسجل گردیزی سے ہی نہیں اشعل سے بھی عیدی لی تھی جبکہ اس نے صاف کہا بھی تھا کہ وہ بھابھی ہے عیدی تو اسے دینی چاہیے مگر وہ صاف کہہ گئی تھی کہ عیدی بہن اور بھابھی کا حق ہوتا ہے، اسجل گردیزی اس کے اس حسین بے تکلف زندگی کے شیریں روپ کو دیکھ کر رب کا شکر ادا کرتا اسے لئے اس کے میکے چلا آیا تھا، وہ بے حد خوش تھی اس نے معاف کر کے زندگی کی حقیقی خوشیاں پا لی تھیں، ڈرائیونگ کرتے اسجل گردیزی نے اسے یاد دلایا تھا کہ اس نے اب تک اسے عید مبارک نہیں کہا جبکہ وہ اس سے عیدی بھی وصول چکی تھی، مگر وہ کہاں توجہ دے رہی تھی وہ اس کے حسین روپ کو دیکھ رہا تھا سبز رنگ کے اسٹائلش سوٹ میں سلیقہ سے کیا میک اپ بھر بھر کانچ کی سبز چوڑیاں مہندی سے سجے خوبصورت ہاتھ، اسجل گردیزی کو زندگی حسین لگنے لگی تھی، وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے عید کی مبارک دے مگر وہ ان سنا کر رہی تھی، اس نے اب کے مصنوعی خفگی دکھائی تھی اور وہ مسکرا کر اسے عید مبارک کہہ گئی تھی، زندگی مسکرانے لگی تھی کہ زندگی کا اصل مزہ روٹھنے منانے میں ہی ہے۔

☆☆☆

سچی لگن
قرۃ العین رائے

''اچھا پہننا اور اچھا کھانا کس کی کمزوری نہیں میری بھی ہے، نہیں بلکہ میری بھی تھی جسے میں اچھا کھانا سمجھتی تھی وہ میری صحت کا دشمن تھا اس بات سے انجان میں ہر روز اپنی زبان کے سواد کو پورا کرنے کے لئے اپنے جسم کے ساتھ کھیل رہی تھی۔'' کچھ پل کے لئے توقف کر کے اس نے سامنے بیٹھے حاضرین پر ایک نظر دوڑائی سب اسے بہت توجہ سے سن رہے تھے، ڈائس پر کھڑی مائیک کو قدرے اور قریب کرتے ہوئے وہ پھر سے گویا ہوئی۔

☆☆☆

اسے معلوم نہیں تھا یہ سفر اتنا کٹھن اتنا دشوار ثابت ہوگا وہ تنہا تھی اپنی اس لڑائی میں ایک اس کا جسم اور دماغ ہی اس کے ساتھ تھے جو ہر روز اسے کہتے تھے کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اسے آگے بڑھنا ہے اور وہ بڑھ رہی تھی، ہر رکاوٹ کو عبور کرتی ہوئی۔

''آخر کیا ضرورت تھی تمہیں گھر سے اپنا یہ فضول سالن لے جانے کی خواہ مخواہ تمہاری وجہ سے مجھے باتیں سننا پڑی اور اوپر سے بھابی کو بھی لیکچر دینے بیٹھ گئی کبھی بھی تمہاری کم عقلی مجھے کوفت کا شکار کر دیتی ہے۔'' غصے سے گفتگو کا آغاز کرنے والا اب آخر میں اس کا خاموش چہرہ دیکھ جھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

''آئندہ خیال رکھوں گی۔'' بس یہی ایک جملہ جو آگے سے سننے کو موصول ہوتا کہہ کر وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

اس نے ایک پل کو اس کی پشت پر غور کیا تھا، ''پہلے سے کتنی بدل گئی ہے۔'' دل نے اس بات کی تائید کی تھی اور یہ تبدیلی کافی مثبت تھی وہ دل میں مسکرا اٹھا تھا اسی لئے کچھ بھی مزید کہے بغیر باتھ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

''ارے بس کرو یار اب اور کتنا وزن کم کرو گی ہڈیوں کا ڈھانچہ بنتی جا رہی ہو، منہ دیکھا ہے مائی لگ رہی ہو، تمہارے گھٹنے جواب دے جائیں گے، وزن کم کرنا صحت مندی کی نشانی نہیں ہے، اف توبہ تمہاری تو آنکھیں تک اندر گھس گئی ہیں، بہت کمزور ہوگئی ہو، بس کر دو بھئی بس۔''

یہ وہ جملے تھے جو تقریباً ہر دوسرے تیسرے روز اس کے جاننے والوں سے اسے سننے کو مل رہے تھے وہ سمجھتی تھی کہ دنیا موٹے لوگوں کو نہیں جینے دیتی یہاں تو الٹ ہو رہا تھا دنیا تو پتلے ہو جانے والوں کو بھی نہیں جینے دیتی۔

''میرا ٹارگٹ ابھی پورا نہیں ہوا۔'' ڈائننگ ٹیبل پر ابلا دلیہ کھاتے دیکھ کر ماہم اسے اسفند نے پوچھا تھا کہ ابھی اور کتنا وزن کم کرنا ہے جبکہ وہ خود اس کے ہاتھوں کا بنا لذیذ مرغ پلاؤ تناول کر رہا تھا کھانے کا اتنا فرق دیکھ کر وہ پوچھے بنا نہیں رہا تھا۔

''اور تمہارا ٹارگٹ کتنا ہے۔''

''میری ہائیٹ اور عمر کے حساب سے تقریباً میرا BMI 55kg بنتا ہے جبکہ میں ابھی 62kg ہوں۔'' سنجیدگی سے جواب آیا تھا، اور وہ اس کی اتنی معلومات پر حیران ہوا تھا۔

''تمہیں یہ IBM وغیرہ کا کیسے علم؟''

''نیٹ سے کافی سرچ کرتی ہوں میں اس کے بارے میں اور پھر جم میں انسٹرکٹر بھی بتاتی ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ برتن سمیٹتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''تم واقعی بہت بدل گئی ہو جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی۔'' وہ اس کی تعریف اور تنقید بھرے لہجے کو باخوبی پہچاننے لگی تھی اس

اس کی آنکھیں ایک پل کو جگمگا اٹھیں تھیں اور لب دھیمے سے مسکائے تھے پر اس کی تعریف کی گئی تھی۔

اور اسفند بیڈ روم میں لیٹ کر اِدھر اُدھر کام کرتی ماہم کو دیکھتے ہوئے پہلے والی ماہم کا دل میں موازنہ کرر ہا تھا وہ ماہم جو 95kg کی تھی جسے فلیٹ میں اپنے بھرے ہوئے بلکہ پھیلے ہوئے جسم کے ساتھ چلتا دیکھ کر بعض اوقات وہ طنز کر اٹھتا تھا کہ تیسری منزل پر بنا یہ فلیٹ کسی دن اس کے چلنے پھرنے سے زمین بوس ہو جائے گا وہ ماہم جو بازاری مشروبات، زنگر برگر، پزا اور بازاری کھانوں کی دلدادہ تھی۔

آج ابلی سبزیاں، پھل اور سلاد ہی کھاتی تھی نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ گھر سے چند فرلانگ دور خواتین کے جم کو جوائن کرنے کی اجازت مانگی فیس بھی معقول تھی اس لئے اسفند نے اجازت دے دی اور پھر تقریباً چھ مہینوں میں ماہم نے خود کو اتنا تبدیل کر ڈالا کہ اسفند تک حیران رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''نہیں امی! آج کل کے دور میں موٹاپہ صحت مندی نہیں بلکہ بلڈ پریشر، کلیسٹرول، شوگر جیسی بیماریوں کو دعوت دینے کا نام ہے، ماہم کی جم کی فیس مجھ پر ہرگز بھاری نہیں جبکہ دوسرے تیسرے دن مہنگے ترین ڈاکٹروں کی فیس بھرنے سے۔''

''ارے اس کا منہ بھی تو دیکھو، پچک کر رہ گیا لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ سسرال والے یا میاں خوش نہیں رکھتا جو سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے، خواہ مخواہ لوگوں سے باتیں کروا رہے ہو۔''

ہر اتوار ماہم اسفند کے ساتھ اپنے سسرال آتی تھی جو ان کے فلیٹ سے ڈیڑھ گھنٹہ کی ڈرائیو پر تھا اور وہ جب بھی آتی ایسی ہی کچھ باتیں ساس یا جیٹھانی کی سن کر جاتی شروع شروع میں وہ قدرے پریشان ہوئی تھی لیکن اب کان دھرنا چھوڑ دیا تھا لیکن آج وہ اسفند کو اپنی سائیڈ لئے دیکھ کر حیران ہو گئی تھی، بے شک اچھی نیت اور اچھے کام کا صلہ ضرور ملتا ہے اسے بھی مل رہا تھا۔

''ارے پچھلی دفعہ ہم لوگ بریانی کھا رہے تھے اور یہ کچن میں مویا سلاد پتے چر رہی تھی تمہاری خالہ صفیہ نے آتے ہی دیکھ لیا اور بعد میں طنز کر کے گئی کہ بہو بے چاری پر اتنا ظلم کہ اسے ساتھ بیٹھ کر بریانی کھانے کا بھی حکم نہیں۔'' اسفند کی امی کا جس وجہ سے موڈ خراب تھا آخر کار وہ ظاہر کر ہی دی۔

''لوگوں کی باتوں پر دھیان نہ دیا کریں، یہ وہ ہی خالہ صفیہ ہے ہیں جو ماہم کے موٹاپے کا مذاق اڑاتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ کیا تم لوگوں کے حصے کا کھانا بھی ماہم کھا جاتی ہے کوئی پوچھے تو کہہ دیا کریں وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا پسند نہیں کرتی جل جل کر کمزور ہو گئی ہے۔''

''ارے خواہ مخواہ کہہ دوں سارا دن آ کر یہاں پر بے شمار کام کرتی اتنے مزے کے کھانے بناتی اور خود نہیں کھاتی تو دل جلتا ہے۔'' اماں نے فوراً رائے بدلی۔

''اچھا چھوڑیں پہلے والی بارہ من کی ماہم اچھی یا اب کی یہ سوکھی چمڑی والی۔'' اسفند نے اماں کو چھیڑا، ماہم اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

''ارے اب تو بہت پیاری ہو گئی ہے تیری خالہ میں میری جان تھی مرتے ہوئے وہ ماہم کا ہاتھ تیرے ہاتھوں میں سونپنے کا وعدہ لے کر مری جانتی تھی کہ اس کی بھاری بھر کم بیٹی کو بیاہنے کون آئے گا اور تو بھی ایسا فرمانبردار کہ جھٹ مان گیا دل جلتا تھا کہ شاید کہیں انجانے میں بہن کی محبت

میں میں نے تیرے ساتھ زیادتی کر دی لیکن جب سے ماہم نے اپنا وزن کم کرلیا ہے دل سے یہ بھاری بوجھ اتر گیا، اب ایسے دوبارہ سے بارہ من کی نہ بننے دینا۔'' اماں نے جذباتی انداز میں کہتے ہوئے آخر میں اسفند کے قریب کھسکتے ہوئے ہدایت کی اور اسفند کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''اماں وہ خود بھی نہیں بننے والی اسی لئے تو سلاد اور پتے چرتی رہتی ہے۔''

☆☆☆

''لو بھئی رمضان کا سودا لے آیا ہوں خیر سے پرسوں سے پہلا روزہ ہے سنبھال لو۔'' واپسی پر اسفند تھیلوں سے لدا پھندا گھر میں داخل ہوا۔

''کیا تھا اگر مجھ سے پوچھ کر جاتے میں نے تو رمضان میں بھی روزہ میں بھی اپنی Healthy diet ہی رکھی ہے اور یہ لے آئے ہوں گے بیسن، دہی پھلکیاں، سوفٹ ڈرنک اور ایسا ہی الم غلم۔'' دل میں کڑھتی ماہم شاپر پکڑے کچن میں داخل ہوئی اور سامان کو کیبنٹ میں سمیٹنے کے لئے شاپر کھولے۔

''پینٹ بٹر، براؤن رائس، سونف، بادام، تازہ پائن ایپل، املی آلو بخارا، براؤن شوگر، ایپل سائیڈ، ونیگر، دارچینی اور نہ جانے ایسا ہی بہت کچھ۔''

''اسفند یہ سب تو میرے لئے، میرا مطلب یہ سب آپ کھائیں گے۔'' زیتون کے تیل کی بوتل کو ہاتھ میں پکڑے، وہ قدرے حیران اور بوکھلائے لہجے میں اسفند سے گویا ہوئی جو فریج میں سے پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔

''یہی سب کھائیں گے۔''

''پھیکا دلیہ، سلاد اور پھل وغیرہ آپ کھالیں گے؟'' دلیہ کا پیکٹ ہوا میں لہراتی ہوئی وہ پھر بولی۔

''تم کھا سکتی ہو تو میں کیوں نہیں یہی سب کھا کر تم اتنی دبلی اور خوبصورت ہوگئی ہو ناں اور اس عید پر تم بیس سال کی حسین لڑکی لگو اور میں پینتیس سال کا ڈھلتا ہوا مرد ہرگز نہیں آفس میں بیٹھ بیٹھ کر میرا کچھ وزن بڑھ گیا ہے انشاء اللہ روزہ میں مجھے اپنا ٹارگٹ پورا کرنا ہے اور عید کے روز ہم دونوں کو چاند سورج کی جوڑی لگنا ہے۔''

اس کے کافی قریب کھڑے ہوکے اسفند نے مدھم سے لہجے میں کہا اور وہ ایک پل کو بلش کر گئی۔

''بہت پیاری لگتی ہو شرماتی ہوئی تمہاری محنت رنگ لائی تم نے یہ سب میرے لئے کیا ہے ناں کہ بڑوں کے فیصلے کی وجہ سے ایک موٹی کو میرے پلے باندھ دیا گیا دل اداس تھا لیکن میں نے تمہیں نکاح کے بعد قبول کرلیا تھا اور جب تم نے جم جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے لگا یہ تمہارے بس کی بات نہیں بچپن سے تم ایسی ہی تھی گپلو سی موٹی اور تم نے اپنا وزن کبھی کم نہ کیا اب بھلا کیسے ہوتا لیکن تم نے ثابت کر دکھایا سچی لگن سچی ثابت ہوتی ہے۔'' اسفند نے اس کے ہاتھ سے جو کا دلیہ ایک طرف رکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''ہاں اسفند یہ سب میں نے شروع آپ کی خاطر ہی کیا تھا لیکن پھر جیسے میں نیٹ پر اور جم میں موجود لوگوں سے معلومات حاصل کرتی گئی مجھے گویا خزانہ مل گیا اچھی اور صحت مند زندگی کا خزانہ اور میرا دل کرتا تھا کہ آپ بھی صحت مند زندگی گزاریں لیکن کہتے ڈرتی تھی آپ بہت کم گو اور سنجیدہ مزاج ہیں ناں۔''

''اتنا کم گو اور سنجیدہ مزاج بھی نہیں ہوں، خاص طور پر اپنی اس چھیل چھبیلی کے ساتھ۔'' اسے بانہوں میں بھر کر وہ گویا ہوا اور دونوں ہی

کھلکھلا کر ہنستے چلے گئے۔

☆☆☆

''تو پیاری بہنو! آج میں بلکہ ہم ایک خوش حال اور صحت بھری زندگی گزار رہے ہیں، سنت نبوی پر عمل کر کے جس میں پورے دن کا شیڈول ترتیب پاتا ہے کب پانی پینا، پیٹ بھر کر نہیں کھانا، کب سونا ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''یہ میری چھوٹی اور عام سی کہانی ہے اگر آپ میں سے کوئی ایک بھی اس سے متاثر ہو کر موٹاپے جیسی بری عادت سے چھٹکارا پا سکے تو میری یہ کہانی اس کے لئے خاص بن جائے گی۔'' وہ مسکراتی ہوئی اسٹیج سے اتر آئی آج جم میں وزن کم کرنے والی خواتین ان خواتین کو اپنے تجربات کی روشنی میں اپنے وزن کم کرنے کی کہانی سنا رہی تھیں جس کا خاص اہتمام جم کی منتظمہ نے کروایا تھا باقاعدہ اسٹیج لگوا کے۔

''میں تو سمجھتی تھی کہ بس جم آ کر ورزش کرنے سے ہی وزن کم ہو جائے، مجھے کیا معلوم کہ صحت بھری زندگی کے لئے صحت بھرا کھانا بھی ضروری ہے آپ کی کہانی نے مجھے بہت متاثر کیا اب میں بھی اپنے میاں کو دبلی پتلی سی لڑکی بن کر دکھاؤں گی۔'' ایک بھاری بھر کم خاتون نے اس کے قریب آ کر کہا۔

''کیوں نہیں ضرور اور یہ ناممکن نہیں ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کی اور پھر سب کو خدا حافظ کہتی ہوئی وہ اپنے فلیٹ کی جانب چل پڑی اسفند آنے ہی والے تھے روزہ کھلنے میں ابھی تھوڑا وقت رہ گیا تھا اور افطاری وہ دونوں کھجور کے ساتھ کرتے اور نماز کے بعد [illegible] پیتے تھے اسے جا کر ایک صحت بھری [illegible] کی تیاری کرنی تھی یہ سوچتے ہی وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

''عرصہ ہو گیا میں نے اور اسفند نے لفٹ کا استعمال چھوڑ دیا سیڑھیاں ہی چڑھتے اترتے ہیں۔''

''یہی زندگی ہے۔'' [illegible]

☆☆☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

حنا اصغر
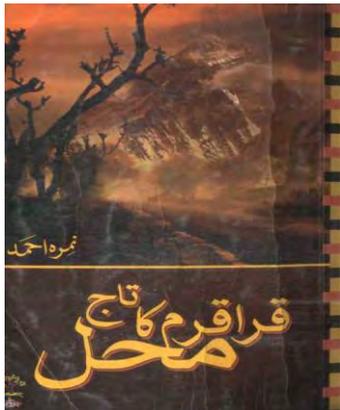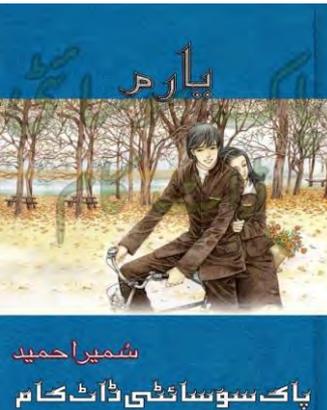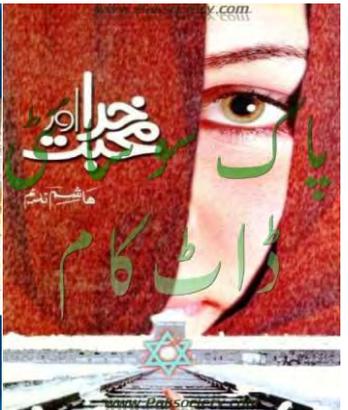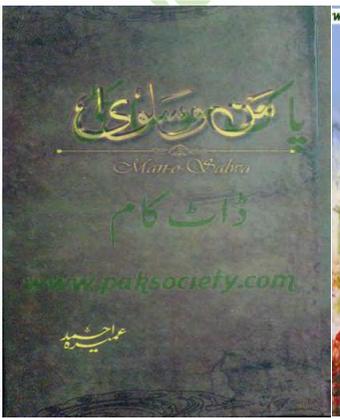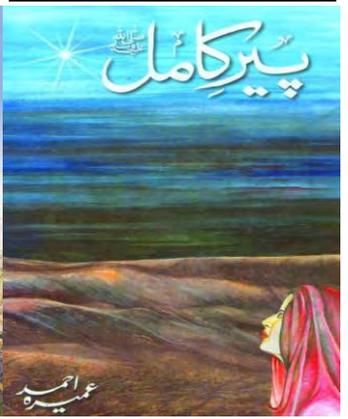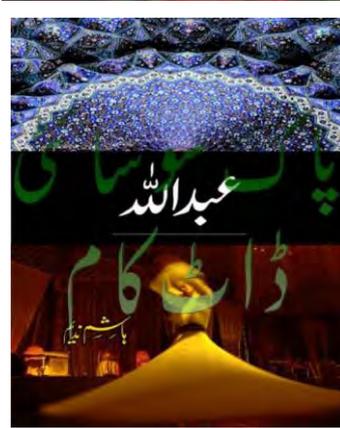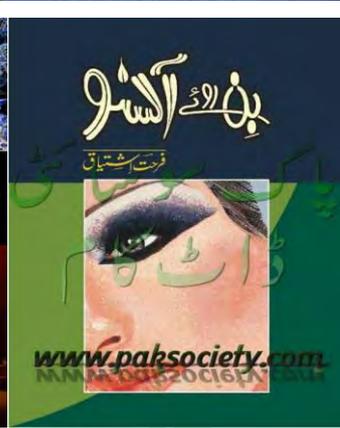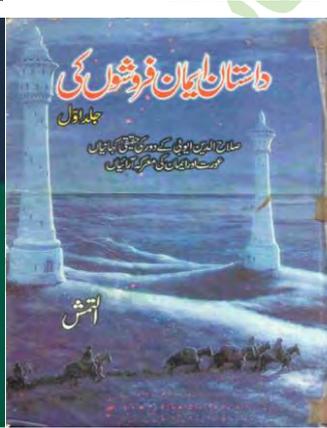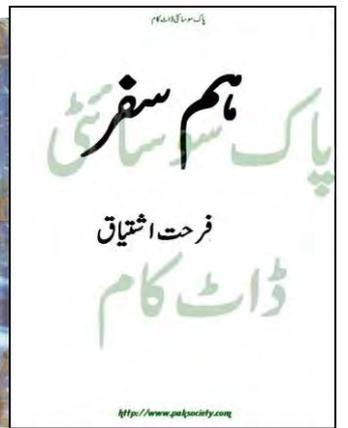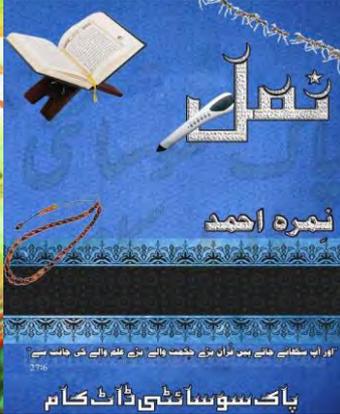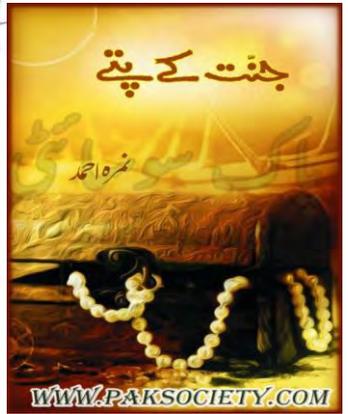
رمضان المبارک کے مہینے کی شروعات تھی، آدھی رات گزر چکی تھی یہ وہ وقت تھا جب سب گھر والے تراویح پڑھ کر اب سو رہے تھے لیکن اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی، ایشا کمرے میں دائیں بائیں چکر لگا لگ کر جب تھک گئی تو بیڈ پر بیٹھ گئی، اس نے گھڑیال پر ایک سرسری نگاہ ڈالی بڑا اور چھوٹا کانٹا بارہ کے ہندسے پر رک چکا تھا اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر نیچے جھانکا جہاں ہنوز خاموشی اور تاریکی کا راج تھا اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھول دی آسمان پر چھائے ستاروں نے اس کا خیر مقدم کیا دور سے آتی نعتوں کی آوازیں ماحول پر فسوں طاری کر چکی تھیں کافی دیر تک وہ بے دھیانی اور کھوئے کھوئے انداز کے ساتھ کھلی کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگائے کھڑی رہی جس زندگی کا وہ انتخاب کرنے جا رہی تھی اس میں صرف رسوائی اور خسارہ ہی تھا، باپ بھائی کی بدنامی تھی ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی

ناول

نسوانیت اور آبرو کا مان داؤ پر لگانے جا رہی تھی، کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ کے سوالیہ نشانات اس کی آنکھوں کے سامنے ایستادہ تھے اگر پیچھے پل صراط تھا تو آگے بھی ایک آگ کا دریا تھا جس کو طے کرنے کے لئے ساری زیست کی قربانی چاہیے تھی اس کا موبائل بجا اس نے بیڈ پڑا فون سرعت سے اٹھایا کائنات کے ان گنت ایس ایم ایس اسکرین پر جگمگا رہے تھے۔

''تو وہ آفاق بھائی ہیں؟ تم جانتی تھی؟ ایشا تم نے مجھے بتایا ہی نہیں؟'' لاکھ چاہنے کے باوجود بھی اپنی بوجھل ہوتی طبیعت کے سبب وہ کائنات کو ری پلائے نہیں کر پائی، اس نے موبائل بیڈ پر پٹخ دیا۔

وہ اٹھنے کو تھی جب موبائل کی ٹوں ٹوں نے

ایک بار پھر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی اس نے دھندلائی ہوئی نگاہیں اسکرین پر دوڑائیں صیغم کا ایس ایم ایس آیا تھا اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور نگاہیں ایس ایم ایس پر مرکوز کرلیں۔

ابھی کچھ دیر پہلے رات نے پلکیں جھکائی ہیں
میری مٹھی میں اب تک
رات کی پلکوں سے ٹوٹے کچھ ستارے ہیں
دکھوں کے استعارے ہیں
میں ان کو دیکھتا ہوں تو
میری آنکھوں میں ڈھیروں خواب
تعبیروں کے دکھ میں کوئی چہرہ سوچتے ہیں
اور وہ چہرے
شناسا شناسا سے
کئی چہروں میں تبدیل ہوتا ہے
سفر تحلیل ہوتا ہے
پھر ان چہروں سے یادوں کے کئی منظر ابھرتے ہیں
نظر میں رقص کرتے ہیں
وہ چہرے
جو میری تنہائیوں کے اشک بارے میں
مجھے ہر حال میں خود سے بھی پیارے ہیں
سب ہی چہرے تمہارے ہیں

"I am waiting (میں انتظار کررہا ہوں)۔" اس نے اشکبار نگاہوں سے صیغم کے میسجز پڑھے جبکہ دل ابھی بھی شش و پنج میں مبتلا تھا، وہ خود اپنی مرضی اور منشاء سے اپنے گلے میں بدنامی کا طوق ڈالنے جارہی تھی، اپنے بچپن اور ان کی یادوں کو رہن رکھوانے، اپنی جوانی داغدار کرنے، اپنی پارسائی کو مشکوک و شبہات کے کڑے امتحانوں سے گزارنے، ماں باپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے، اس کی پارسائی اور نسوانیت پر لوگوں کے سوالات اور انگلیاں اٹھائی جائیں گی، اس کے کردار کی دھجیوں کی زد میں ماں باپ کی تربیت شامل کر جائے گی، کیا یہ صحیح راستے ہے؟ جس کا وہ انتخاب کرنے جارہی تھی۔

اس نے رک کر اپنے دل سے پوچھا اندھیرے میں اور سب سے چھپا کر کیا جانے والا کام کب درست ہوتا ہے، دماغ سے آگے بڑھ کر گواہی دی لیکن دل اس کے مقابلے پر اتر آیا، لٹھ مار انداز میں بولا۔

"وہ مرجائے گا تمہارے نکاح والے دن ہی اس کی خودکشی کا عندیہ تم سنو گی پھر بتاؤ اس انسان کے ساتھ رہ پاؤ گی جس کے ساتھ نہ دل ملے گا اور نہ ہی دماغ، وہ کوئی سڑک چھاپ عاشق نہیں ہے جو تم سے افیئر چلائے گا لیکن شادی نہیں کرے گا وہ تمہارا بچپن کا منگیتر ہے تمہاری بہن کا دیور ہے پھپھوزاد ہے تمہارا اپنے رشتوں کے باوجود بھی تم شش و پنج کا شکار ہو۔"

دل گواہی دینے پر آیا تو ابہام مشکوک کی سرخ پرتیں چھٹتی ہی چلی گئی، اس نے سرعت سے اس کو صحیح کہا۔

"میں آرہی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا بلیک پرس اٹھایا اس میں اس نے اپنی ضرورت کی دو تین چیزیں رکھیں وہ جیسے ہی اپنے کمرے سے باہر نکلی پورے گھر میں سناٹا گونج رہا تھا۔

خاموشی کی دبیز پرتوں نے اس کا خیر مقدم کیا، سیڑھیاں اتر کر وہ ڈرائنگ روم میں آگئی، شل اعصاب لرزتے پاؤں اور ڈگمگاتے دل کے ساتھ وہ آگے بڑھنے لگی، اس کے پورے جسم میں خوف کی برقی لہریں گردش کرنے لگیں، اس کو ایسا لگنے لگا کہ جیسے ہی وہ اس گھر سے قدم باہر نکالے گی ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر گر جائے گی، طویل

لان کو عبور کرنا اس کے لئے مشکل ترین مرحلہ ثابت ہوا، لان کے وسط میں رک کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا ایک نگاہ اس نے اپنے پیارے گھر پر ڈالی جہاں اس کے پیارے رہتے ہیں، اس گھر میں اس کا بچپن اس کا لڑکپن گزرا تھا اس گھر کے درو دیوار اس کے ماضی اس کی یادوں کے امین تھے، کیا وہ پھر کبھی اس گھر کو دیکھ پائے گی یا پھر اس کے گھر والے اس کو پہلے جیسی عزت اور اہمیت دے پائیں گے جبکہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے ان کی محبتوں کو طوق سمجھ کر پھینک کر جا رہی ہے۔

''ایشا جلدی آؤ دیر ہو رہی ہے۔'' اس کا موبائل بجا اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر نگاہ ڈالی صیغم کا میسج تھا، وہ آگے بڑھنے کو تھی کہ امی کی دلدوز آواز نے اس کے رہے سہے اوسان خطا کر دیئے، وہ چیخ چلا رہی تھیں پرس اس کے ہاتھ سے نیچے جا گرا، تو کیا امی کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ گھر سے بھاگ رہی ہے؟ اس نے حواس باختہ انداز میں گھر کے عقبی حصے کی جانب دیکھنے کی سعی کی لیکن کچھ نظر نہیں آیا وقت کم تھا اس کو جلد از جلد فیصلہ کرنا تھا گھر کے اندر جانا تھا یا پھر گھر سے باہر جانا تھا۔

''آفاق...... آفاق...... عیشا دیکھو تمہارے ابو کو کیا ہوا ہے۔'' امی کی آواز نے اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔

ابو کو کچھ ہوا تھا لیکن کیا......؟ وہ اندھا دھند گھر کے اندرونی حصے کی جانب بھاگی راستے میں دو گملوں سے الجھ کر وہ نیچے جا گری سرپٹ بھاگنے کی وجہ سے اس کی چادر کا کونا کسی گملے کے جھاڑ دار کانٹوں میں الجھا تھا، پاؤں کا جوتا لان میں ہی گر گیا تھا، لیکن پرواہ کسے تھی اس کی متاع حیات پر کڑا وقت آن پڑا تھا، لان کا وسیع فاصلہ عبور کرنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی وہاں سے بائیں جانب ابو کا کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا آفاق بھائی ابو کو گود میں اٹھا کر لا رہے تھے، امی رو رہی تھیں اور اگر اگر یہ سب کچھ اس کے جانے کے بعد ہوتا تو اس کی ماں پر دو قیامتیں بیک وقت واقع ہوتیں ایک شوہر کی ابتر حالت اور دوسری بیٹی کی بھاگ جانے کی خبر۔

وہ امی کے گلے لگ گئی شرمندگی اور پشیمانی کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اس کو اب ایسا لگنے لگا جیسے اس کے سوئے ہوئے اعصاب اور غفلت میں ڈوبے ہوئے دل کو کسی نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا ہو اور بتایا ہو کہ تم بیٹی ہو، اس گھر کی عزت اور حرمت کی امین تم ہی ہو، باپ بھائی کی پگڑیاں تمہاری شرافت اور عصمت کی پاکیزگی سے جڑی ہیں جہاں تمہارے کردار میں ہلکی سی کجی پیدا ہوئی تمہارے پاؤں ڈگمگائے ان کی دستاریں نیچے آ گرے گی۔

امی آفاق بھائی کے ساتھ ہوسپٹل چلی گئی، جاتے ہوئے اس کو تاکید کر کے گئی کہ وہ اللہ سے اپنے باپ کی زندگی کی دعا کرے وہ سر جھکائے کھڑی رہی اس حرکت کے بعد تو اس کا دل خود کو شوٹ کرنے کو چاہ رہا تھا۔

وہ گھر میں اکیلی رہ گئی دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی لان میں آ گئی اپنا پرس اور چادر اٹھائی اور اندر کی جانب لپکی۔

''یا اللہ! میرے پیارے اللہ! میرے گناہ معاف کر دیں، یا اللہ میرے برے کرموں کی سزا میرے باپ کو مت دیجئے گا، یا اللہ ان کو زندگی عطا کر دیں۔'' وہ وہیں جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئی روتے روتے اور دعائیں مانگتے اس کو ٹائم گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا۔

☆☆☆

''کیا ہوا جب سے تم کوئٹہ سے آئی ہو کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی ہو، ورنہ جانے سے پہلے تم جتنی ایکسائیٹڈ تھیں واپس آ کر بہت ہی الجھی ہوئی ہو۔'' کائنات نے اس کے کھوئے کھوئے انداز کو کھوجتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا، کائنات کے لہجے میں قیاس نہیں یقین جھلک رہا تھا۔

''میری منگنی ٹوٹ گئی ہے کائنات۔'' عیشا نے اسی سوگوار انداز میں کہا۔

''کیا.....؟'' کائنات ششدر رہ گئی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ واپس آ کر عیشا اس کو یہ پژمردہ سنائے گی حالانکہ جب وہ کوئٹہ گئی تھی وہاں پہنچ کر بھی عیشا کی کائنات سے بات چیت ہوتی رہی تھی، پھر ان کا رابطہ نہیں ہو پایا تو کائنات یہی سمجھتی رہی کہ وہ شادی میں مصروف ہے اس لئے کائنات نے بھی اس کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''لیکن کیوں...... کیا صیغم بھائی نے ......؟'' کائنات نے بات ادھوری چھوڑ دی جبکہ اس کی استجامیہ نگاہیں ابھی بھی عیشا کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، جہاں اب اضطراب و اضمحلال کی پرچھائیاں محو رقص تھیں۔

''ابو جی کی آفتاب بھائی کی مہندی والے دن پھپھا سے لڑائی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ابو جی نے صاف کہہ دیا کہ میری طرف سے یہ منگنی ختم سمجھو اور ہمیں اپنے ساتھ لے کر واپس آ گئے یہاں آ کر کئی دن تک امی روتی رہی ہیں لیکن پتہ نہیں ابو کو کیا ہو گیا ہے انہوں نے تو آسیہ پھپھو کو بھی صاف کہہ دیا ہے۔''

''اور نادیہ آپی وہ کیا کہتی ہیں؟'' کائنات نے پرتشویش انداز میں پوچھا عیشا روہانسی ہو کر بولی۔

''وہ کیا کہہ سکتی ہیں ان کا تو سسرال ہے اگر ان کی شادی نہ ہوئی ہوتی یا پھر ایک بیٹا نہ ہوتا تو شاید ابو جان ان کے ساتھ بھی وہی سب کچھ کرتے جو میرے ساتھ کیسا ہے لیکن ابو سے کیا شکوہ صیغم نے بھی تو کبھی مجھ سے وابستگی ظاہر نہیں کی، مجھے کبھی لگا ہی نہیں کہ اس سے میری منگنی بھی ہوئی تھی۔''

''تم ٹینشن نہ لو عیشا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' کائنات نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور عیشا کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''کائنات اب کی بار پھپھا نے ابو کی بہت بے عزتی کی ہے ابو کبھی بھی نہیں بھولیں گے تم دیکھنا۔''

''یہ سب ہوا کیسے؟'' کائنات کے پوچھنے پر وہ اٹھ کر بیٹھی۔

''آفتاب بھائی کی بیوی کا سامان جیسے ہی ٹرک میں لوڈ ہو کر آیا پھپھا نے آدھی برادری کے سامنے ابو کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔''

''دیکھو شہاب، مباحت اپنے جہیز میں کتنا سامان لائی ہے ایک تم نے بھی دیا تھا سامان نادیہ کو دو تین برتن اور فرنیچر کے نام پر ایک ڈبل بیڈ اور ماچس کی ڈبیا جتنا صوفہ، ٹی وی بھی فرقان نے اپنی تنخواہ سے دلایا تھا نادیہ کو۔''

''حالانکہ پھپھا جانتے تھے ابو اس وقت اپنی جاب سے برخاست ہو چکے تھے نادیہ آپی کی شادی بھی انہوں نے جیسے تیسے ہی کی، اس وقت تو ابو درگزر کر گئے لیکن تھوڑی دیر بعد برادری کے دو چار لوگوں نے مرچ مصالحہ لگا کر ابو کو پھپھا کے متعلق باتیں بتائی جو انہوں نے کی، ابو پھپھا کے پاس چلے گئے کہ تم نے یہ سب باتیں کی ہیں، پھپھا نے کہا ہاں کی ہیں، ابو نے ان کو تھپڑ مار دیا

پھپھا نے ابل پڑے لوگوں نے دونوں کو ایک دوسرے سے چھڑایا، ابو گھر آئے اور امی کو سامان سمیٹنے کو کہا امی نے سمجھانے کی کوشش کی تو بولے، اگر تم مزید ایک لفظ بولو گی تو میں یہی تین لفظ تمہارے منہ پر مار کر چلا جاؤں گا پھر آفتاب بھائی ہمیں اسٹیشن تک چھوڑ گئے۔'' کائنات گہری سوچ میں گم ہوگئی تو وہ تو سمجھ رہی تھی کوئی چھوٹا موٹا جھگڑا ہوگا لیکن معاملات بہت زیادہ سنگین ہو گئے تھے اس نے عیشا کا کندھا تھپکا اور اس کو حوصلہ دیا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن خود اس کو ایسی کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی۔

☆☆☆

سرخ چوڑی دار پاجامے اور بلیک گھٹنوں تک آتی قمیض پر سنہری اور سرخ رنگ کے ستاروں اور گوٹے کا کام اپنی چھب دکھا رہا تھا اس نے بلیک رنگ کی چادر اوڑھی ہوئی تھی ماموں ممانی اور آفاق کے پیچھے سج سج سے چلتی ہوئی آخر وہ نظر آ ہی گئی وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے کب سے اس کی آمد کا منتظر تھا، نیچے سے ماموں کی آمد کا غلغلہ مچا تھا اس نے بے ساختہ بے تابی سے نیچے جھانکا، وہ صیغم کو پہلے سے کمزور لیکن بہت جاذب نظر اور پرکشش لگی تھی وہ عیشا کو ایک سال کے بعد دیکھ رہا تھا، ایک سال پہلے جب وہ کراچی اپنے آفس کے کام سے گیا تو دو دن عیشا کے گھر ٹھہرا تھا لیکن ان دو دنوں میں اس سے بمشکل ایک آدھ بار ہی سامنا ہوا تھا اول تو وہ اس کے سامنے آتی ہی نہیں تھی اور اگر آبھی جاتی تو سلام کرکے ایک طرف ہو جایا کرتی تھی صیغم اپنی اس بور اور لئے دیئے رہنے والی کزن سے بات کرنے کا خواہش مند تھا لیکن عیشا اس کو صرف ایک منگیتر سمجھ کر کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں تھی حالانکہ صیغم کا دل چاہتا تھا کہ عیشا اس سے بھی ویسے ہی بات کیا کرے جیسے وہ باقی کزنز سے کیا کرتی تھی اگر کبھی وہ باقی کزنز کے پاس بیٹھی بھی ہوتی تو اس کو آتا دیکھ کر اس کی زور و شور سے چلتی زبان کو بریک لگ جایا کرتی اور اگر ہنس رہی ہوتی تو اس پر نظر پڑتے ہی ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو جاتی کتنی ہی بار صیغم نے مریم سے کہا کہ وہ عیشا کو کال کرے اور لاؤڈ اسپیکر آن رکھے وہ اس کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن جب بھی مریم صیغم کا ذکر کرتی تو عیشا یا تو گول مول جواب دیتی یا پھر موضوع ہی بدل دیا کرتی تھی۔

''بھائی کہاں کھوئے ہوئے ہیں امی آپ کو کب سے آوازیں دے رہی ہیں۔''

''ماموں آگئے۔'' عمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ چونکا پھر اس کو گھورتے ہوئے بولا۔

''اچھا آرہا ہوں۔'' وہ انجان بن کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔

''بھائی عیشا بھی آئی ہے۔'' عمر نے شرارت سے اس کی جانب دیکھا وہ جو خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کے لئے موبائل پر Apps چیک کررہا تھا ٹھٹک کر بولا۔

''پھر میں کیا کروں؟'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا جبکہ عمر محض کندھے اچکا کر رہ گیا۔

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں ممانی اور ماموں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا وہ اس سے بہت خوشدلی سے ملا اور اس کی نظریں ادھر ادھر طواف کرنے لگیں نادیہ بھابھی کے ساتھ ہوگئی یا پھر مریم کے ساتھ، دل نے قیاس کیا، اسی وقت عیشا سلیقے سے دوپٹہ سر پہ جمائے نادیہ آپی کے پیچھے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آبیٹھی اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اس کی جانب نہیں دیکھا، وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگا، اسی وقت امی نے کھانا

لگنے کا عندیہ سنایا بجائے ڈرائننگ ٹیبل کی جانب بڑھنے کے وہ مریم کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی، یقیناً دونوں نے وہی کھانا کھایا ہوگا اس کے بعد وہ اس کو نظر نہیں آئی۔

اگلے دو دن صیغم کے سامان لانے میں بزی گزرے شادی کا گھر تھا ابو جان نے آدھی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی، وہ کبھی کزنز کے درمیان بیٹھی ہوئی نظر آئی تو کبھی کچن میں چائے بناتی ہوئی، مہندی کے فنکشن میں جب ساری کزنز مہندی لگانے میں گانے گانے میں مشغول تھیں صیغم کی نگاہیں اس کو تلاش کر رہی تھیں لیکن وہ اس کو کہیں نظر نہیں آئی وہ طویل لان سے ہوتا ہوا گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوا اور وہاں سے کچن میں آ گیا، وہاں عیشا محترمہ اسامہ کو گود میں اٹھائے بہلا رہی تھیں اور نادیہ بھابھی اسامہ کے لئے دودھ گرم کر رہی تھیں، معاً بھابھی کی اس پر نظر پڑی۔

''صیغم اندر آؤ کچھ چاہیے تمہیں؟''

''جی بھابھی ایک کپ چائے پلا دیں، سر درد سے پھٹ رہا ہے اور کھانا بھی نہیں کھایا۔'' اس نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا جو مکمل طور پر لاپرواہ نظر آ رہی تھی۔

''آپ جانتی تو ہیں ابو جی کی عادت کو ایک کام مجھ پہ ڈالنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتے ابھی کھانے کا آرڈر دے کر آیا ہوں اور اب خود چیک کر رہے ہیں اور آپ کے میاں صاحب حسب معمول ابو کے فیکٹری کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔'' اس نے بہانہ گھڑا، بھابھی مسکرا دیں پھر چمک کر بولیں۔

''خیر میرے میاں جی پر الزام تو نہ لگاؤ ابھی کچھ دیر پہلے وہ مجھے تیار ہونے کا کہہ کر گئے ہیں اور اب وہ مجھے پارلر لے کر جا رہے ہیں۔'' فیڈر میں دودھ انڈیلتے ہوئے وہ مگن سے انداز میں بولیں۔

''کیا مطلب آپ پارلر جا رہی ہیں تو پھر مجھے کھانا کون دے گا۔'' صیغم کی نگاہیں ابھی بھی عیشا کی پشت کی جانب اٹھیں۔

''کھانا آپ کو میری بہن صاحبہ دیں گی اور ریٹرن میں آپ میرے پیارے سے بے بی کو سنبھالو گے۔'' وہ اسامہ کو اس کے حوالے کرتے ہوئے بولیں۔

''پلیز بھابھی مجھ سے یہ جھٹکا نہیں سنبھالا جاتا۔'' وہ عیشا کو دیکھتے ہوئے بولا جو فریج سے کھانا نکال رہی تھی۔

''پریکٹس کر لو دیور جی، مستقبل میں کام آئے گا۔'' یہ سب وہ ہنستے ہوئے بولیں اور کچن سے نکل گئی، ان کی بات پر عیشا کا چہرہ سرخ پڑ گیا جبکہ صیغم قہقہہ بار ہوا، وہ محظوظ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا جو اس کے سائے سے بھی بچتی پھرتی تھی۔

''تمہاری سٹڈیز کیسی جا رہی ہے عیشا؟''

''بہت اچھی۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا اور پھر سے مگن ہوگئی وہ اسامہ کو بہلانے لگا ساتھ ساتھ ایک نظر اس پر بھی ڈال لیتا۔

''بچے پالنا بھی ایک مشکل کام ہے۔'' وہ بڑبڑایا اسی وقت حمنہ اندر داخل ہوئی۔

''صیغم تم یہاں بیٹھے ہو اور میں تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔'' حمنہ نے ایک سلگتی نگاہ روٹی پکاتی عیشا پر ڈالی اس کو شروع سے ہی صیغم کی یہ ماموں زاد پسند نہیں تھی اور جب سے اس کو صیغم اور عیشا کی منگنی کا پتہ چلا تھا اس کا خون کھولنے لگتا تھا دونوں کو ساتھ دیکھ کر اس کا بس نہیں چلتا تھا جادو کی چھڑی سے عیشا کو غائب کر دے وہ ہر طرح سے صیغم کو اپنی جانب مبذول

کرنے کے جتن کرتی ہر روز ان کے گھر کے چکر کاٹتی کبھی کتابیں لینے کے بہانے صیغم کو اپنے ساتھ مختلف دکانوں پر گھوماتی تو کبھی فرینڈز کے گھر زبردستی گھسیٹ کر لے جاتی لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا یا تو ہمہ وقت نادیہ بھابھی کے اردگرد منڈلاتا رہتا یا پھر کراچی فون کر کے کبھی آفاق تو کبھی ممانی سے فون پر باتیں کرتا رہتا اور اب جب سے وہ محترمہ آئی تھیں وہ ہر وقت اس کے اردگرد ہی منڈلاتا رہتا تھا عیشا کو دیکھتے ہی صیغم کی آنکھیں جگر جگر روشنی بکھیرنے لگتی اس کو اس لڑکی سے پرخاش نہیں تھی لیکن وہ صیغم کو کسی اور کا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''مستقبل کی پریکٹس کر رہے ہیں۔'' صیغم نے ہنستے ہوئے کہا حمنہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے عیشا کو گھورا جس کے ہونٹوں پر صیغم کی بات سے مسکراہٹ بکھر گئی تھی، عیشا نے کھانا ٹیبل پر لگانا شروع کر دیا۔

''ایک کام کرو گی حمنہ!'' صیغم سنجیدہ لہجے میں بولا، حمنہ نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

''اسامہ کو کچھ دیر کے لئے سنبھال لو تا کہ میں کھانا کھا لوں۔'' اس نے حمنہ کے حوالے زبردستی اسامہ کیا اور اٹھ کر ہاتھ دھونے چلا گیا۔

''یہ کچھ زیادہ ہی اوور نہیں ہو گیا۔'' حمنہ نے جل کر کہا اور اونہہ کہتی اسامہ کو اٹھائے پاؤں پٹختی باہر چلی گئی، وہ واپس آیا تو عیشا چائے بنانے میں مصروف تھی۔

''چلی گئی حمنہ۔'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی!'' اس نے مختصراً جواب دیا چائے کپ میں انڈیل کر اس کے سامنے رکھی۔

''تم بھی میرے ساتھ کھانا کھا لو ناں۔'' صیغم کے اصرار پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''او کم آن عیشا کھانا کھا لو رات گئے فنکشن چلے گا جب کھانا ملے گا تب تک تو بھوکے ہی مر جائے گی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا، اس کے ہاتھ پکڑنے سے ہی عیشا کے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی، پنجر کے اندر دھڑکتا دل بے قابو ہونے لگا۔

''بھائی...... بھائی غضب ہو گیا ماموں اور ابو کی لڑائی ہو رہی ہے، دونوں نے ایک دوسرے کو مارنا شروع کر دیا ہے۔'' مریم بھاگتی ہوئی حواس باختہ سی کچن میں آئی، عیشا کے بازو پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی وہ سرعت سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کے جانے کے بعد وہ دونوں بھی تیزی سے باہر نکلیں لان میں ایک جم غفیر سا تھا وہ دونوں اس ہجوم کو چیرتی ہوئی امی اور آسیہ پھپھو کی جانب پہنچیں جن کا رو رو کر برا حال تھا ابو نے سب کو واپس جانے کا کہا اور یوں مہندی کے فنکشن میں ایک پژمردگی سی چھائی ہوئی تھی نادیہ بھابھی اپنے آنسو چھپاتی پھر رہی تھیں، فرقان بھائی نے ان کو دلاسا دیا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن وہ جانتی تھی، اب کبھی کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔

ابو کو پھپھا نے بے عزت کر کے نکالا تھا، آسیہ پھپھو نے کتنی ہی بار اس سے معافی مانگی تھی وہ ان کے ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے بولی۔

''پھپھو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے پھر آپ کیوں معافی مانگ رہی ہیں شاید قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''بھابھی ہم اپنے اعمال کی ساری ذمہ داری قسمت پر کیوں رکھ دیتے ہیں پہلا قدم تو انسان اپنی مرضی اپنی منشاء سے اٹھاتا ہے اس کے بعد قسمت اس کو اپنی گرفت میں لیتی ہے، حقیقت

تو یہ ہے ماموں اور ابو کے دل میں پلتا عناد کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، ابو کو دولت متاع تعیش اٹریکٹ کرتی ہے اس لئے وہ ہر ایک پر طنز کرنے سے باز نہیں آتے اس دن بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔'' صیغم جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگا۔

''چپ کر جاؤ صیغم تمہارے ابو نے سن لیا تو قیامت آجائے گی، اپنے بھائی کو کھونے کے بعد بیٹے کو کھونے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔'' وہ روہانسے لہجے میں بولیں۔

''نہیں بولنے دو پتہ تو چلے کہ باپ کے خلاف اس کے دل میں کتنا عناد ہے کتنا زہر ہے میرے بیٹے اگر میں جھوٹا ہوں تو تم چلے جاؤ ناں کراچی یہاں کیا کر رہے ہو ماموں کے پیر پکڑ لو۔'' ابو جان کہاں سے نکل کر ان کے سامنے آ گئے تھے امی ان کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گئیں، نادیہ بھابھی کی حالت بھی کم وبیش ان سے مختلف نہیں تھی لیکن صیغم ایسے کھڑا تھا جیسے اس کو اس بات سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو وہ سر کو جھٹکتا وہاں سے چلا گیا۔

''دیکھا...... دیکھا تم نے کس قدر نافرمان ہے یہ لڑکا کچھ دنوں سے باپ کو ایسے گھورتا ہے جیسے کھا جائے گا اور یہ سب آسیہ بیگم تمہاری ڈھیل کا نتیجہ ہے۔'' وہ بے نقط سنائے جا رہے تھے اور پھپھو سر جھکائے آنسو پینے میں مگن تھیں نادیہ کو ان پر بہت ترس آیا وہ جب سے یہاں بیاہ کر آئی تھی پھپھا یونہی پھپھو کو زچ کرتے ان کا بات کرنے کا انداز اتنا ہتک آمیز ہوتا کہ نادیہ ان پر محض افسوس ہی کر سکتی تھی، لیکن وہ محض خاموش رہنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔

''اس عورت کو ٹسوے بہانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے، مرا نہیں ہے تمہارا بھائی وہاں کراچی میں ہٹا کٹا بیٹھا ہے۔''

''اللہ نہ کرے...... میرے بھائی کو کچھ ہو۔'' بے ساختہ پھپھو کے منہ سے نکلا، پھپھا مغلظات دیتے وہاں سے چلے گئے جبکہ پھپھو نے نئے سرے سے رونا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

''شہاب بھائی نے عیشا کی منگنی کر دی ہے نادیہ؟'' صبح کے ناشتے کے دوران پھپھو نے نادیہ بھابھی سے پوچھا، وہ جانتی تھی کل ہی تو ابو نے امبر خالہ کو بلایا تھا اور وہ جلدی جلدی آ کر عیشا کو منگنی کی انگوٹھی پہنا گئی تھیں یہ خبر ان سب گھر والوں کے لئے حیرت انگیز تھی، ناشتہ کرتے ہوئے صیغم کے ہاتھ سے ٹوسٹ نیچے جا گرا وہ بھونچکا رہ گیا اس نے شکوہ بھری نگاہوں سے بھابھی کو دیکھا جو سب کچھ جانتی تھی لیکن انہوں نے اس کو بتایا ہی نہیں تھا، نادیہ بھابھی نظریں چرا گئی، وہ دھپ دھپ کرتا وہاں سے چلا گیا، البتہ پھپھا جان ہنس کر بولے۔

''آسیہ بیگم اب ایسا کرو صیغم اور حمنہ کی منگنی کر دو میں آپا کو فون کر کے حمنہ کا رشتہ مانگ لیتا ہوں آپ کو تو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا، عیشا کی شادی سے پہلے میں شہاب کو اپنے بیٹے کی شادی کر کے دکھاؤں گا اور ہاں سن لو سب میں اس انسان سے قطع تعلق کر چکا ہوں، جینا مرنا سب ختم ہے نہ وہاں سے کوئی آئے گا اور نہ ہی یہاں سے کوئی جائے گا اور اب یہ فون کے سلسلوں کو بھی ختم کر دو۔'' پھپھا نے کن اکھیوں سے نادیہ کو دیکھا جو اپنی جگہ چور بن گئی تھی، فرقان نے نادیہ کو اشارہ کیا۔

''اور بھئی فرقان یہ آفتاب وغیرہ کب آ رہے ہیں ہنی مون سے؟'' انہوں نے دانستہ موضوع تبدیل کر دیا۔

''ابو جی چار پانچ دن تک واپس آجائیں گے میری کل ہی بات ہوئی ہے آفتاب سے۔''

''اچھی بات ہے وہ لوگ واپس آجائیں تو پھر منگنی کی رسم ادا کریں گے، ویسے میں آج شام کو ہی بات کر لیتا ہوں آپا سے۔'' وہ پروگرام ترتیب دیتے ہوئے بولے۔

''آسیہ بیگم تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں اب تو بھائی نے بھی تمہیں خود ہی چھوڑ دیا ہے اب بھی اگر کوئی امید آس موجود ہے تو اس کو بجھا دو۔'' وہ ڈٹ کر ناشتہ کرتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولے جبکہ پھپھو نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

''میں ہرگز حمنہ سے منگنی نہیں کروں گا، بتا دیجیئے گا اپنے شوہر نامدار کو۔'' صیغم سپاٹ لہجے میں بولا۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے پوچھا نہیں ہے، تمہارے ابو نے کہا ہے کہ بتا دو چار دن بعد منگنی ہے تمہاری۔'' امی نے بے بسی سے اپنے بیٹے کی جانب دیکھا جو چند ہی دن میں کملا کر رہ گیا تھا اس کی ہنسی شوخیاں شرارتیں سب کونے میں جا سوئی تھیں۔

''اب تو عیشا کی منگنی بھی ہوگئی ہے۔'' دانستاً انہوں نے اپنی آواز دھیمی رکھی۔

''منگنی ہوئی ہے ناں کوئی بڑی بات نہیں ہے ٹوٹ جائے گی لوگوں کے تو نکاح تک ٹوٹ جاتے ہیں پھر منگنی کیا ہے۔''

''کیا مطلب صیغم تم کیا کرنا چاہتے ہو بتاؤ مجھے۔'' وہ اس کے مقابل آکر بولیں، جس کی آنکھوں میں بغاوت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''میں کچھ نہیں کرنا چاہتا بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ میں حمنہ سے کسی صورت منگنی نہیں کروں گا، میں عیشا کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا، ابو حمنہ کو بہو بنانا چاہتا ہیں تو عمر کا رشتہ طے کر دیں وہ بھی جاب کر رہا ہے اور حمنہ کا ہم عمر ہی ہے۔''

''میری مشکلات میں اضافہ نہ کرو صیغم جانتے ہو ناں اپنے باپ کو۔'' وہ بے بسی سے بولیں۔

''امی میں ہرگز آپ کی مشکلات نہیں بڑھانا چاہتا اسی لئے میں نے اپنا تبادلہ کراچی کرالیا ہے، اس ماہ کے اینڈ تک میں کراچی چلا جاؤں گا۔''

''کیا صیغم تم ایسے تو نہ تھے میرے بیٹے میری تمام اولاد میں تم سب سے زیادہ فرمانبردار تھے اور اب سب فیصلے تم نے بالا ہی بالا کر لئے ہیں اور اب اپنی ماں کو بتا رہے ہو نہ تم نے مجھے بتایا نہ پوچھا۔'' وہ دکھ سے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اس کو محض دیکھتی رہ گئیں۔

وہ اٹھ کر ان کے پیروں میں بیٹھا پھر اپنا سر ان کے گھٹنوں میں رکھ کر بولا۔

''امی آپ اور ابو میرے مختار کل تھے اور ہیں لیکن آپ دونوں ہی نے میرے دل اور دماغ کی خالی سلیٹ پر عیشا کا نام بچپن میں لکھ دیا تھا اور اب یہ نام اتنا گہرا ہو چکا ہے کہ میں چاہ کہ بھی اس کو مٹا نہیں سکتا، میں خود کو تو مٹا سکتا ہوں لیکن اس نام کو نہیں اور اب آپ لوگ چاہتے ہیں اس نام کے اوپر یا نیچے میں کسی اور کے نام کو لکھ کر لوں کیسے کر لوں امی؟ یہ میرے بس سے باہر کی بات ہے۔'' امی کی انگلیاں بالکل غیر ارادی طور پر اس کے بالوں میں گھومنے لگی تھیں۔

''میں مجبور ہوں صیغم تم چاہتے ہو ساری عمر تمہارے باپ نے وہی کچھ کیا جو ان کی ماں بہنوں نے چاہا میں نے جب اپنی ضد کو آزمایا منہ

کی ہی کھائی اس معاملے میں بھی میں چپ ہوگئی بھائی بچھڑ گیا اور اب میں نہیں چاہتی کہ باپ بیٹا آمنے سامنے ہوں حمنہ مجھے اتنی ہی عزیز ہے جتنی عیشا لیکن تمہارے لئے میرے ذہن میں ہمیشہ عیشا کا ہی تصور بندھا لیکن میں کیا کرسکتی ہوں تمہارے باپ نے حکم سنایا ہے اب یہ سب باتیں میں نے ان سے کہی تو وہ سمجھیں گے میں تمہیں شہہ دے رہی ہوں۔"

"امی آپ کچھ نہ کہیں میں خود ان سے بات کرلوں گا آپ ٹینشن نہ لیں۔" دروازے میں ایستادہ حمنہ کا دل ڈوبنے لگا وہ جو صیغم کو مبارکباد دینے اور اپنے نئے تعلق کے رنگ اس کے چہرے پر دیکھنے کی متمنی تھی اس کے الفاظوں اور ارادوں کو جان کر دل برداشتہ ہوگئی۔

☆☆☆

سکھ دیاں نندرا دیوی او نور باسدا
یار میرا وسدا روے، یار میرا وسدا روے
پل کے وی دکھ اوندے نیڑے کوی آوے ناں
پھلاں وانگ ھنسدا روے
بٹنا تو نیڑے ساڈے دل تو قریب اے
رج کے او سوھڑا او ھدا سوھڑا ہی نصیب اے
چھٹی والے دن اھنوں رب نے سنواریاں
یار میرا وسدا روے

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا کس نے آہستگی سے دروازہ کھولا روشنی کی تیزی لکیروں نے اندھیرے کے سینے کو شق کردیا، ابرار الحق کی آواز میں چلتا ہوا گانا ایزی چیئر پر لیٹی ہوئی شخصیت کے اندرونی خلفشار کی بہترین عکاسی کر رہا تھا۔

تاریاں تو چن کرلوں پچھ اپنی بات وے
کڈی اوکھی لنگدھی وچھوڑیاں دی رات اے
ہر ساڈے نال کنی واری اے پکاریاں یار میرا
وسدا روے
پھلاں وانگ ہنسدا روے

اس نے لائیٹ کا بٹن آن کیا عیشا نے جلدی سے آنکھوں پر بازو رکھ دیا، اس کی آنکھوں کے گیلے کنارے اور بھیگے بھیگے گال کائنات کی نگاہوں سے نہیں چھپ سکے تھے۔

"اب رونے اور اس طرح کے گانے سننے سے کیا ہوگا جب انکل منگنی کر رہے تھے تب صاف صاف منع کردینا تھا ناں کہہ دیتی میں یہ منگنی کسی قیمت پر نہیں کروں گی۔" کائنات اس کے مقابل جا بیٹھی عیشا نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا، مسلسل اشکباری سے اس کی آنکھوں کے نیچے زخم سے بن گئے تھے یقیناً وہ کافی وقت سے رو رہی تھی۔

"کس کے لئے کرتی یہ سب اس بے مہر انسان کے لئے جس کے متعلق مجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ وہ چاہتا کیا ہے میری منگنی کی خبر کوئٹہ تک بھی تو پہنچی ہوگی، لیکن وہاں طاری ہنوز خاموشی اور جامد پن نے میرے اندر اشتعال سا پیدا کردیا ہے اگر اس انسان کو میری پرواہ نہیں تو میں بھی نہیں کروں گی، لیکن جب اس انگلی میں بلال کے نام کی انگوٹھی پہنائی گئی تو مجھے ایسا لگنے لگا جیسے میرے دل کو کوئی آرے سے کاٹ رہا ہے محبت Replacement تو نہیں ہوتی ناں جس سے ہوگئی بس اس شخص کے قدموں میں زندہ رہنا چاہتی ہے جانتی ہو اس کا نام میں نے اپنے ساتھ کب سنا تھا جب میں پانچ سال کی تھی پانچ سال کی بچی جو ٹو کلاس میں پڑھتی ہو اور اس کو کہا جائے کہ تمہاری شادی صیغم سے ہوگی اس کے ذہن میں کم و بیش یہی باتیں ذہن نشین کرانے والے آپ کے گھر والے ہو، امی سے لے کر بھائی اور بہن کی چھیڑ چھاڑ بھی اس ایک شخص کے وجود کے

گرد گھومتی ہو تو پھر...... پھر آپ کا دھیان اور توجہ کے تمام مراکز اس ایک نام کی موجودگی اور وجود سے جگمگانے لگتے ہیں میرے ساتھ بھی یہی ہوا، ہر عید ہر تہوار پر اس کی جانب سے آنے والے تحفے کی منتظر رہا کرتی تھی بھی وہ مریم کے نام سے تو کبھی نادیہ کے نام سے تحفے بھیجتا لیکن ان تمام گفٹس کے نیچے ہونے والے اس کے سائن میرے دل پر لکھے ہوئے تھے، میں اندھیرے میں بھی ان سائن کو اور ان گفٹس میں لگی خوشبو کو پہچانتی ہوں، اب اتنے عرصے تک اس چھوٹے سے خواب کو میں نے اپنے لہو میں پالا اتنا بڑا کیا کہ زندگی کی ہر خوشی ہر غم اس خواب سے وابستہ کڑیاں لگنے لگی ہیں یہ خواب ابو اور پھپھا نے ایک جھٹکے سے اپنی انا کو بلند رکھنے کے لئے مجھ سے چھین لئے ہیں، مجھ سے پوچھا نہیں گیا مجھے بتایا نہیں گیا، امبر خالہ کو ابو نے شورٹ نوٹس پر بلایا وہ آئیں مجھے انگوٹھی پہنائی اور خاندان بھر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ عید کے چوتھے دن میں ان کی بہو بنا دی جاؤں گی، اب تمہی بتاؤ کہاں میرا احتجاج کرنا بنتا تھا اور کس شخص کے لئے۔'' وہ زارو قطار روتے ہوئے بولی۔

''اس شخص کے لئے جس کی حمنہ کے ساتھ منگنی اور شادی کی خبریں پورے خاندان میں گردش کر رہی ہیں۔''

کائنات کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کا غم کیسے غلط کرے اس کے آنسو کائنات کو اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے وہ اور عیشا بچپن کی سہیلیاں تھیں، دکھ درد کی ساتھی، کتنے ہی موسموں کو انہوں نے ساتھ انجوائے کیا تھا کتنے ہی راز تھے جو دونوں کے سینوں میں مدفن تھے ایک دوسرے کے احساسات سے وہ اچھی طرح آشنا تھیں ٹوٹنے پھوٹنے کے اس اندرونی اور بیرونی عمل نے کائنات کو اندر تک ہلا دیا تھا، ایک وقت تھا جب کائنات عیشا کو بہت خوش قسمت لڑکی سمجھتی تھی عیشا کے لئے ستائش ہر لمحے کائنات کے چہرے سے ہویدا ہوتی تھی۔

گھر بار ماں باپ کا بے لوث پیار اور توجہ بہن بھائی کی اس کے لئے محبت اور اس کے ساتھ مستقبل کا ایک مضبوط اور پائیدار آسرا سب کچھ تھا اس کے پاس جبکہ کائنات کے پاس کیا تھا ماں باپ عرصہ ہوا گزر گئے ایک بہن اور ایک بھائی کی زندگی اپنوں نے ہی تنگ کی ہوئی تھی علی بھائی اور شازیہ باجی کوہلوں کے بیل کی طرح کماتے وہ دونوں کائنات کی تعلیم کا بوجھ با احسن و خوبی سر انجام دے رہے تھے جبکہ وہ رشک سے عیشا کی جانب دیکھتی جس کے والد اپنی جاب سے برخاست ہوئے انہوں نے اپنا کاروبار شروع کیا دیکھتے ہی دیکھتے ان کا کاروبار دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہا تھا سب کچھ تھا ان لوگوں کے پاس لیکن آپس کی باہمی اتفاق اور خود کو برتر ثابت کرنے کے چکر میں تنکا تنکا بکھر چکے تھے وہ آنٹی سے ملی ان کی اپنی حالت نہ گفتہ بہ تھی وہ اس کا سر تھپکنے لگی۔

☆☆☆

''میں یہ منگنی نہیں کروں گا، میرا تبادلہ ہو گیا ہے میں کراچی جا رہا ہوں۔'' کھانے کی ٹیبل پر صیغم نے بم پھوڑا صفدر صاحب نے انتہائی حیرت اور بے یقینی سے اپنے بیٹے کی جانب دیکھا جو اپنی بات کی ادائیگی کے بعد اب کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا تھا عمر آفتاب بھائی نادیہ بھابھی فرقان بھائی حتی کہ امی تک کھانا چھوڑ ان دونوں باپ بیٹے کو دیکھ رہے تھے جنہوں نے کچھ ہی دنوں میں گھر کو جنگ کا رزار بنایا ہوا تھا پہلے پہل ایک دوسرے کو پیغامات پہنچائے جا رہے تھے اور

اب دونوں مدمقابل آکھڑے ہوئے تھے۔
''ٹھیک ہے منگنی نہیں کرنا چاہتے تو ہم نکاح کروا دیتے ہیں لیکن شادی تمہاری حمنہ سے ہی ہو گی۔'' وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولے، ان کی آواز میں چھپی شعلوں کی لپک اور خود پر زعم سے صیغم کو مکمل طور پر آشنائی حاصل تھی وہ ان کی ماں پر یونہی تو حکومت نہیں کرتے آئے تھے ماں ہی کیا اس گھر میں جس کے لئے انہوں نے جو چاہا وہی کیا سوال کرنے کا حق تو یہاں کسی کے پاس تھا ہی نہیں حالانکہ ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی لیکن بیٹوں کی تربیت اور ان پر رعب انہوں نے ایسا ہی رکھا جیسے وہ لڑکیاں ہو۔
''حمنہ سے تو میں مر کر بھی شادی نہیں کروں گا۔'' صیغم اٹھتے ہوئے بولا۔
''پھر میں تمہیں عاق کر دوں گا۔'' امی جان نے سراسمگی سے ان دونوں باپ بیٹے کی جانب دیکھا جن کا آپس میں گفتگو کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی ڈیل کر رہے ہوں۔
''کر دیجئے ویسے بھی میں یہ شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔''
''صیغم ہوش میں ہو تم کیا کہہ رہے ہو۔'' آفتاب بھائی نے گھر کا، لیکن صیغم پر کسی تنبیہ کی نصیحت کا اثر ہونے والا نہیں تھا۔
''تم ایک معمولی سی لڑکی کے لئے اپنے باپ کی نافرمانی کر رہے ہو صیغم؟'' آفتاب بھائی نے دانت پیس کر کہا، وہاں بیٹھی نادیہ بھابھی چور سی بن گئی تھیں کچھ دنوں سے پھپھا اس کو ایسے گھورتے تھے جیسے صیغم کی باغیانہ طبیعت کی ذمہ دار نادیہ ہی ہو حالانکہ اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا عیشا کی منگنی کے بعد اس کی صیغم سے کسی قسم کی کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔
''بات عیشا کی نہیں ہے بات اصول کی ہے، ساری عمر ان لوگوں نے عیشا عیشا کر کر کے اس کو میرے دل و دماغ پر مسلط کر دیا مجھے بچپن سے بھی یہ باور کرایا گیا کہ اس نے ہی میری زندگی میں شامل ہونا ہے میں نے خود پر پابندیاں لگا دیں کسی کے متعلق سوچنے تو دور دیکھنے کو بھی تیار نہیں تھا اور اب آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے یہ کس طرح میرے اور عیشا کے ساتھ یہ سب کو سکتے ہیں۔''
''منگنی میں نے نہیں توڑی اس شہاب نے توڑی ہے ہاتھ بھی پہلے اسی نے اٹھایا تھا اور پھر بھی تم اپنے باپ کو ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہو کہ میں تمہاری خوشیوں کا قاتل ہوں۔''
''ابو آپ کو ماموں سے ایسی بات کرنی ہی ہیں چاہیے تھی آپ جانتے تھے جب نادیہ بھابھی کی شادی ہونی تھی ماموں کے کیا حالات تھے اس وقت بھی آپ ہی ضد کی وجہ سے ماموں نے جیسے تیسے شادی کر دی اور اب تو آپ دونوں نے ہماری زندگی کی خوشیاں ہی داؤ پر لگا دیں ہیں بہر حال آپ ٹینشن نہ لیں میں کراچی جا رہا ہوں لیکن ماموں اور ان کی فیملی سے میں کوئی رابطہ نہیں رکھوں گا رہا سوال عیشا کا تو میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا فی الحال میں اس ماحول سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں تھا صفدر صاحب اس کے جانے کے ساتھ ہی تن فن کرتے چلے گئے، آسیہ بیگم نے کھانا ایک طرف رکھ دیا اس سرد جنگ میں ان کا وجود تھا جو مسلسل آبلہ پائی کے طویل عذابوں کی زد میں نڈھال ہوتا جا رہا تھا شوہر کی سرد مہری اور بیٹے کی خودسری نے ان کو ایکدم سے بوڑھا اور ناتواں سا کر دیا تھا۔

☆☆☆

''تو اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' حمنہ نے کار سے ٹیک لگائے سوچ میں گم صیغم کی

جانب دیکھا جس کا دھیان کہیں اور ہی تھا۔
''میں چاہتا ہوں تم مجھ سے منگنی سے انکار کر دو ورنہ ابو پیچھے نہیں ہٹیں گے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا حمنہ کو سن کر شاک سا لگا۔
''تم مرد کتنے ظالم ہوتے ہو ناں صیغم ہر چیز ہر فیصلہ اپنی مرضی اور رضا سے اپنے ہی ہاتھوں میں رکھنا چاہتے ہو کسی کو چھوڑنا ہو یا اپنانا ہو سب کچھ تم لوگوں کی مرضی سے ہونا چاہیے تم لوگوں کی لڑکیوں کی Feeling سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اپنی منشاء کے آگے ان کا وجود بے کار نظر آتا ہے۔'' وہ پھٹ پڑی صیغم نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا تھا وہ جانتا تھا حمنہ اس میں دلچسپی لیتی ہے لیکن کبھی صیغم نے اس کی پذیرائی نہیں کی تھی اس کے ساتھ ہونے کے باوجود بھی وہ عیشا عیشا کا راگ الاپتا رہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا حمنہ کسی جھوٹی آس کے سہارے اپنی خواہشات اس سے وابستہ کرے لیکن یہاں وہ غلط ثابت ہوا تھا، حمنہ یکطرفہ محبت کا شکار ہوگئی تھی ابو سے مزید بحث کرنے اور ان کی نافرمانی کرنے سے بہتر اس کو حمنہ کو منانا لگا لیکن اس کی بات سن کر اس نے جس طرح اپنا ردعمل ظاہر کیا تھا وہ صیغم کے لئے حیران کن تھا اس کے طور اطوار ملاحظہ کرنے کے بعد اس کو یہ کام پہاڑ کی بلندی جیسا مشکل اور ناقابل تسخیر لگنے لگا۔
''ہم دوست ہیں حمنہ بچپن سے ساتھ ہیں اگر تم بحیثیت ایک اچھے دوست کے میری مدد کر دو گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا اگر تم انکار کروں گی تو بھی میں ایسا انسان نہیں ہوں جو شخص ایک کام نہ کرنے کی وجہ سے تمہارے لئے دل میں کدورت پال لوں گا، میں جانتا ہوں تم کیا چاہتی ہو تم نے حمنہ سمندر کی گہرائی ماپنے کی کوشش کر رہی ہو تم اس کو نہیں ماپ سکو گی بلکہ کوئی بھی نہیں ماپ سکا، اس طرح میں اپنے دل کے سمندر میں موجود عیشا کی محبت کو نہیں ماپ سکتا، ٹھٹھرا دینے والی شاموں میں، میں اکثر ٹیرس پر کھڑے ہو کر اس کی موجودگی کو محسوس کیا ہے صبح دور تک پیدل چلتے مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میں اکیلا ہوں ایسا لگتا تھا جیسے ہر قدم پر وہ میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہو، میرا اس سے تعلق روح کا ہے جسم اس کا محتاج نہیں ہے میری محبت میرے خون میں گردش کر رہی ہے، میں نے سوچا تھا شادی کے فوراً بعد میں اس کو لے کر عمرے پر جاؤں گا اور کعبے کے سامنے سر جھکا کر اللہ کا شکر ادا کروں گا کہ میں اس قابل کہاں تھا کہ اس نے میری چاہت میری جھولی میں بغیر کسی امتحان کے ڈال دی، لیکن اب، اب ایسا لگنے لگا ہے جیسے امتحان نے میری محبت کا در ہی دیکھ لیا ہے، رمضان کے شروع ہونے میں محض ایک ہفتہ ہے اور ٹھیک ایک ماہ کے بعد ماموں اس کو کسی اور کے سنگ روانہ کر دیں گے جب میں یہ سوچتا ہوں تو پاگل ہونے لگتا ہوں یہ سوچ کر ہی میری سانسوں کی طنابیں کھینچنے لگتی ہیں۔'' وہ روہانسے لہجے میں بولا، اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا، آنکھیں سرخ، ہونٹوں کو کاٹتا ہوا وہ اس صیغم سے قطعی طور پر مختلف لگا جس کو وہ جانتی تھی۔
''عیشا بہت خوش قسمت ہے صیغم اس کو تمہاری خالص محبت ملی ہے۔'' حمنہ نے ستائشی نظروں سے اس کی جانب دیکھا جو ان چند دنوں میں حال سے بے حال اور ابتر ہو گیا تھا۔
''گھر چلیں۔'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا، حمنہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اس کے اپنے اندر کی گھٹن بڑھتی جا رہی تھی وہ اس پر خود کو اور اپنے جذبات کو

عیاں کر کے پرسکون ہوا تھا یا نہیں البتہ اس کی اندرونی کھولن تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

☆☆☆

"مبارک ہو صاحبزادے تمہاری ایک مشکل تو آسان ہوگئی ہے۔" وہ جوامی کے ساتھ لان میں بیٹھا تھا ابو جان کی اچانک آمد اور ان کے الفاظوں پر استعجامیہ انداز میں ان کو دیکھنے لگا۔

"اب کیا ہوا ہے صفدر صاحب!" آسیہ بیگم نے ناقدرانہ نگاہوں سے شوہر کو دیکھا جو ہمہ وقت لٹھ مار کر اولاد اور بیوی کے پیچھے ہی پڑے رہتے تھے۔

"آپا نے حمنہ کے لئے منع کر دیا ہے حمنہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی اس نے عمر کا نام لیا ہے آپا بھی عمر سے ہی حمنہ کا رشتہ کرنا چاہتی ہیں اور میں جانتا ہوں اس میں کس کا ہاتھ ہے۔" وہ کھولتے ہوئے بولے، ان کا بس نہیں چل رہا تھا صیغم کو مارنا شروع کر دیں جو ان کی ساری اولاد میں ناخلف اور گستاخ واقع ہوا تھا شہاب کو نیچا دکھانے اور مزا چکھانے کے سارے منصوبے فلاپ ہوتے ہوئے نظر آ رہے تھے ان کے الفاظوں پر صیغم کے چہرے پر اطمینان کی پرچھائیاں دیکھ کر ان کا غصہ دوچند ہو گیا۔

"بہرحال شادی تو اس کی وہی ہوگی جہاں میں چاہوں گا پہلے بھی فقروں میں شادی کر کے بھگت رہا ہوں۔" نادیہ بھابھی چائے کی ٹرے تھامے لان میں آتی دکھائی دیں ان کو سنانے کی غرض سے ابو اونچا اونچا بولنے لگے تاکہ وہ یہی الفاظ آگے بھی پہنچا دیں۔

"صیغم تو کل کراچی جا رہا ہے اس کی جوائننگ ہے۔" آسیہ بیگم جو لہجے میں بولیں ان کا تعلق ان شوہر پرست بیویوں میں سے تھا جو شوہر کے ماتھے پر ان گنت بلوں ان کے منہ سے نکلتے مغلظات اور ہاتھوں کو مار کو بھی بہ احسن و خوبی نہ صرف برداشت کرتیں تھیں بلکہ بہ کمال مہارت سے نظر انداز بھی کر جایا کرتی تھیں، پورے خاندان میں سب آسیہ بیگم کی صلح جو اور مدبرانہ طبیعت کے معترف تھے ورنہ صفدر صاحب نے ان کو زچ کرنے اور نیچا دکھانے کا کوئی حربہ بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے خواہ بات بچوں کی تربیت کے متعلق ہوتی یا گھر کی چھوٹی موٹی ذمہ داریوں کی وہ ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو یوں بیان کرتے جیسے ان سے گناہ سرزد ہو گیا ہو اور وہ تو جوانی سے ہی شوہر کی رنگین مزاجی بدمزاجی اور لڑاکا فطرت کو نہ صرف ماتھے پر شکن لائے بغیر برداشت کرتیں آئی تھیں بلکہ نبھا بھی رہی تھیں۔

"تمہاری تربیت اور بے جا ڈھیل کا نتیجہ ہے کہ وہ یوں منہ کو آ رہا ہے اگر میں اپنی ماں کی بات مان کر آپا کی نند سے شادی کرتا تو یوں میرا گھر گروہوں میں تقسیم نہ ہوتا، ابا جان کو بہت شوق تھا اپنوں میں مجھے گھسانے کا خود تو قبر میں جا سوئے ہیں اور میں تمہیں بھگت رہا ہوں۔"

"اس میں امی کا کیا قصور ہے حمنہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی اور اب آپ اس بات کے لئے مجھے اور میری ماں کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔" صیغم اٹھ کر ان کے مدمقابل آ کھڑا ہوا، صفدر صاحب ایک لمحے کو ٹپٹا گئے آسیہ بیگم کو زچ کرنے اور ہر بات کا الزام ان کے سر پر رکھ دینا تو ان کا پرانا مشغلہ تھا اور تمام عمر ان کے بچے یہ سنتے اور برداشت کرتے آئے تھے، لیکن کچھ ہی عرصے میں صیغم ان کی ہر بات پر نہ صرف جرح کرتا بلکہ ان کے منہ پر ہی ان کی کھلی مخالفت پر بھی اتر آیا تھا۔

"دیکھا...... دیکھا تمہارا اس کے دل میں

بھرا ہوا میرے خلاف زہر ہے کہ وہ یوں باپ کے منہ کو آ گیا ہے جاؤ یہاں اپنا سامان سمیٹو اور کراچی روانہ ہو اور ایک بات کان کھول کر سن لو اگر مجھے پتہ چلا کہ تم نے اس بدذات شہاب سے رابطہ کیا ہے تو اچھا نہیں ہوگا۔" وہ کہہ کر رکے نہیں ان کے جانے کے بعد اس نے روتی ہوئی امی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"امی آپ ٹینشن نہ لیں سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ جانتی ہیں ابو کی تو ہمیشہ سے عادت رہی ہے اور اب تو ہمیں ان کی باتوں کی عادت ہوگئی ہے ہر کام میں مین میخ نکالنا ان کی سرشت ہے۔" وہ ان کی دلجوئی کرتے ہوئے بولا وہ محض اپنے آنسو پی کر رہ گئیں۔

☆☆☆

گاڑی چل رہی تھی جبکہ اس کا ذہن کسی اور ہی طرف تھا، آج اس کے شہر کی جانب ہوتی ہوئی ٹرین کے ساتھ ہوا نے بھی صیغم کے ساتھ بغاوت شروع کر دی تھی شہر یاراں کی ہواؤں نے اس کو ویلکم کہنا شروع کر دیا تو کسی نے شکوہ کیا کہ محبوب کی حالت زار سے پردہ پوش محبت کو زیب نہیں دیتی اس نے لاکھ تاویلیں گھڑیں بہانے تراشے لیکن دل کسی طور سننے کے موڈ میں نہیں تھا اور آنکھیں اس کی شبیہ تراشنے اور اس کو آنکھوں کے سامنے سراپا مجسم پانے کی خواہش اس کے دل کے دروازے پر چسپاں کر چکا تھا۔

میرے چارہ گر
میرے درد کی تجھے کیا خبر
تو میرے سفر کا شریک ہے
نہیں ہم سفر
میرے چارہ گر، میرے چارہ گر
میرے ہاتھ سے تیرے ہاتھ تک
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا
اسے ناپتے اسے کاٹتے
میرا سارا وقت نکل گیا
نہیں جس پہ کوئی نشان پا
میرے سامنے ہی وہ رہ گزر
میرے چارہ گر
میرے درد کی تجھے کیا خبر

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں وہ نادیہ بھابھی کو ڈھونڈتا ہوا ان کے کمرے میں آیا بھابھی کمرے میں نہیں تھیں البتہ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی وہ ان کے بیڈ پر چت لیٹ گیا اور اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی وہ اکثر یونہی کیا کرتا تھا، اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر واش روم کی جانب دیکھا جہاں نادیہ بھابھی کے بجائے عیشا تذبذب کا شکار کھڑی اسی کو دیکھ رہی تھی وہ بے ساختہ سٹپٹا کر اٹھ بیٹھا۔

"اوہ تم نادیہ بھابھی کہاں ہیں میں ان سے چیک لینے آیا ہوں ابو مانگ رہے ہیں۔" وہ جونہی اٹھا خود کو سمیٹتی عیشا آگے بڑھی اور بیڈ پر سے اپنا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھنے لگی اس نے باریک جارجٹ کا دوپٹہ پہلے ہی اوڑھا ہوا تھا لیکن ایک حجاب اور جھجک نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا اس کی اس حرکت پر صیغم تحیر سے اس کو دیکھنے لگا۔

"وہ پھپھو کے روم میں ہیں۔" دھیمی آواز میں کہا گیا اس نے بہت غور سے اس کی جانب دیکھا، گالوں پر دوڑتی سرخی نے اس کو قدرتی رعنائی اور حسن عطا کر دیا تھا پیلے رنگ کے چوڑی دار پاجامے اور پیلی گھٹنوں تک آتی قمیض پر جا بجا سبز رنگ کے گوٹے کے پھول لگے ہوئے تھے پیلے اور گرین رنگ کے امتزاج کے دوپٹے کو اوڑھے وہ عام دنوں سے بہت مختلف اور پرکشش

لگ رہی تھی۔
''تم کیسی ہو اور پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔''
اس کو جانے کے لئے پر تولتا دیکھ کر وہ سرعت سے بولا۔
''اچھی جا رہی ہے۔'' وہ بول کر جلدی سے آگے بڑھنے کو تھی، جب عقب سے صیغم کی آواز نے اس کے قدم جامد کر دیئے۔
''آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو بہت حسین اور منفرد یہ رنگ تم پر جچ رہا ہے۔'' اس کے لفظوں کا فسوں تھا جو اس پر ایک لمحے کو طاری ہوا اور اگلے ہی پل وہ خود میں سمٹتی باہر نکل گئی، اس نے ایکدم سے آنکھیں کھول دیں خوبصورت یادیں سرمائے کی طرح ہوتیں ہیں جن کو جب بھی یاد کیا جائے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں اس کی شرم و حیا اور سادگی ہی نے صیغم کو اسیر کیا تھا۔

یہ جو دشت فراق ہے
میرے راستے میں بچھی ہوئی
کسی موڑ پہ رکے کہیں
یہ جو رات ہے میرے چار سو
مگر اس کی کوئی سحر نہیں
نہ چھاؤں ہے نہ ثمر کوئی
میں نے چھان دیکھا شجر شجر
میرے چارہ گر، میرے چارہ گر
میرے درد کی تجھے کیا خبر
تو میرے سفر کا شریک ہے
نہیں ہم سفر..........

وہ ہولے سے بڑبڑایا، اس کا موبائل بجنے لگا وہ چونکا حمنہ کا نمبر دیکھ کر اس کرا چنبھا ہوا۔
''السلام علیکم کیسی ہو حمنہ؟'' وہ بشاشت سے بولا۔
''وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں تم کہاں ہو؟''
''میں ٹرین میں ہوں حمنہ تمہارا بہت بہت شکریہ تم نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے You are my true friend''۔
''میں جانتی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔
''اور میں یہی کہنا چاہتی ہوں بیوقوف انسان جس کے لئے اتنے جذبات دل میں لئے بیٹھے ہو اس کو یقین بھی دلاؤ دوسرے لوگوں کو بتانے سے کیا حاصل اسے اعتماد میں لو، وہ وہاں ادھ موئی ہو گئی ہو گی اس کو بتاؤ کہ اس کو حاصل کرنے میں تم نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں محبت کا تریاق محبت ہی ہوتا ہے پاگل آدمی۔''
''تھینکس ڈیئر مورال ہائی کرنے کے لئے آپ کی نصیحتوں پر مابدولت بہت جلد عمل کریں گے انشاء اللہ۔''
''او کے اپنا خیال رکھنا بائے اللہ حافظ۔'' وہ فون بند کر چکا تھا کافی دیر کھڑکی سے باہر جھانکنے کے بعد اس نے عیشا کا نمبر پریس کیا اس کے موبائل میں عیشا کا نمبر سیو تھا لیکن کبھی اسے سیل پر اس سے بات نہیں کی تھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی اپنے سینت سینت کر رکھے ہوئے جذبات کا اکیلا محافظ تھا، اس نے سوچا تھا وقت آنے پر ان خزانوں کا منہ کھول دے گا اس کو بتائے گا کہ اے بے پرواہ سجنی دیکھو تمہیں کتنی فرصت سے چاہا گیا ہے سوچا گیا ہے لیکن تقدیر نے ایکدم سے پانسا پلٹ دیا تھا یہی وقت تھا جب وہ اس کو اپنے سچے جذبوں سے آگاہ ہی دے سکتا تھا، کال مسلسل جاتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی تھی اس نے دوبارہ ڈائل کیا ابھی بھی بیل جا رہی تھی گاڑی اسٹیشن پر رک گئی، اس نے بے ساختہ گھڑی پر نگاہ ڈالی رات کے بارہ بج رہے تھے شاید وہ سو گئی ہو اس نے اس کو میسج کیا۔
''میں صیغم ہوں۔'' اور گاڑی سے نیچے اتر آیا، گاڑی چونکہ ایک پسماندہ گاؤں کے اسٹیشن پر

رکی تھی اس لئے چہل پہل مفقود تھی اس نے کھانا لینے کی غرض سے دو ایک ٹھیلوں کا انتخاب کیا کھانا لینے کے بعد وہ دوبارہ گاڑی میں سوار ہوا اس کا موبائل یکا یک بجا تھا شاید اس کا ایس ایم ایس آیا ہو، اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر کھانا رکھا اور جیب سے موبائل نکالا، than؟ (پھر) عیشا کا میسج آیا ہوا تھا جس کو پڑھتے ہوئے بے ساختہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی ہے۔

''میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں عیشا۔''

اس نے سرعت سے ٹائپ کیا موبائل ساتھ رکھا اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ سیل پر بھی نظر ڈال لیتا تھا کہ شاید اس کا جواب آئے۔

''میری منگنی ہوگئی ہے مسٹر صیغم! اب بات کرنے کو کچھ نہیں بچا۔'' پانچ منٹ کے طویل اور صبر آزما وقت کے بعد اس کا ایس ایم ایس اسکرین پر جگمگایا، اس کو پڑھتے ہی کچھ دیر کھیلتی مسکراہٹ کو سنجیدگی اور تشویش نے نگل لیا تھا اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''وہ تو میں جانتا ہوں مجھ سے منگنی تو بچپن میں ہوئی تھی تمہاری تمہیں کیا اب پتہ چلا ہے اس منگنی کا۔'' اس نے خود کو ایک بار پھر ہلکا پھلکا کرنا چاہا۔

کھانا سائیڈ پر رکھنے کے بعد وہ اب پانی پی رہا تھا، کافی دیر وہ بے چینی اور بیقراری سے وہ اس کے ایس ایم ایس کا انتظار کرتا رہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خود کو باہر کے مناظر میں گم کرنے کی سعی کرنے لگا اور محض بیس منٹ کے بعد ہی اس کی آنکھیں نیند اور غنودگی سے بوجھل ہونے لگیں۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی کراچی اسٹیشن پر پہنچا صیغم کا دوست ایاز اس کو لینے کے لئے آیا ہوا تھا سارا راستہ سفر کی روداد سناتے ہوئے گزرا اپارٹمنٹ میں پہنچ کر نہا دھو کر وہ سویا تو رات کو ہی جاگا سونے سے پہلے اس نے موبائل چیک کیا اور مایوس ہو کر موبائل چارجنگ پر لگایا رات کو جب وہ جاگا سب سے پہلے اس نے امی کو فون کیا اور ان کو اپنے کراچی پہنچنے کی اطلاع دی اس کے بعد صیغم نے عیشا کا نمبر ملایا حسب معمول اس کی کال ریسو نہیں کی گئی، دوبارہ ٹرائی کرنے کے بعد اس نے ایس ایم ایس کیا۔

''میں بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں عیشا۔'' کافی دیر تک وہ موبائل ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا لیکن کوئی جواب نہ آیا، اس نے دوبارہ کال کی دوسری ہی بیل پر کال ریسو کر لی گئی۔

''ہیلو السلام علیکم! آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں اور ویسے بھی اب بات کرنے کو رہ ہی کیا گیا ہے۔'' بھاری سی کسی بھی جذبے سے عاری آواز صیغم کی سماعت سے ٹکرائی ایک لمحے کو وہ بھونچکا رہ گیا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

''عیشا کیا ہو گیا ہے میں صیغم ہوں تمہارا صیغم۔'' جذبوں سے چور لب ولہجہ بھی اس پر اثر نہیں ڈال سکا تھا۔

''مسٹر صیغم میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرے والد میری منگنی کر چکے ہیں اور ٹھیک ایک ماہ بعد میری شادی ہو رہی ہے اب مجھ سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جب بات کرنا چاہیے تھی تب آپ منہ میں گنگھیاں ڈالے بیٹھے رہے تھے اب، اب کچھ نہیں بچا سنا آپ نے.....'' وہ گلوگیر آواز میں بولی اور ساتھ ہی کھٹ سے کال ڈسکنیکٹ کر دی گئی اس نے دوبارہ نمبر پریس کیا، بیل جا رہی تھی لیکن عیشا نے کال رسیو، دوبارہ فون کیا تو موبائل ہی آف کر دیا

گیا تھا، صیغم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس پاگل لڑکی کو کس طرح سمجھائے کس طرح یقین دلائے کہ وہ وہاں اس کے لئے لڑتا رہا تھا اور محض صرف اس کے لئے ہی یہاں آیا تھا، لیکن وہ بات سننے کو ہی تیار نہیں تھی اوپر سے ہر میسج میں اپنی شادی ہونے کی تلوار اس کے سر پر سوار کر دیتی تھی۔

☆☆☆

رات کے بارہ بج رہے تھے وہ بستر پر چت لیٹا سوچوں کے بغور میں بری طرح الجھ گیا تھا کیا کرے اور کیا نہ کرے اسی کشمکش میں اس کا وجود بھٹکنے لگا، اس نے ایک بار پھر اس کا نمبر ملایا سیل آن ہو چکا تھا اور ساتھ ہی تیسری بیل پر کال رسیو کر لی گئی۔

''ہیلو عیشا پلیز میری بات سنو۔'' وہ بولا جبکہ دوسری جانب سانسوں کے زیر و بم کی آواز ہی آئی۔

''کیا میں تمہیں کبھی چھوڑ سکتا ہوں نہیں ایسا مر کر ہی ہو سکتا ہے، مجھے حیرت ہے ہم سے رابطہ نہ سہی تم نادیہ بھابھی سے پوچھ لو ان سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے میری ابو سے ہر روز جھڑپ ہوتی تھی، حسنہ کو میں نے ہی منایا کہ وہ مجھ سے منگنی نہ کرے کراچی میں تبادلہ بھی صرف تمہاری وجہ سے کرایا میں نے اور تم میری آواز ہی نہیں سننا چاہتی بتاؤ کیا کروں میں سی ویو پہ جا کر جان دے دوں پھر یقین آئے گا تمہیں میرا۔''

''میں کیا کروں مجھے بتائیں آپ، کہاں جاؤں نہ میں مر سکتی ہوں اور نہ جی سکتی ہوں۔'' وہ روہانسی آواز میں بولی اس کی آواز سے چھلکتی تڑپ اور کرب نے اس کو ایک لمحے کے لئے سن کر دیا، وہ کس برزخ میں جل رہی تھی وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی اور لڑکی آئے گی۔

''صیغم...... صیغم...... میں...... میں مر جاؤں گی، خدا کے لئے مجھے اس عذاب مسلسل سے نکالیں صیغم۔'' وہ بچوں کی طرح زار و قطار رونے لگی اور صیغم کی تو مانو جان ہی نکل گئی، اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یوں فون پر وہ اس کو کس طرح چپ کرائے۔

''عیشا...... عیشا...... پلیز مت روؤ تمہاری آنکھوں سے بہتے یہ آنسو مجھے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں، پگلی کیا ہو گیا ہے میں ہوں ناں تمہارے ساتھ تمہارے پاس پھر کیوں کر رہی ہو اس طرح تمہارے آنسو اتنے سستے نہیں ہیں کہ تم ان کو یوں بہاؤ پلیز عیشا چپ کر جاؤ تمہیں میری محبت کی قسم۔''

''صیغم...... صیغم...... میں آپ کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی اگر میری شادی آپ سے نہ ہوئی تو میں سچ مچ مر جاؤں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''میری جان میں جانتا ہوں تمہیں مرنے کون دے گا پلیز چپ ہو جاؤ منہ دھو کر فریش ہو کر آؤ میں انتظار کر رہا ہوں اور خبردار جو اب روئیں۔''

''صیغم......!'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن صیغم ڈپٹ کر بولا۔

''نو صیغم۔''

''پہلے جاؤ خود کو فریش کرو میں انتظار کر رہا ہوں۔''

''اچھا جاتی ہوں۔'' وہ چلی گئی اور صیغم اس کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا، صیغم کو پہلی بار احساس ہوا کہ جتنا وہ عیشا کو چاہتا ہے کم و بیش عیشا بھی اپنے دل میں اس کے لئے یہی جذبات رکھے ہوئے ہے یہ سوچ کر ہی ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

☆☆☆

''آج تم بہت خوش لگ رہی ہو عیشا کیا انکل مان گئے ہیں۔'' کائنات نے عیشا کو چہکتے ہوئے دیکھا جو کہ اپنی پرانی جون میں لوٹ آئی تھی۔

وہی ہنسی مذاق بات بات پہ مسکرا دینا برجستہ جملوں کا تبادلہ اور تو اور اس نے آج لائنر لپ اسٹک مسکارے کا بھی بے دریغ استعمال کیا ہوا تھا۔

''نہیں لیکن صیغم نے کراچی تبادلہ کرالیا ہے اور تمہیں پتہ ہے میری ان سے ان دو دنوں میں تفصیل سے بات ہوئی ہے۔''

''اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے کیا کہتے ہیں صیغم بھائی۔''

''کچھ خاص نہیں، پہلے تو مجھے مناتے رہے پھر آفتاب بھائی کی شادی کا احوال بتا رہے آج صبح میں چھ بجے جاگی تو ان کے کئی ایس ایم ایس آئے ہوئے تھے تم جانتی تو ہو صبح سویرے میں امی ابو کو بیڈ ٹی دیتی ہوں اس لئے زیادہ بات نہیں ہوسکی، تم سناؤ آپی شازیہ کا کیا حال ہے اور وہ لڑکا ملا ان کو پھر۔''

کائنات کی بہن شازیہ ایک پرائیویٹ فرم میں کام کرتی تھی وہی ان کے ساتھ ایک لڑکا کام کرتا تھا دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے بقول شازیہ آپی کے وہ انتہائی شریف النفس انسان ہے کچھ عرصہ تک اس فرم میں کام کرنے کے بعد اس نے اپنے والد کے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا جاب وہ ابھی بھی کر رہا تھا اس دوران شازیہ آپی کے کتنے ہی رشتے آئے لیکن وہ ہر رشتے کو منع کر رہی تھیں اور وہ لڑکا اپنے والد سے ڈرتا تھا اس لئے ابھی تک گھر میں اس کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی تھی جبکہ دوسری جانب کائنات وغیرہ کے تایا نے ان کا جینا حرام کیا ہوا تھا وہ اپنے میٹرک فیل بیٹے کے ساتھ شازیہ کا رشتہ کرنا چاہتے تھے جو اپنے کردار اور عادات کے حوالے سے پورے خاندان میں بد نام تھا وہ ان کو پریشرائز کر رہے تھے کہ اگر شازیہ کا رشتہ نہ دیا تو وہ ان کو ان کی آبائی زمینوں سے بے دخل کر دیں گے علی بھائی کسی صورت نہ تو زمین چھوڑنے کو تیار تھے اور نہ ہی شازیہ کا رشتہ امجد کے لئے دینے کو۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا کائنات تم ٹینشن نہ لو۔'' عیشا ن اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اسی وقت اس کے پرس میں پڑا موبائل بجا اور بجتا ہی چلا گیا، اس نے بیگ سے سیل نکالا صیغم کی کال آ رہی تھی اس نے سرعت سے کال رسیو کی۔

''کیسی ہو بے وفا حسینہ اتنے گھنٹے ہو گئے ہیں اور جنابہ نے ایک ایس ایم ایس کا بھی جواب نہیں دیا۔''

''دیا تو تھا آپ کو گڈ مارننگ کا جواب آپ نے میسج نہیں دیکھا کیا۔''

''دیکھا تھا لیکن اپنے چاند کو نہیں دیکھا اب تک۔''

''کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔'' اس کی ہتھیلی میں پسینہ سا اترنے لگا۔

''مطلب یہ کہ میں تمہاری یونی کے باہر کھڑا ہوں جلدی سے آجاؤ۔''

''کیا......؟ نہیں صیغم اس وقت۔'' وہ ششدر رہ گئی۔

''اور کس وقت ملتا یار کب سے آیا کھڑا ہوں آ بھی جاؤ اب۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا، وہ مسکرا دی۔

''اوکے میں آ رہی ہوں۔'' اس نے سیل آف کر کے بیگ میں رکھا۔

''کائنات صیغم آئے ہوئے ہیں میں ان سے ملنے جارہی ہوں۔''

''عیشا اگر کسی نے دیکھ لیا تو پھر۔'' کائنات نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''کوئی نہیں دیکھتا پلیز مجھے ڈراؤ نہ پہلے ہی میرا دل خوف کے مارے دھڑ دھڑ کررہا ہے۔'' وہ اچھی طرح سے دوپٹہ اوڑھتے ہوئے بولی اور یونہی وہ مین گیٹ سے باہر آئی سامنے کار سے ٹیک لگائے صیغم پر اس کی نگاہ پڑی وہ اس کو دیکھ کر مسکرایا وہ چلتے ہوئے اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔

''یہ گاڑی کس کی ہے؟''

''دوست کی ہے بیٹھو۔'' وہ فرنٹ ڈور کھول کر بولا۔

''صیغم اگر کسی نے دیکھ لیا۔''

''اوکم آن یار کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا۔

''ہم.....ہم.....کہاں جارہے ہیں صیغم۔''

''چاند پر میری جان۔'' برجستہ جواب آیا، اس نے اس کی جانب دیکھا جو فرصت سے گنگنا رہا تھا، اتنے عرصے بعد عیشا اس کو دیکھ رہی تھی، اس کی صاف رنگت میں گلابیاں سی گھل گئی تھیں، چوڑی پیشانی پر آئے ڈارک براؤن بال گہری چمکتی کالی آنکھیں بھرے بھرے ہونٹ اور ہونٹوں کے نیچے اپنی چھب دکھاتا سیاہ تل بے شک صیغم جاذب نظر اور پرکشش انسان تھا جو وجاہت اور خوبصورتی کا بہترین مرقع تھا۔

''محترمہ اچھی طرح دیکھ لیا ہے ناں کوئی اعتراض ہے لڑکے میں تو ابھی بتا دو آگے موقع نہیں ملے گا۔'' وہ خود پر مرکوز اس کی نگاہوں کو کافی دیر سے محسوس کررہا تھا ایکدم سے اس کی جانب دیکھ کر بولا، اس کی شرارت اور ذومعنی انداز پر عیشا خود میں سمٹ کر رہ گئی پھر بات بناتے ہوئے بولی۔

''مجھے آپ کی سرد مہری پسند نہیں ہے اور آپ کا روڈ ہونا بھی......سرد مہری محترمہ اور میں کب روڈ ہوا تم سے اوہ مائی گارڈ یہ تو الزام ہے مجھ پر۔'' وہ بلبلا کر رہ گیا۔

''کئی بار آپ روڈ ہوتے ہیں جب میں مریم سے فون پر بات کرتی تھی تو کئی بار آپ کے پیچھے سے آوازیں آتی تھیں جب مریم کہتی کہ میں عیشا سے بات کررہی ہوں تو آپ فرماتے تھے وہ تو فارغ ہے جو سارا دن تمہارے ساتھ لگی رہتی ہے چلو میرے کپڑے آکر استری کرو۔''

''ہاہاہا، یار ایک بار کہا تھا وہ بھی تم پر غصہ تھا، تمہیں جب نادیہ بھابھی نے کہا کہ آفاق کے ساتھ کوئٹہ آجاؤ ہفتے بھر کے لئے تو تم نے منع کردیا، میں وہاں تمہاری آمد کا منتظر تھا، تم نہیں آئیں اور میں کافی عرصے تک تمہارے خلاف دل میں کدورت پالتا رہا ہوں پھر خود کو سمجھایا کہ محترمہ میرے حال سے بے خبر ہیں اس لئے ان کو معاف کردینا چاہیے، مجھے نہیں پتہ تھا محترمہ عیشا صاحبہ اتنی پرانی باتیں نہ صرف یاد رکھے ہوئے ہیں بلکہ دل سے بھی لگائے ہوئے ہیں۔'' وہ کار ریسٹورنٹ کے سامنے روکتے ہوئے بولا۔

''چلو اترو اچھا سا لنچ کرتے ہیں پھر میں تمہیں تمہاری یونی چھوڑ دوں گا اور اپنے آفس جاؤں گا۔'' وہ پروگرام ترتیب دے کر بولا اور اس کی جانب والا فرنٹ ڈور کھولا، وہ ہچکچاتے ہوئے باہر آئی البتہ اس کا دل ابھی بھی انجانے خدشات سے ڈر رہا تھا، وہ دونوں آگے پیچھے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے عیشا نے ایک طائرانہ نگاہ وہاں بیٹھے افراد پر ڈالی اور تبھی اس کی اڑتی ہوئی نگاہ کونے میں بیٹھے ایک کپل پر فکس ہوگئی، آفاق

بھائی اور شازیہ آپی دونوں کونے والی ٹیبل پر موجود تھے ان کی ایک ساتھ موجودگی عیشا کے لئے حیرت کا باعث تھی وہ دنگ رہ گئی عیشا کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ کائنات جس لڑکے کا ذکر کررہی تھی وہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کا اپنا بھائی ہوگا جو ایک لڑکی کے جذبات سے کھیل کر اس کو امید و آس کی ڈور تھما کر اب بہانے پہ بہانہ بنا رہا تھا، بیٹیوں کے معاملے میں ابو جتنے بھی سخت رہے ہوں لیکن آفاق بھائی کو انہوں نے کبھی ٹارچر نہیں کیا تھا، آفاق بھائی نے تو کبھی شازیہ آپی کا ذکر ہی نہیں چھیڑا تھا کتنی ہی بار وہ کائنات کے ساتھ ان کے گھر آچکی تھیں ایک آدھ بار آفاق بھائی سے بھی ان کا آمنا سامنا ہوا تھا تو کیا کائنات بھی جانتی تھی؟

''کیا ہوا عیشا چلو۔'' اس کو ساکت کھڑا دیکھ کر صیغم نے ٹھوکا دیا اور اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اس کو بھی جھٹکا لگا اس نے سرعت سے اس کا بازو پکڑا اور ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا تمام راستہ دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی یونی کے سامنے کار روک کر وہ بولا۔

''عیشا ٹینشن نہ لو، آفاق کی کوئی کولیگ ہو گی۔''

''نہیں میں جانتی ہوں انہیں۔'' اس نے مختصراً کہا وہ محض کندھے اچکا کر رہ گیا پھر بولا۔

''اپنا خیال رکھنا میں آفس سے فارغ ہو کر تمہیں کال کروں گا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کار سے اتر گئی کائنات نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کیا لیکن اس کے پوچھنے پر عیشا ٹال گئی۔

☆☆☆

''آفاق بھائی آپ کے لئے خوشخبری ہے۔'' وہ دھاوا بولنے کے سے انداز میں ان کے کمرے میں آئی وہ جو فون پر بات کر رہے تھے اس کی اچانک آمد سے گڑبڑا گئے پھر جلدی سے بات سمیٹتے فون رکھ کر اس کو گھورتے ہوئے بولے۔

''تمہیں بالکل بھی مینرز نہیں ہے عیشا!'' فون پر بات کررہا تھا۔

''کس سے بات کررہے تھے۔''

''تمہیں کیا جس سے بھی بات کروں تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں۔'' وہ فائل کھولتے ہوئے بولے۔

''امی جان آپ کا رشتہ سدرہ کے لئے لے کر جارہی ہیں، ابھی میں نے خود امی ابو کو آپس میں بات کرتے سنا ہے۔''

''کیا...... سدرہ کے لئے...... لیکن میں تو۔'' وہ سراسیمگی سے اس کو دیکھنے لگے جوان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہی تھی، اس خبر سے ان کے چہرے کی ساری شگفتگی ساری شوخی پل بھر میں ہوا ہو چکی تھی۔

''بھائی آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں سب خیریت تو ہے۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

''سدرہ اچھی ہے بہت اچھی اور میری تو اس سے بنتی بھی بہت ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولی جارہی تھی کہ ان کی اچانک آواز نے اس کو چپ کرادیا۔

''میں سدرہ سے شادی نہیں کرسکتا عیشا میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

''شازیہ آپی کو؟''

''ہاں۔'' وہ نڈر لہجے میں بولے۔

''لیکن میں ابو سے کیسے بات کروں جانتا ہوں وہ نہیں مانیں گے اور شازیہ کے حالات

سے تم اچھی طرح واقف ہو اور اب جبکہ انہوں نے سدرہ کا انتخاب کیا ہے تو وہ اپنی بات سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

"وہ تو میں مذاق کر رہی تھی۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچنبھے سے اس کو دیکھنے لگے۔

"میں آپ کو جانچنا چاہتی تھی کہ آپ شازیہ آپی کے ساتھ کتنے مخلص ہیں۔"

"کیا پاگل لڑکی تم مجھے آزما رہی تھی اور میں سچ میں پریشان ہو گیا، میرے مخلص ہونے سے کیا ہوتا ہے عیشا میں جانتا ہوں ابو کبھی نہیں مانیں گے دوسرا آج کل ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے وہ بزنس کی وجہ سے ویسے ہی پریشان ہیں لیکن میں بہت جلد ان سے بات کروں گا۔"

"سچی بھیا۔"

"بالکل اور پلیز تم اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کرو گی پرامس کرو۔" وہ اس کے آگے ہاتھ پھیلا کر بولے اس نے خوشدلی سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو گیا ساتھ ہی ابو نے امی کو عیشا کی شادی کی تیاریوں کی ہدایت بھی دے دی تھی، گھر والے اس کی شادی کی تیاری کر رہے تھے وہ سارا دن اللہ سے دعائیں مانگتی اور رات کو صیغم سے بات کرتے ہوئے اپنے خدشات اس پر عیاں کرنا نہیں بھولتی تھی، اس دن بھی اس نے صیغم کو بتایا کہ امبر خالہ اس کی چوڑی کا سائز لینے آئی تھیں وہ سن کر بھڑک اٹھا پھر بولا۔

"میں کل انکل سے ملنے ان کے آفس جاؤں گا اچھا ہے روبرو بات ہو جائے۔"

"لیکن صیغم......؟" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ غصے میں بولا۔

"عیشا پلیز میں جو کر رہا ہوں مجھے کرنے دو ورنہ پانی سر سے گزر جائے گا۔"

اور اگلے دن عیشا کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزتا رہا، دوپہر کو ظہر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی رہی تھی جب نیچے سے ابو کے چیخنے چلانے کی آواز آئی وہ بغیر چپل کی پرواہ کیے تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکلی وہ سیڑھیوں تک پہنچی ہی تھی کہ نیچے ڈرائنگ روم سے آتی ابو کی آواز نے اس کے قدم ساکت کر دیئے۔

"آج صیغم آیا تھا میرے پاس انتہائی بدتمیزی کر کے گیا ہے بجائے اپنے باپ کو سمجھانے کے اس جھگڑے کا ذمہ دار مجھے ہی ٹھہرا رہا تھا، کہنے لگا میں دیکھتا ہوں آپ عیشا کا رشتہ کیسے بلال سے کرتے ہیں میں نے کہا میاں صاحبزادے دو دن کے بعد آ کر دیکھ لینا میں عیشا کا دو دن بعد نکاح کر رہا ہوں میں امبر سے بات کر چکا ہوں اس کو کوئی اعتراض نہیں ہے تم کل ہی جا کر خریداری کر لو دو دن بعد تراویح کے بعد نکاح ہو جائے گا۔" عیشا سرپٹ اپنے کمرے میں آئی اس نے سیل اٹھایا اور صیغم کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو......ہیلو صیغم سب کیا ہو گیا ہے ابو میرا نکاح کر رہے ہیں دو دن بعد۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی۔

"عیشا پلیز مت روؤ، روزہ ہے تمہیں، تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی، میں نے ان کو منانے کی بہت کوشش کی ہے عیشا لیکن ان کی ایک ہی ضد ہے کہ ابو ان سے معافی مانگیں جبکہ میں جانتا ہوں ابو کبھی ماموں سے معافی نہیں مانگیں گے۔"

"اب......اب کیا ہو گا صیغم۔" وہ سہم کر بولی۔

''ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔''

''کیا؟'' عیشا کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی وہ صیغم سے اس بات کی توقع نہیں کررہی تھی۔

''عیشا تم اچھی طرح سوچ لو اگر تم ماموں کے فیصلے پر سر جھکا کر ساری زندگی بلال کے ساتھ گزار سکتی ہو، تو ٹھیک ہے تم دیکھنا تمہارے نکاح والے دن میں خود کو گولی مارلوں گا ورنہ، میرے ساتھ چلو نکاح کرنے کے بعد ہم ان سب کو منالیں گے اور اگر نہیں مانیں گے تو ٹھیک ہے پھر ہم آزاد ہیں اپنی زندگی گزارنے کے لئے۔'' وہ سفاکی سے بولا۔

''لیکن صیغم...... میں...... میں ایسا نہیں کر سکتی میں اپنے باپ بھائی کی عزت مٹی میں نہیں رول سکتی۔''

''تو پھر ٹھیک ہے بیٹھی رہو اور جہاں تمہارے ماں باپ چاہ رہے ہیں کو لو شادی میں کل رات بارہ بجے تک گیٹ کے سامنے تمہارا انتظار کروں گا اور اگر تم نہ آئیں تو نکاح والے دن میرے مرنے کی خبر سن لینا اور پلیز اس کو دھمکی مت سمجھنا۔'' وہ فون بند کر چکا تھا اس کے بعد عیشا نے کتنی ہی بار اس کا نمبر ڈائل کیا لیکن اس نے کال ریسو نہیں کی تھی۔

☆☆☆

ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا وہ آئی سی یو میں تھے جونہی یہ خبر کوئٹہ پہنچی پھپھو بمعہ فیملی حتیٰ کہ پھپھا بھی کراچی آگئے ابو کی حالت کرٹیکل تھی آفاق بھائی اور صیغم ہمہ وقت گھر اور ہاسپٹل کے درمیان گھن چکر بنے ہوئے تھے، رمضان کا آخری عشرہ اسی پریشانی میں گزرا، عیشا کی نمازیں لمبی ہو گئیں، اللہ سے زیادہ کون اپنے بندے سے محبت کرے گا جس نے اس کی کوتاہی اس کے گناہ کا پردہ رکھ لیا ورنہ اگر یہ سب اس کے بھاگنے کے بعد یہ سب ہوتا تو کبھی وہ خود کو معاف نہیں کر پاتی۔

ابو کو ہوش آگیا تھا لیکن ان کو ابھی گھر جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، ابو کو کاروبار میں بہت زیادہ نقصان ہوگیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ آج بستر مرگ پر جا پڑے تھے آفاق بھائی جاب چھوڑ کر کاروبار کو دوبارہ اسٹیبلش کرنے میں لگ گئے تھے، ابو کا آمنا سامنا پھپھا سے ہوا لیکن انہوں نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا، پھپھا خود ہی ان کے قریب پہنچے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے

''کیسے ہو شہاب اب، طبیعت کیسی ہے۔''
ان کے چہرے سے چھلکتی اپنائیت نے سب کو حیران کردیا۔
''ٹھیک ہوں اب۔'' وہ نیم غنودگی کی حالت میں بولے اور آنکھیں بند کرلیں۔
''آرام کرلو شہاب، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' وہ ان کا سر تھپک کر بولے۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی اور اس چاند رات کو شہاب ولا کا رنگ ویسا ہی تھا جیسا پچھلی عید پر تھا فرق بس اتنا تھا کہ عید کے چوتھے دن صیغم اور عیشا کے نکاح کے ساتھ حمنہ اور عمر، آفاق اور شازیہ کی منگنیاں تھیں ایک ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی لڑکیاں اپنی شاپنگ کو لے کر پریشان تھیں اور مرد حضرات اتنی بڑی تقریب کے انتظامات سنبھالتے پھر رہے تھے۔
''مبارک ہو محترمہ سنا ہے آپ کا نکاح ہو رہا ہے۔'' وہ جو سب کزنز کے ساتھ چاند دیکھ رہی تھی پیچھے سے آتی صیغم کی آواز پر اچھل کر مڑی صیغم بازو باندھے گہری بولتی نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔
''کیا اکیلے میں مراقبہ کررہی تھیں یہاں۔''
''ابھی تو سب تھیں۔'' عیشا نے ادھر ادھر دیکھا سب اس کو چکما دے گئی تھیں۔
''محترمہ وہ سب چوڑیاں پہننے گئی ہیں آفاق صاحب کے ساتھ مریم نادیہ بھابھی فرحت، بس ایک آپ ہی یہاں کھڑی ہیں۔''
''کیا وہ سب چلی گئی ہیں میں کیسے جاؤں گی اب میں نے تو مہندی بھی لگوانی ہے۔'' اس نے اپنے خالی ہاتھوں کی جانب اشارہ کیا صیغم مسکرا کر بولا۔
''تو خادم کس لئے ہے چلو میں تمہیں لے چلتا ہوں صرف ایک شرط پر۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا، ایک برقی روسی عیشا کے جسم میں سرایت کرنے لگی اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کی لیکن مقابل کی گرفت سخت تھی۔
''آج مجھے بتا ہی دو کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے بولو۔'' اس کے ہاتھوں کی سختی اور آنکھوں سے پھوٹنے والی روشنی عیشا کو پزل کرنے کو کافی تھی۔
''بہت محبت کرتی ہے اب تو اس کو جانے دیں صیغم بھائی! سب اس کا انتظار کررہے ہیں۔'' مریم کی ہانک پر دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا صیغم کی توجہ ہٹنے کی دیر تھی عیشا نے جھٹ سے اپنا ہاتھ چھڑالیا، صیغم نے جھنجلا کر پہلے مریم کو اور پھر عیشا کو گھورا۔
''آپ تو کہہ رہے تھے سب مجھے چھوڑ گئی ہیں۔'' عیشا نے تیکھے چتونوں سے صیغم کو گھورا۔
''یار میں تو مذاق کررہا تھا یہ چڑیل ہمیں اکیلا کہاں چھوڑنے والی ہے ٹپک پڑی ہے محترمہ۔'' وہ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔
''اوکے پھر میں جاتی ہوں ان لوگوں کے ساتھ۔'' وہ آگے بڑھی۔
''اچھا میری بات کا جواب تو دیتی جاؤ پلیز۔'' اس کی آواز میں اصرار تھا التجا تھی جس کو نظر انداز کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔
''بہت...... بہت زیادہ۔'' وہ ہنس کر بولی اور جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے لگی اس کے جواب پر صیغم اندر تک سرشار ہوگیا بے شک اس بار عید کا رنگ ہی نرالا تھا جو واقعی ان سب کے لئے خوشیوں کا پیامبر بن کر آئی تھی۔

☆☆☆

من شر الوسواس

شبانہ شوکت

''اللہ! نو بجنے والے ہیں اور اس نواب کی نیند ہی پوری نہیں ہوتی، کب یہ اٹھے گا اور کب میں یونی جا سکوں گی، آج اسے نہیں چھوڑوں گی۔'' مشائم نے کلاک میں ٹائم دیکھا اور تنتناتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی، اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں پانی بہت کم تھا، وہ اٹھا کر فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل اس میں انڈیلی اور واپس کمرے میں آ گئی، جہاں وہ کروٹ لئے گہری نیند میں تھا، وہ عین اس کے سر پر پہنچ کر دھاڑی تھی۔

''ذوئل کے بچے، جاگ جاؤ اب۔''

''ہائے ابھی کہاں ذوئل کے بچے، ابھی تو بے چارہ ذوئل خود ہی ستم زدہ ہے۔'' اس کی غنودگی میں ڈوبی آواز ابھری تھی، آنکھیں بدستور بند تھیں۔

''تو اس ستم زدہ اسٹاف سے ریکوئسٹ ہے کہ وہ اٹھ جائے ورنہ جگ میں موجود پانی اس کے اوپر بہہ جانے کے لئے بالکل تیار ہے۔'' وہ جگ کو تھوڑا سا اس کی طرف جھکا کر کھڑی تھی کہ بس تھوڑا سا ہی اور جھکاتی تو پانی ذوئل کو بھگونا شروع کر دیتا، ذوئل نے ایک آنکھ کھول کر اس کے سچ جھوٹ کو پرکھنا چاہا مگر خود پر جھکے اس جگ کو دیکھ کر پٹ سے دوسری آنکھ بھی کھل گئی تھی۔

''خبردار پانی نے اگر مجھے چھوا بھی تو تمہارے حق میں یہ بالکل اچھا نہیں ہوگا۔'' انگلی سے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔

''پانی خود سے کیسے تمہیں چھو سکتا ہے، وہ تو میں اسے زحمت دوں گی نا۔''

''یہی کہہ رہا ہوں میں بھی کہ ایسا کچھ بھی کیا تو تمہارے لئے بھی اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''عزت سے اٹھ کر تیار ہو جاؤ، ناشتہ ٹھونس کر مجھے چھوڑ آؤ۔''

''آج تو دل چاہ رہا ہے، کسی ایسی جگہ چھوڑ آؤں، جہاں سے واپس ہی نہ آ سکو۔'' اس نے کھڑے ہو کر زوردار انگڑائی لی تھی، مشائم کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

''اتنے تنگ ہو مجھ سے۔''

''کیا بتاؤں کتنا تنگ ہوں۔'' وہ دھیمی آواز میں کہتا اس کے بالکل قریب آیا۔

''نہ جاگتے میں چین لینے دیتی ہو نہ سکون سے سونے دیتی ہو۔''

''بھی اتنے خراٹے لے کر سو رہے تھے۔'' اس نے طنز کیا۔

''وہ خراٹے نہیں تھے، آہیں تھیں، سسکیاں تھیں، اپنی بے قدری پر نوحہ کناں میرے جذبات واحساسات تھے۔'' وہ شہنشاہ جذبات بنا ابھی اور نجانے کتنے ڈائیلاگ بولتا کہ اس نے جھنجھلا کر ٹوکا۔

''بس کر دو، یہ کیا اتنی مشکل زبان بولنے لگ گئے اور آہیں، سسکیاں کیا ناک سے نکلتی ہیں۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' اس کا تو حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''یہ ''موشگافیاں'' کرنے صبح صبح چڑھائی کی ہے؟''

''کیا؟'' وہ تو چکرا گئی۔

''یہ کیا کیا بولتے رہتے ہو تم؟'' ذوئل نے چٹکی بجا کر انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''فٹافٹ یہاں سے غائب ہو جاؤ، صبح صبح میرا دماغ اتنا فارغ نہیں ہے کہ تم پر خرچ کروں۔''

''بدتمیز۔'' وہ پاؤں پٹختی دھڑ سے دروازہ

بند کرتی باہر آئی تھی، نہادھو کر تیار ہو کر وہ ڈائننگ ٹیبل تک آیا تو وہاں ناشتہ تیار تھا۔

''گڈ مارننگ ایوری باڈی۔''

''مارننگ یار، یہ کچھ لیٹ نہیں ہونے لگ گئے تم آج کل۔''

''بس ڈیڈ کیا کروں، اتنے دوستوں کو وش کرنا بھی ایک Time Consuming ہے سوتے سوتے دیر ہو ہی جاتی ہے۔'' وہ بڑی لاپرواہی سے ناشتے میں مصروف ہو گیا تھا، ڈیڈ ہنس پڑے، البتہ مام نے فہمائشی نظروں سے گھورا تھا۔

''ایسا کیا وش کرتے ہو؟''

''بس کیا بتاؤں مام، آپ نے بھی اتنے دوست بنائے ہوں تو آپ کو پتا ہو۔'' ٹھنڈی آہ بھر کر کانٹے میں انڈہ پرو کر منہ میں رکھا، مشائم نے ناک چڑھائی۔

''ہونہہ دوست ہر طرح کے اوٹ پٹانگ دوست۔''

''اے ہیلو، مائنڈ یو۔'' انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''میرے فرینڈز کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے پہلے اپنی فیشن کی ماری دوستوں کے متعلق بھی سوچ لینا کہ میں ان کے بارے میں کیا کیا کہہ سکتا ہوں۔''

اب یہ تکرار ایک یقینی جنگ میں بدلنے والی تھی اور خطرہ محسوس کرتے ہی مام اور ڈیڈ نے ایک ساتھ تنبیہ کی تھی۔

''بس کوئی، کسی کے فرینڈز کو کچھ نہیں کہے گا۔''

''ڈیڈ میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی، آپ مجھے ڈراپ کر دیں۔'' وہ بگڑ کر ان سے مخاطب ہوئی۔

''سوری بیٹا، مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے ڈول آپ کو چھوڑ دے گا نا۔'' انہوں نے پیار سے چمکارا۔

''اس کے ساتھ جانے سے بہت بہتر ہے کہ میں اکیلی چلی جاؤں۔'' اس کا موڈ پوری طرح خراب ہو چکا تھا۔

''ابھی ایسی آزادی ہم نے دی تو نہیں۔'' تو بیہ ناراضی ظاہر کرنے کو اٹھ ہی گئیں، اس نے شکوہ کناں نظروں سے راحیل کو دیکھا، انہوں نے بے بسی سے شانے اچکا دیئے۔

''تو چلیں مس مشائم صاحبہ؟'' وہ قریب آ کر شرارت سے مسکرایا تھا، مشائم ہونٹ بھینچے، اپنا بیگ اور فولڈر لئے گاڑی میں آ بیٹھی۔

''آہ ایک حسینہ پہلو میں بیٹھی ہو مگر بولنے پر آمادہ نہ ہو تو بندہ بشر کرے تو کیا کرے؟'' اس نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ چاپ ونڈ سکرین سے باہر گھورتی رہی۔

''آئس کریم کھاؤ گی؟'' اب وہ اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''چائے کے اوپر سے آئس کریم؟'' مشائم نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ گھوم جانے کا یقین کر رہی ہو۔

''اپنی آفرز اپنے پاس رکھو اور چپ کر کے گاڑی چلاؤ۔''

''تم اتنے قریب بیٹھی ہو تو میں کیسے چپ رہ سکتا ہوں۔''

''تو پھر مجھے اتار دو یہیں۔''

''کیوں؟ ایسا کیوں کروں میں؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''تم کم از کم چپ تو رہو گے۔''

''صرف چپ رہنے کے لئے میں تمہیں بیچ راستے میں اتار دوں، تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟''

وہ صدمے سے بے حال ہوا، اس کی ایکٹنگ پر مشائم نے اسے گھورا، وہ سہم کر منہ پر انگلی رکھ کر ایک ہاتھ سے ڈرائیو کرنے لگا، اسی اثناء میں اس کا سیل چیخ اٹھا۔

''ہاں ٹھیک ہوں یار، آرہا ہوں، اس وقت ایک توپ ہستی کو ڈراپ کرنے، یونیورسٹی تک جا رہا ہوں احتراماً خاموش رہنا ضروری ہے، سو کچھ ہی دیر میں میں خود کال کرتا ہوں۔'' مشائم نے مسکراہٹ چھپانے کے لئے کھڑکی کی طرف منہ کر لیا، ذوئل نے شرافت وخاموشی سے راستہ طے کر کے گاڑی روکی۔

''دیکھو تمہارے کہنے پر بالکل چپ رہا ہوں، اب تو مسکرا دو۔''

وہ بے اختیار ہنس پڑی تھی، جانتی تھی جب تک اسے منا نہیں لے گا، وہاں سے نہیں جائے گا، ایسا ہی تھا تو وہ ہر وقت چھیڑتا بھی رہتا اور ناراض کر کے بے چین بھی ہو جاتا، مشائم کے بغیر تو اس کے دن رات بے رونق تھے، وہ اس کی زندگی کا خوشگوار ترین ساتھی تھی، اسے ہنستے دیکھ کر وہ بہت دل سے مسکرایا تھا۔

''That,s like a good girl۔''

☆☆☆

''مشی بیٹا آؤ، چائے پی لو۔''

''یس مام۔'' وہ تیزی سے لاؤنج میں آئی وہاں ذوئل اپنے لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہا تھا، مشائم نے حیرت سے اسے دیکھا، اس نے ایک بینڈ (جو عموماً کھلاڑی ماتھے پر باندھے ہوتے ہیں) تھوڑی سے سر تک چڑھایا ہوا تھا اور اس بینڈ کے اندر سیل فون کان سے چپکایا ہوا تھا۔

''واہ کیا اسٹائل ہے؟'' وہ اش اش کرتی دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''جی پاپا جی اب تو بہت بہتر سچویشن ہے، پچھلے دنوں ہی کوالٹی میں گڑ بڑ ہو گئی تھی، ڈیڈ بھی بہت پریشان ہو گئے تھے، اب تو شکر ہے۔'' وہ یقیناً سہیل تاؤ سے بات کر رہا تھا، اسے بیٹھتے دیکھ کر مسکرایا۔

''جی ٹھیک ہے، ابھی آئی ہے، یہ لیں بات کر لیں۔'' فون بینڈ سے نکال کر اس کے حوالے کیا اور بینڈ اتار کر پھر سے لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا، تاؤ اس کی خیریت پوچھ رہے تھے، پھر تائی امی سے بھی بات کروائی، شموئیل کی شادی نزدیک تھی سو موضوع گفتگو بھی وہی تھا، ذوئل نے اسے سلگایا۔

''کتنی فضول باتیں کرتی ہیں عورتیں۔''

''مردوں کی مفید باتیں بھی میں سن چکی ہوں۔'' وہ سچ مچ تپ گئی تھی۔

''واہ، بزنس کی باتیں کر رہے تھے، ابھی مفید نہیں تھیں۔'' اس نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''واقعی اتنی مفید کہ ان باتوں کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی ہو رہا تھا۔'' اس نے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔

''تو یہ بھی تو ان باتوں سے ہی ریلیٹڈ ہے۔'' اس نے سکرین مشائم کی طرف گھمائی، جہاں وہ کوئی میل لکھ رہا تھا، وہ ہلکی سی خفیف ہوئی پر اس کے آگے ہار ماننے والی نہیں تھی۔

''بندہ اپنے بڑوں سے بات کرنے کے لئے احتراماً بھی دوسرے کام چھوڑ دیتا ہے۔''

''بالکل چھوڑ دیتا ہے مگر یہ ابھی بھیجنی ضروری ہے اب میں پاپا کو منع تو نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس وقت مجھ سے بات نہ کریں، میں کام کر رہا ہوں، بس اسی لئے ساتھ ساتھ کام اور ساتھ ساتھ بات کرتا رہا۔'' خلاف توقع اس نے

اپنی صفائی دی تھی، ورنہ ذوئل اور اس طرح اپنے کسی عمل کی وضاحت دے توبہ۔

''چلو آؤ چائے پی لو۔'' ثوبیہ نے ضروری سمجھا کہ اب ان کا دھیان بٹایا جائے ورنہ اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ الجھ جاتے تھے، چائے پی کر ذوئل کہیں چلا گیا تھا۔

''مشائم تم اپنے ڈریسز دیکھ لیتیں، مسز انیس نے بھجوا دیئے ہیں۔'' ثوبیہ نے اپنی ڈیزائنر کا نام لیا۔

''ٹھیک ہی ہوں گے مام۔''

''کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو......''

''نو مام۔'' اس نے نفی میں سر بھی ہلایا۔

''میچنگ جیولری، پرس وغیرہ لینے کے لئے تو چلو گی نا۔''

''نو مام، بہت ٹائم اسپنڈ ہوتا ہے۔'' اس نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے سپنڈ کا لفظ استعمال کیا، ویسٹ کہنے سے وہ برہم ہو جاتیں۔

''مجھے اور بہت کام ہیں آپ ہی لے آئیں۔''

''گریٹ، تمہیں تو فرصت ہی نہیں ہے اور میں بالکل فارغ ہوں۔'' ان کا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر وہ اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھی اور ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''سوئیٹ مام آپ میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتیں۔''

''میں تو سب کچھ ہی کر دوں گی مگر ایسا کب تک چلے گا، کہیں تو سیریس ہو جایا کرو۔''

''I am very serious at this time mom.'' اس نے آنکھیں پھیلا کر انہیں یقین دلایا، انہوں نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کچھ میچورٹی لاؤ اپنے اندر۔''

''کیونکہ تمہیں دوسرے گھر جانا ہے، ٹیپکل ماؤں والا جملہ۔'' جو انہوں نے اپنی بیٹی سے ضرور کہنا ہوتا ہے، اس نے منہ بنایا، وہ ہنس پڑیں۔

''نہیں یہ میں نہیں بولوں گی، مگر میں کیا قیامت تک تمہارے ساتھ رہوں گی۔''

''انشاء اللہ میری پیاری مام۔'' وہ ان سے لپٹ گئی، وہ گہری سانس لے کر رہ گئیں، وہ جب بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تھیں، وہ یونہی بات اڑا دیتی تھی۔

☆☆☆

سہیل، فیصل اور راحیل تین بھائی تھے اور ایک ہی بہن تھی حفصہ، سب سے بڑے سہیل تھے، ان کے پانچ بیٹے تھے، رومیل، فضیل، کمیل، شموئیل اور ذوئیل، فیصل کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، راسل، باذل، علشبہ اور حبہ جبکہ راحیل کی شادی کے سات سال گزر جانے کے بعد بھی کوئی اولاد نہیں تھی، جب سہیل کے ہاں پانچویں بیٹے یعنی ذوئل نے جنم لیا تو سہیل اور ربیعہ نے اسے ثوبیہ کی گود میں دے دیا۔

''ارے ارے یہ کیا بھابھی۔'' ثوبیہ نے بوکھلا کر ذوئل کو اور پھر ربیعہ کو دیکھا۔

''ہم نے سوچ لیا تھا کہ اب بیٹا ہو یا بیٹی وہ تم دونوں کے لئے ہماری طرف سے گفٹ ہوگا، اب اتنا بھی نہیں کر سکتے تمہارے لئے۔'' ثوبیہ تو خوشی کے مارے رو پڑیں، جبکہ راحیل گنگ سے کبھی بھائی تو کبھی بھابھی کا منہ دیکھنے لگے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو یار، مٹھائی کھلاؤ، خوشی کا موقع ہے، اسے خوشی کی طرح ہی مناؤ، بیٹھے بٹھائے ایک عدد بیٹے کے باپ بن گئے ہو۔'' فیصل نے آگے بڑھ کر مٹھائی راحیل کے

منہ میں ڈالی اور اریبہ نے ثوبیہ کے، راحیل اور ثوبیہ کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں تھے کہ وہ بھائی بھابھی کا شکریہ ادا کر پاتے، ہاں اللہ تعالیٰ کا گھر آ کر خوب شکر ادا کیا تھا، ثوبیہ کی تو روٹین ہی بدل گئی، وہ دن جو کٹتا ہی نہ تھا، اس ننھی مصروفیت میں اب یوں رات میں ڈھل جاتا کہ وہ حیران رہ جاتیں، راحیل آتے تو اسی کے ساتھ لگے رہتے، دونوں کی باتیں بھی اب اسی کے متعلق گھوما کرتیں، ذوئل نے یہ کیا، ذوئل نے وہ کیا، یوں کھایا، یوں پیا، دانت نکالے، چلنے لگا، پانچ سال تک ذوئل اکیلا حکومت کرتا رہا، خوب لاڈ اٹھواتا رہا کہ ثوبیہ کی طبیعت گری گری سی رہنے لگی، راحیل پریشان ہو کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے، چیک اپ کروانے پر جو خوشخبری ڈاکٹر نے سنائی، اس پر وہ دونوں کئی دنوں تک بے یقین رہے۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے، اتنے عرصے بعد، ساڑھے گیارہ سال بعد، جب نہ کوئی آس نہ امید رہی تھی، وہ ذوئل کے ساتھ بالکل مطمئن تھے کہ یہ خوشخبری یہ کیسے ممکن ہوا، بے تحاشا خوشی میں وہ ذوئل سے نجانے کیا کیا کہتی رہتیں، راحیل سن سن کر ہنستے تھے، چھٹے مہینے ڈاکٹر نے بیٹی بتائی الٹرا ساؤنڈ کے بعد۔''

''ذوئل ڈارلنگ آپ کی ایک بہن آنے والی ہے، وہ بس کچھ عرصے میں آنے والی ہے، پھر آپ اس کے ساتھ کھیلنا، باتیں کرنا، آپ کی یہ تنہائی ختم ہو جائے گی، آپ یوں اکیلے نہیں رہو گے، ٹھیک ہے نا، میرا بیٹا سن رہا ہے نا۔'' وہ سر ہلاتا، جی جی کرتا، پتا نہیں کچھ سمجھتا تھا یا نہیں ہاں مگر مشائم کی دنیا میں آمد کے بعد، اسے دیکھ لینے کے بعد وہ ایک پل کے لئے اس کے پاس سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا تھا، بڑی مشکل سے اسے اسکول بھیجا جاتا، جہاں وہ جاتے ہی چھٹی کا انتظار شروع کر دیتا اس دن ثوبیہ کی بہن صنودیہ آئی ہوئی تھیں ان کے بچے بھی ذوئل کے پاس بیٹھے تھے جو مشائم کو بڑی مشکل سے گود میں لے کر بیٹھا تھا۔

''بہت پیار کرتا ہے اپنی بہن سے کہ بس نہیں چلتا، ہر وقت گود میں لئے بیٹھا رہے۔''

''ثوبیہ اللہ کی بندی، یہ کیا ہر وقت بہن بہن کرتی رہتی ہو، کچھ عقل استعمال کرو اور اسے صحیح رشتے کی پہچان کرواؤ، آج چھوٹے ہیں، کل بڑے بھی ہوں گے، ذوئل کے لئے پتا نہیں کیسی لڑکی لاؤ گی اور مشائم کے لئے اتنے جتنوں سے لڑکے کا انتخاب کرو گی، اس سے بہتر نہیں کہ دونوں کی آپس میں ہی شادی کروا دینا، بیٹی بھی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہے گی۔''

ثوبیہ تو صنودیہ کی اتنی غیر متوقع بات سن کر ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

''یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپی، ایسا کیسے......''

''جیسا سب کے ساتھ ہوتا ہے نیا کیا اس میں۔'' صنودیہ نے ڈپٹا۔

''ہر چیز پر سوچو Concorn کرو، اپنا خون ہے، اپنے ہاتھ ہاتھوں کا پلا بچہ ہے، ہمیشہ سامنے رہے گا، بیٹی بھی تمہارے پاس رہے گی، دور اندیش بنو۔''

وہ ابھی راحیل سے یہ بات ڈسکس بھی نہ کر پائی تھیں کہ اس دن ربیعہ بھابھی نے بھی اسی طرح کی بات کی۔

''دیکھو ثوبی میرا دل تو ہر وقت مشائم کے لئے ہمکتا رہتا ہے، بیٹی تو اللہ نے دی نہیں تو یہ حسرت مشائم کو دیکھ کر اور بڑھ جاتی ہے، اگر تم راضی ہو تو میں شموئیل کے لئے اس کا رشتہ مانگ لوں، کیونکہ ذوئل پر میرا حق نہیں ہے ورنہ وہ

بہترین رشتہ ہے مشائم کے لئے، اس طرح وہ ہمیشہ تمہارے پاس ہی رہے گی، اللہ نے چاہا تو اور بچے بھی اس کے بعد تمہاری گود بھرنے آ ئیں گے پر مشائم کی اہمیت مسلم ہے۔''

اور بچے تو نہیں آئے مگر یہ آئیڈیا راحیل اور ثوبیہ کے دل کو بھا گیا۔ یوں سب کے باہم مشورے سے ذوئل اور مشائم کا نکاح کر دیا گیا، دونوں ویسے ہی ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ پاتے تھے، سو اب بھی صرف رشتے کی نوعیت بدلی تھی، محبت کا انداز بدلا تھا، شدت وہی تھی۔

ذوئل نے ایم بی اے کرنے کے بعد راحیل صاحب کی کاٹن مل کے تمام معاملات سنبھال لئے تھے بلکہ نت نئے تجربات کے تحت اپنے دوست کے ساتھ مل کر دوبئ اور شارجہ وغیرہ میں کاٹن ایکسپورٹ بھی کرنے لگا تھا، کام ٹھیک ٹھاک چل پڑا تھا، راحیل بہت خوش تھے، ویسے بھی اب وہ تھک جاتے تھے، شوگر اور بلڈ پریشر نے ان کے اعصاب کمزور کر دیئے تھے، یا پھر جوان، توانا بیٹے کو دیکھ کر اب وہ آرام کرنا چاہ رہے تھے، سو آہستہ آہستہ اپنی ذمے داریاں اس کے کندھوں پر منتقل کرتے چلے جا رہے تھے اور وہ بہ خوشی یہ بوجھ اٹھا بھی رہا تھا، دن گزر رہے تھے کہ شموئیل کی شادی کا ہنگامہ جاگ گیا، سب وہاں مصروف ہو گئے تھے، شموئیل کا کمرہ بہت خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا، ہر چیز کی سجاوٹ میں عشاء (شموئیل کی ہونے والی بیوی) کی پسند کا بہت خیال رکھا جا رہا تھا۔

ذوئل مشائم کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا۔

''یہ دیکھو، شموئیل کا حجلہ عروسی۔''

''یا اللہ! ذوئل اللہ کا واسطہ ہے، مجھ سے آسان زبان میں بات کیا کرو، اب یہ کیا بولا ہے تم نے؟'' مشائم نے سر پیٹ لیا اپنا۔

''میرا مطلب ہے یہ برائیڈ اور برائیڈ گروم کے لئے سجایا گیا، ویڈنگ روم ہے۔'' اب نے رک رک کر ایک ایک لفظ الگ کر کے سمجھایا تھا۔

''تو کیا مجھے اتنا بھی نہیں پتا تھا جو تم بڑے عقل مند بن کر سمجھانے آئے ہو۔''

''اوہو، تم سمجھ نہیں پائیں، یہ میں اس لئے دکھانے لایا ہوں کہ تمہاری رائے جان سکوں کہ ہمارا بھی ایسا ہی سجا ہوا ہونا چاہیے یا کچھ مختلف۔''

''ربش، ہماری کیا شادی ہونے والی ہے؟'' اس نے مکھی اڑائی تھی۔

''وہ تو ہو چکی پر ادھوری سی، مکمل کرنے کا کسی کو خیال ہی نہیں آ رہا۔'' بڑی حسرت تھی ذوئل کے لہجے میں۔

''بہت جلدی نہیں ہو رہی تمہیں؟'' اس نے گھورا۔

''دس سال ہو چکے ہیں نکاح کو، ابھی جلدی ہے۔'' اس نے ناراضی سے مشائم کو دیکھا، اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''تم نے تو ایسے کہا ہے، جیسے ہم بوڑھے ہونے لگے ہوں، دس اور پندرہ سال کی عمروں میں ہی نکاح کے ساتھ رخصتی بھی ہو جاتی۔''

''حرج بھی کوئی نہیں تھا۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں اور زیادہ شوخی سوجھ رہی ہے تو یہ باتیں ذرا مام اور ڈیڈ سے ڈسکس کرنا۔''

''ڈیڈ کا تو کوئی پرابلم ہی نہیں ہے یار، بس مام۔'' اس نے سر کھجایا۔

''کیا مام؟'' مشائم نے مسکراہٹ دبائی۔

''انہیں پتا نہیں کیوں ہم دونوں ہی ابھی تک ''چنے کاکے'' لگتے ہیں، کوئی اور بھی انہیں نہیں سمجھاتا کہ......

''نہیں، میری آنکھیں کھل چکی ہیں، کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم بڑے ہو گئے ہو۔''
ثوبیہ کی آواز نے ذوئل کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے، انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا کان کھینچا۔
''یعنی دوسروں کی شادی میں شرکت کا مطلب آپ کے لئے یہ ہے کہ اپنی شادی کی فکر پڑ جائے، کرتی ہوں میں تمہارے ڈیڈ سے بات۔'' مشائم اس کی درگت بنتی دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

شموئیل کی شادی کے تین ماہ بعد ان دونوں کی شادی طے پا گئی تھی، ثوبیہ نے سچ مچ بات کو سیریس لیا تھا، اب وہ ماشاء اللہ پچیس سال کا ہو چکا تھا، دونوں نکاح کے بندھن میں بندھے ہوئے تھے، دونوں جوان تھے، امنگوں بھرے دل رکھتے تھے، کوئی مالی پریشانی بھی نہیں تھی، پھر کیوں اس معاملے کو لٹکایا جائے، ربیعہ نے ہنستے ہوئے احتجاج کیا تھا۔
''واہ ثوبیہ ابھی تو شموئیل کی شادی کی تھکاوٹ نہیں اتری، اس سے تو بہتر نہیں تھا، تم ساتھ ہی ان کو بھی نمٹا دیتیں۔''
''نہ کیوں نمٹا دیتی۔'' وہ خوشدلی سے بولیں۔
''میرے بچوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ایک الگ شان سے ہوگی۔''
بڑے مزے سے شاپنگ ہو رہی تھی، دونوں مل جل کر اپنی شاپنگ کر رہے تھے، سب کے ساتھ گپیں لگاتے کہ پتا نہیں ربیعہ کو کیا سوجھی کہ انہوں نے اریبہ، حفصہ اور ثوبیہ کو تاکید کی کہ مشائم کو مایوں بٹھایا جائے۔
''ہائے کچھ رونق تو آئے بچی کے منہ پر۔''
بچی کے منہ پر رونق تو کیا آتی البتہ خونخواری ضرور آ گئی۔
''کیوں میں یوں ایک جگہ بیٹھوں، اتنے کام ہیں مجھے۔''
''سارے کام ہمیں بتا دو ہم کر دیں گے۔''
علشبہ اور حبہ نے پکڑ دھکڑ کر کے اسے ایک کونے میں بٹھایا، حفصہ پھپھو اور ان کی بیٹی عائشہ اسے ابٹن لگاتیں اور مزید دوسری کزنز کے ساتھ مل کر سب گانے گاتیں، ذوئل جھنجلا گیا، بھلا مشائم کے بغیر اس کا گزارہ تھا، وہ اس سے بات کیے بنا رہ سکتا تھا، سیل فون بھی شرارتاً لے لیا گیا۔
''بس اب ایک ہی بار بات کر لینا دونوں۔''
''اُف تو بچ یار۔'' وہ احتجاج کرتی، چلاتی، بھناتی مگر مجال ہے اس کی سنی جاتی ہو، تیسرے دن رات کے تین بجے سب کے سو جانے کا یقین کر کے وہ دبے پاؤں کمرے سے نکلی، عین اسی وقت ذوائل بھی باہر آیا تھا۔
''تم۔'' وہ ٹھٹک گیا، وہ سرشاری سے مسکرائی۔
''ہاں میں۔''
''تو اب تم سچ مچ مجھ سے پردہ کرو گی۔'' وہ سرگوشی نما آواز میں غرایا تھا۔
''میں کر رہی ہوں یا وہ سب مل کر زبردستی کروا رہی ہیں۔'' وہ اس سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔
''ایک تو یہ اسٹوپڈ رسمیں۔'' وہ چڑ کر بولا۔
''یہاں آؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آیا، وہ پیلے اور سبز امتزاج کے غرارہ نما سوٹ میں اتنی پیاری اور پرکشش لگ رہی تھی کہ کتنی ہی دیر وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا اور پہلی بار مشائم کو اس کے اس طرح دیکھنے پر شرم آئی تھی،

اس کی پلکیں لرز کر جھک گئیں تھیں اور ذوئل کو تو لگا آج اس سے کوئی غلطی ہو ہی نہ جائے، وہ ایکدم سائیڈ ٹیبل کی طرف گھوم گیا، دونوں ہی ایک دوسرے کو نہ دیکھنے کے غم میں تلملائے ہوئے پھر رہے تھے اور اب دونوں کو اپنی ہی کیفیت نے پریشان کر دیا تھا، ذوئل نے پانی کے چند گھونٹ لئے اور اس کی طرف رخ پھیرا۔

''مجھے روم کی سیٹنگ کے متعلق تم سے ڈسکس کرنا تھا اور یہاں......''

''یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے، مشی تم...... یہاں؟'' ہلکا سا دروازہ ناک کر کے حفصہ پھپھو اندر آئیں اور مارے صدمے کے ہکلا کر رہ گئیں، وہ دونوں ہی اچھل پڑے تھے۔

''تم یہاں کیوں آئیں؟'' اب تیور کڑے تھے وہ سٹپٹا گئی۔

''پھپھو مجھے ضروری بات......''

''صرف پرسوں تک انتظار کرلو، پھر کر لینا ساری ضروری باتیں، چلو اپنے کمرے میں۔'' وہ ناراضی سے کہتیں اس کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں، ذوئل سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

بہت خوبصورت، بہت شاندار شادی ہوئی تھی ان کی بہت بھرپور طریقے سے سب نے شرکت کی تھی، دونوں بہت خوش تھے، راحیل نے انہیں سوئٹزر لینڈ بھجوایا تھا، ہنی مون کے لئے، راحیل اور ثوبیہ انہیں دیکھ کر خوش تھے اور سچ ہی کہتے ہیں کہ خوشیوں کے دن، خوشیوں بھرے لمحات پر لگا کر اڑ جاتے ہیں، ابھی وہ ان خوبصورت دنوں کے فسوں سے نکلے بھی نہیں تھے کہ پتا نہیں کیسے راحیل کا دل دغا دے گیا، انہیں شدید (Severe) ہارٹ اٹیک ہوا تھا، صرف ایک دن کارڈیو میں ایڈمٹ ہوئے اور دوسرے دن داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا کو الوداع کہہ گئے، ان سب کو تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے جو سنا ہے وہ سچ ہے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے، اتنا بڑا نقصان، ایسا صدمہ؟ مشائم اور ثوبیہ تو اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھیں اور ذوئل کو لگتا تھا اس کا اپنا دل پھٹ جائے گا، ڈیڈ ان سب کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے، ڈیڈ اب نہیں رہے، وہ ان کے بے جان وجود کو ان کے چہرے کے ٹھنڈے نقوش کو اندھوں کی طرح ٹٹول رہا تھا، کہیں کوئی حرکت، کہیں سانس کا ارتعاش، محسوس ہو تو وہ ڈاکٹروں کو بلا لائے، ایسا بھلا ہو بھی کیسے سکتا تھا، ان کی ایسی اچانک موت نے اس کے حوصلے اس کے اعصاب توڑ کر رکھ دیئے تھے، وہ سہیل کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر رو پڑا تھا، وہ خود غم کی شدت سے نڈھال تھے، چھوٹا بھائی یوں اچانک دنیا سے ہی چلا گیا، یقین آ کر نہیں دے رہا تھا، فیصل، حفصہ کوئی بھی تو خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا، انہیں گھر لایا گیا، ان کی تدفین ہو گئی، تین دن بھی گزر گئے مگر کسی کو خود کو سنبھالنا نہیں آ رہا تھا، بہت بڑا غم تھا، اس سے نکلنے کے لئے یقیناً وقت درکار تھا، سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے، سہیل اور ربیعہ ابھی یہیں ان کے پاس رکے ہوئے تھے، اب انہیں بھی جانا تھا سو ربیعہ ثوبیہ کے پاس آ گئیں، وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں، گلابی پرنٹڈ قمیض، سفید شلوار اور سفید شیفون کا دوپٹہ، اوڑھے ہوئے، گلابی چہرے پر تسلسل سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے۔

''ہمت سے کام لو، صبر کا دامن تھامو، تم حوصلہ کرو گی تو بچے بھی سنبھلیں گے، ایسے تو وہ بھی اس صدمے سے باہر نہیں آئیں گے۔''

''میں کیا کروں بھابی، مجھے یقین ہی نہیں آ رہا کہ راحیل یوں ہمیشہ کے لئے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔'' وہ بلک بلک کر رو پڑی تھیں، ربیعہ کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں، انہوں نے ثوبیہ کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''صبر میری بہن صبر۔''

''وہ بیمار ہوتے میں ان کی کچھ خدمت کرتی، دل کو سمجھانا بھی آسان ہوتا، اب میں کیسے خود کو یقین دلاؤں۔''

''مام پلیز ڈیڈ کو بہت تکلیف ہو رہی ہو گی۔'' ذوئیل بھی اندر آ گیا تھا، وہ تڑپ کر اس کی طرف مڑیں، انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا، ربیعہ نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''چلو ذوئیل ماں کو چپ کرواؤ، اور خود بھی حوصلہ دکھاؤ، اب راحیل کی جگہ سب کچھ تمہیں ہی سنبھالنا ہے، گھر بھی اور بزنس بھی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور جیب سے رومال نکال کر بہت محبت سے ثوبیہ کے آنسو صاف کئے تھے۔

☆☆☆

بہت اداس دن گزر رہے تھے، گزر بھی کیا رینگ رہے تھے، تینوں نفوس اپنی اپنی جگہ اپنی سوچوں میں گم ایک دوسرے سے کٹ گئے تھے، ذوئیل پر تو کام کا بہت برڈن آ گیا تھا، وہ پہلے تو اپنی ایکسپورٹ فرم کو ہی سنبھالتا تھا، مل کے تمام معاملات راحیل کے سپرد تھے، وہ بس چکر لگا لیتا تھا، راحیل بھی اس پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تھے کہ آگے تو اسی کو سب کچھ کرنا ہے پر وہ آگے اتنی جلدی آ جائے گا، کس کو اندازہ تھا، اب دو طرفہ کام سنبھالنا پھر گھر پر ثوبیہ اور مشائم کا ہر ممکن خیال رکھنا، ان سب نے اس کی سونے جاگنے اور کھانے پینے کی روٹین پر بھی فرق ڈالا تھا اور صحت پر بھی۔

''ذوئیل یہ تم کتنے کمزور ہو رہے ہو اور آنکھوں کے نیچے حلقے بھی تو دیکھو، کتنے گہرے۔'' ثوبیہ نے بہت تشویش سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ کا وہم ہے مام۔'' اس نے بات اڑانی چاہی۔

''کوئی وہم نہیں ہے مام، یہ نہ تو پراپر نیند لے رہا ہے نہ پراپر ڈائٹ، ہر وقت بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہے، کبھی یہاں سے فون آ رہا ہے کبھی وہاں سے ان سے فارغ ہوتا ہے تو لیپ ٹاپ پر حساب کتاب کرنے لگ جاتا ہے۔'' مشائم نے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

''ہاں بوجھ بھی تو سارا اس کے کندھوں پر آ گیا ہے، یہ حال تو ہونا ہی تھا۔'' ان کا لہجہ دکھ سے بوجھل ہو گیا۔

''پلیز مام، میں بہت جلد مینج کر لوں گا، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، ابھی روٹین سیٹ نہیں ہو پا رہی، بس کچھ دن میں ہو جائے گی۔'' اس نے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں دبا کر انہیں تسلی دی تھی، وہ افسردگی سے مسکرائیں۔

''رومیل سے کہو، وہی تمہارا ہاتھ بٹا دے۔''

فضیل، کمیل اور شموئیل تینوں اچھے عہدوں کی جاب کر رہے تھے، صرف رومیل نے سہیل کے ساتھ ان کا بزنس سنبھالا تھا اور اسے ہی سمجھ بوجھ بھی تھی، اسی لئے ثوبیہ نے اس کی مدد لینے کا مشورہ دیا تھا۔

''ان پر اپنی فیکٹری کا ہی بہت برڈن ہوتا ہے، ویسے بھی مجھے کوئی مستقل حل نکالنا ہے، میں آج کل اسی پر کام کر رہا ہوں میں نے حمزہ سے بات کر لی ہے، فرم کے معاملات وہ سنبھال لے گا، میں مل کو دیکھوں گا، مجھے اپنے ڈیڈ کے بزنس

کو پرموٹ کرنا ہے۔" ثوبیہ نے مسکرا کر اپنے پرعزم بیٹے کو دیکھا اور دل کی گہرائیوں سے اس کی کامیابی کے لئے دعا کی تھی۔

☆☆☆

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پاپا۔" ذوئل کے اعصاب کے لئے ان کی بات چابک کی طرح ثابت ہوئی تھی، وہ بیٹھے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"بالکل صحیح کہہ رہا ہوں، آرام سے بیٹھ کر سنو، میں تم پانچوں بھائیوں کے فائدے کے لئے ہی یہ سب کر رہا ہوں، اتنی بڑی جائیداد ان ماں بیٹی کے کس کام کی، تم سارے کاغذات اپنے نام کروالو، ساری زندگی عیش کرنا۔"

"تو اب بھی کیا کمی ہے، اللہ کا بہت کرم ہے ہم پر۔"

"آگے کا سوچو، دن بہ دن مہنگائی و اخراجات بڑھ رہے ہیں، جتنا کماؤ کم لگتا ہے، یہاں تو ساری محنت تمہاری ہے تو ہر چیز ہر مالک کے طور پر نام بھی تمہارا ہونا چاہیے نا۔"

"بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے آپ کی سوچ پر۔"

"کیوں افسوس کیوں؟ میں تمہارے ہی بھلے کے لئے سوچ رہا ہوں، کچھ اپنے بھائیوں کا بھی بھلا کر دینا۔"

"بالکل جیسے آپ اپنے بھائی کا بھلا کر رہے ہیں، ویسے ہی میں بھی کروں گا، بیٹا تو آپ ہی کا ہوں نا۔"

"شٹ اپ تم خواہ مخواہ اموشنل ہو رہے ہو، میں نے تمہیں اس کے حوالے کیا ہی اس لئے تھا کہ بڑے ہو کر تم ہی اس کے وارث بنو گے۔"

انہوں نے صحیح معنوں میں اسے شاک دیا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا، بہت دکھ اور افسوس سے اس نے اپنے حقیقی والد کو دیکھا تھا جو ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے لاپرواہی سے سگریٹ کے کش لے رہے تھے۔

"تم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو تو یہ سب کچھ ویسے بھی تمہارا ہی ہے، مشائم اپنے باپ کی جائیداد کی اکلوتی وارث ہے اور وہ تمہاری بیوی ہے، اس کے شوہر ہونے کی حیثیت سے تم ہی ان کے سرپرست بھی ہو، تمہیں صرف کاغذات اپنے نام کروانے پڑیں گے۔"

"تو یہ سب کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے آخر، جب ویسے ہی سب کچھ میرا ہی ہے۔"

"تم نہیں سمجھو گے۔" انہوں نے افسوس سے سر ہلایا۔

"اب اگر مجھے یا تمہارے بھائیوں کو کوئی کرائسس فیس کرنا پڑے تو تم اس طرح مدد نہیں کر سکتے نا، جس طرح خود مالک ہو کر کر سکتے ہو۔" ذوئل گہری سانس لے کر گہری سوچ میں ڈوب گیا، نہ اس کے باپ کو کوئی کمی تھی نہ بھائیوں کو مگر صرف ہاتھ آئی دولت چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، دو مجبور و بے بس عورتیں، جوان کو، ان باپ بھائیوں کو اپنا سب کچھ مان کر ان پر اندھا اعتماد کرتی تھیں، انہیں مزید بے بس و لاچار کرنے کے کیا کیا منصوبے تیار ہو رہے تھے، اس سوچ میں ڈوبا دیکھ کر سہیل نے تشکر سے اوپر دیکھا، کچھ تو بات اس کی سمجھ میں آئی تھی تو ہی سوچ بچار کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

"یہ کچھ پیپرز پر سائن چاہئیں تمہارے۔" ذوئل نے مشائم کے سامنے ایک فائل رکھی تھی، مشائم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ کیسے پیپرز ہیں؟"

"مل کی اونر شپ کے پیپرز ہیں، جہاں جہاں میں نے نشان لگائے ہیں، وہاں وہاں

سائن کر دو۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی سائن کرتی چلی گئی، وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا، کوئی شک نہیں کوئی وہم بھی نہیں کہ آخر وہ کیوں سائن کروا رہا تھا، ان کے ساتھ وہ کچھ غلط بھی کر سکتا تھا، یہ تو کبھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، Signature کر کے اس کی طرف دیکھا تو وہ ایک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا، اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر بمشکل مسکرایا تھا، بجھی بجھی سی مسکراہٹ، اجنبی سا انداز وہ کچھ الجھی اور ہونٹ وا کیے کہ اس تبدیلی کا سبب پوچھ سکے کہ وہ فائل لے کر چلا گیا، کن مصروفیات میں ایسا پھنس گیا تھا کہ اس سے یعنی مشائم سے، جس سے سارا دن نوک جھونک کر کے بھی باز نہیں آتا تھا، اب بات کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی، مشائم کی آنکھوں میں نمی تیر گئی، ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد جب اسے سب سے زیادہ ذوئل کی محبت، اس کی دل جوئی کی ضرورت تھی، وہ اسے نظر انداز کر کے دنیا جہان کے کاموں میں مصروف ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اے میرے ہم نشین چل کہیں اور چل
اس چمن میں اب اپنا گزارہ نہیں
بات ہوتی گلوں تک تو سہہ لیتے ہم
اب تو کانٹوں پہ بھی حق ہمارا نہیں
گلستان کو لہو کی ضرورت پڑی
سب سے پہلے ہی گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں مجھ سے یہ اہل چمن
یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

"ہم دوبئی شفٹ ہو رہے ہیں۔"

مشائم کے اردگرد جیسے بلاسٹ ہوا تھا، اس نے یوں حواس باختہ ہو کر ذوئل کو دیکھا تھا۔

"کیوں؟ یہاں کیا ہوا ہے؟"

"یہاں؟" ذوئل نے گھوم کر چاروں طرف

''جی مام کی اور مشائم کی ذہنی کیفیت بدلنے کے لئے ماحول کی تبدیلی بہت ضروری ہے۔''

''صرف یہی بات ہے؟'' ان کا لہجہ بہت چبھتا ہوا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے کیا بات ہو سکتی ہے۔'' اس نے اپنے لہجے کی تلخی کو بہت مشکل سے چھپایا تھا۔

''یہی کہ میں نے تمہیں مل اپنے نام کروانے کے لئے کہا تھا اور تم اسی سے بچنے کے لئے یہاں سے جا رہے ہو۔''

''تو...... میرے چلے جانے سے کیا ہو گا، مل تو یہیں رہے گی نا، بہرحال وہ میں نے اپنے نام کروالی ہے، آپ کی تسلی کے لئے میں آپ کو ڈاکومنٹس دکھا دیتا ہوں۔'' اس نے ایک ایک کر کے وہ سارے کاغذات انہیں دکھائے جن کی رو سے وہ قانوناً اس مل کا مالک بن چکا تھا۔

''ان ماں بیٹی نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟'' مشائم اور ثوبیہ کا ذکر کرتے ہوئے کتنا اجنبی لہجہ ہو جاتا تھا ان کا، ذوئل نے بہت دکھ سے انہیں دیکھا۔

''انہوں نے صرف دستخط کئے تھے، پوچھا تو کچھ بھی نہیں ویسے بھی وہ دونوں الگ ہو جانے کے خیال سے بہت دکھ اور شاک میں ہیں۔''

''زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں، کسی نے ان کو یہاں سے جانے کے لئے نہیں کہا۔''

''لیکن ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ یہاں نہ رہیں، جہاں صرف جدائی رلائے گی اور بیگانگی مار ڈالے گی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے ذوئل تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

''پلیز پاپا میں نے آپ کے کہے پر عمل کر لیا، اب جو میں کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے وہ کرنے دیں۔'' اس نے حتمی لہجے میں بات ختم کر دی تھی۔

☆☆☆

وہ بہت سوچ سمجھ کر دوبئی سے شفٹ ہوا تھا، پاپا نے اس پر پریشر ڈال کر ایک بات منوائی تھی، آگے نجانے اور کیا منواتے، اسی لئے اسے یہی بہتر لگا کہ وہ دور چلا جائے اور ثوبیہ اور مشائم کو کچھ علم بھی نہ ہو پائے، دوبئی میں اس کی مصروفیت بہت بڑھ گئی تھی، وہ اپنا آفس سیٹ کرنے میں لگا ہوا تھا، ساتھ ہی رمضان شروع ہو گئے تھے، مشائم پر تو بہت بے دلی چھائی ہوئی تھی، تینوں روزے رکھتے عبادت کرتے مگر وہ جو پاکستان میں ایک ماحول بن جاتا تھا رمضان کا، ساری رات جاگنا، فون پر سب سے گپ شپ، افطار پارٹیاں، کبھی ایک کے گھر، کبھی دوسرے کے گھر، شب قدر پر سب کزنز اور آنٹیوں کا کسی ایک کے گھر میں مل جل کر عبادت کرنا، وہ سب یاد آتا تو رلا دیتا تھا، فون تو اب بھی سب ہی کے آتے تھے مگر ایک دوری کا احساس جو درمیان میں حائل تھا، وہ نہیں جاتا تھا، ذوئل کو تو اتنا کام ہوتا تھا کہ وہ تراویح کے بعد سو جاتا تھا، سحری میں بمشکل اٹھتا وہ بھی بالکل آخری ٹائم پر، سحری کر کے نماز پڑھ کر پھر سو جاتا اور دس بجے تک اٹھ کر تیار ہو کر آفس چلا جاتا، سارا دن گھر میں ماں بیٹی ہوتی تھیں، راحیل کے چلے جانے کے بعد یہ پہلے رمضان تھے، بات بے بات انہیں یاد کر کے رونا آ جاتا تھا، وہ ذوئل کو رمضان میں زیادہ کام نہیں کرنے دیتے تھے۔

''روزے سے ہے، اسے سویا رہنے دو۔''

اور اب اس کی بھاگ دوڑ ہی ختم نہیں ہوتی تھی، چوبیسویں روزے کو وہ خوفناک خبر آئی کہ رومیل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، اس کی کنڈیشن بہت بری

دیکھا۔

''شاید یہاں ہمارے دن گنے جا چکے ہیں، یا یہ کہہ لو کہ یہاں سے ہمارا دانہ پانی اٹھ گیا ہے۔''

''پتا نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو، ہم کیوں جائیں گے یہاں سے اور ہم کیسے جا سکتے ہیں، سارا بزنس یہاں ہے، سارا خاندان یہاں ہی ہے۔''

''کچھ بھی، کوئی بھی ہمارا نہیں ہے۔'' وہ آہستگی سے بڑبڑایا تھا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے ذوئل تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔''

''میرا کام وہاں بڑھ گیا ہے، میں یہاں سے اسے ہولڈ نہیں کر پا رہا، اس لئے شفٹ ہونا پڑ رہا ہے۔''

''اور یہاں مل اور فرم کے معاملات کون دیکھے گا۔''

''پاپا اور رومیل بھائی دیکھ لیں گے، ویسے بھی دوبئی بہت نزدیک ہے، جب تمہارا آنے کا موڈ بنے گا، میں لے آؤں گا، مام بھی مان گئیں ہیں، تمہیں تو صرف میری ہاں میں ہاں ملانی ہے چاہیے اور تم الٹا بحث کر رہی ہو، دوبئی ہو یا امریکہ، میں تو تمہارے ساتھ ہوں نا۔'' وہ اسے دیکھ کر بڑے دل موہ لینے والے انداز میں مسکرایا تھا، وہ دل چاہنے کے باوجود کچھ نہ پوچھ سکی کہ اگر وہ اپنی مرضی سے شفٹ ہو رہا ہے تو پھر اتنا گم صم اور پریشان کیوں نظر آتا ہے، کسی بات پر بھی خوش دکھائی کیوں نہیں دیتا، کوئی تو الجھن ہے مگر وہ اس سے شیئر نہیں کر رہا، وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''تو تم دوبئی شفٹ ہو رہے ہو؟''

تھی، ڈاکٹرز کوئی حوصلہ افزاء جواب نہیں دے رہے تھے۔

سہیل کی پوری فیملی کے لئے یہ قیامت خیز لمحات تھے، پہلا بیٹا، پہلی اولاد، سہیل کا دایاں بازو کہلانے والا ان کا انتہائی فرماں بردار بیٹا، چھوٹے چھوٹے تین بچوں کا باپ، دکھ اور اذیت سے وہ بے حال ہو گئے تھے، اس وقت بھی وہ کاریڈور کی دیوار سے ٹیک لگائے نڈھال بیٹھے تھے جب کمیل فون لئے ان کے پاس آ پہنچا۔

''پاپا ذوئل ہے۔'' رسمی جملوں کے بعد اس نے بڑے عجیب لہجے میں پوچھا تھا۔

''پاپا فیکٹری کے کاغذات رومیل بھائی کے نام پر ہیں نا؟''

''ہاں کیوں۔'' انہوں نے کچھ حیران سا ہو کر جواب دیا، یہ بے موقع سوال انہیں سمجھ نہیں آیا تھا۔

''تو آپ کو وہ کاغذات جلد از جلد اپنے نام کروا لینے چاہئیں، اب دیکھیں نا رومیل بھائی کی اتنی سیریس کنڈیشن ہے خدانخواستہ انہیں کچھ ہوتا ہے تو وہ فیکٹری تو بھابھی اور بچوں کے پاس از خود چلی جائے گی، ظاہر ہے وہ ہی رومیل بھائی کے ورثاء ہیں تو آپ پہلے ہی......''

''کیا بکواس کر رہے ہو تم؟'' وہ اتنی زور سے دھاڑے تھے، کہ پورا کاریڈور گونج اٹھا تھا، کمیل تیزی سے ان کے پاس آیا تھا۔

''پاپا کام ڈاؤن، کیا ہوا ہے؟''

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا پاپا؟'' فون کے دوسری جانب وہ بڑی معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں ذرا شرم نہیں آئی، تمہارا دل نہیں کانپا اپنے بھائی کے لئے یہ سب کہتے ہوئے۔''

''تو آپ نے بھی تو اپنے بھائی کے لئے وہ

سب کہا تھا۔'' اس کے لہجے کی چبھن تیر کی طرح ان کے دل کو لگی تھی وہ ایک دم چپ ہو گئے تھے، ذوئل نے ان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے فون بند کر دیا تھا، اس نے کس دل سے اپنے بھائی کے لئے یہ الفاظ کہے تھے، یہ وہی جانتا تھا، لیکن اسے پاپا کے رویے نے جتنی تکلیف پہنچائی تھی، اس نے اسے یہ کہنے پر مجبور کیا تھا، گھر میں مشائم بری طرح رو رہی تھی، ثوبیہ کی آنکھیں بھی بہہ رہی تھیں، ان کے ہاتھوں کا پلا رومیل آج کتنی بری حالت میں ہسپتال میں تھا اور وہ اتنی دور اس کو دیکھنے سے بھی محروم تھیں۔

''تم نے ہمیں یہاں سب سے دور لا پھینکا ہے، وہاں ہم سب کے ساتھ مل کر دعا کرتے، رومیل بھائی کو دیکھنے جاتے تو کچھ تسلی ہوتی، یہاں تو بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے، ذوئل پلیز ہمیں وہاں لے چلو، تاؤ کتنے پریشان ہوں گے، تائی امی کتنی دکھی ہوں گی، ہمیں لے کر چلو۔''

ذوئل کا اپنا دل مسلا جا رہا تھا، جب سے رومیل کے ایکسیڈنٹ کی خبر سنی تھی، اس کی اپنی حالت خراب ہو رہی تھی، پھر ثوبیہ نے بھی کہا تو وہ ٹکٹ کروا لایا، ایئر پورٹ سے سیدھے ہاسپٹل ہی پہنچے تھے، یہ چھبیسواں روزہ تھا، رومیل کی کنڈیشن میں ابھی کوئی بہتری نہیں آئی تھی، سہیل مجسمے کی طرح ساکت کاریڈور کی دیوار سے ٹیک لگائے ایک ٹک آئی سی یو کو دیکھ رہے تھے، جہاں ان کی آس، امید کی ہر ڈور کا سرا بندھا ہوا تھا، مشائم جو سب سے آگے آ رہی تھی، انہیں دیکھ کر تیر کی طرح اڑتی ہوئی آئی تھی اور ان کے سینے سے لپٹ کر بلک بلک کر رو پڑی تھی، سہیل اسے ساتھ لپٹائے بہت اذیت میں مبتلا تھے، یہ وہ معصوم بھتیجی تھی، جس کے لئے شیطان کے بہکاوے میں آ کر انہوں نے برا سوچا، یہ خیال کیے بغیر کہ وہ راحیل کی ایک اکلوتی نشانی تھی، جس پر بلاشبہ راحیل جان چھڑکتے تھے، جو بلا شرکت غیرے ان کی جائیداد کی وارث تھی اور وہ بے ایمانی کرنے لگے تھے حق دار کو اس کی وارثت سے محروم کرنے لگے تھے، اذیت شرمندگی دکھ ان سب نے دل پر وہ بوجھ ڈالا کہ ان سے کھڑے رہنا دشوار ہو گیا، وہ پیچھے رکھے کاؤچ پر بیٹھ گئے، ذوئل ان سے مل کر ثوبیہ کے ساتھ آئی سی یو میں چلا گیا تھا۔

اور جب باہر آیا تو افسردگی اور پریشانی اس کے ہر نقش سے عیاں تھی، ثوبیہ تو رو رہی تھیں، ان کی آنکھیں ابھی بھی گیلی تھیں، وہ ستائیسویں کی شب تھی، گھر والے سب مل جل کر محو عبادت تھے، بچے سب فضیل کی نگرانی میں تھے، شب قدر کی عبادت تو ویسے ہی سب ڈوب کر کرتے ہیں پر اس بار ان لوگوں پر خوف کا سایہ بھی تھا جس نے انہیں یوں رب کے آگے گڑگڑانے پر مجبور کیا کہ قدرت کو ان پر رحم آ گیا۔

فجر کی نماز سے کچھ دیر قبل فضیل کے فون کی بیل کو سب نے ہراساں ہو کر دیکھا تھا، مگر پھر اس کے کھلتے چہرے نے سب کے دل میں پھول کھلا دیئے، ڈاکٹرز کے مطابق رومیل کی طبیعت اب خطرے سے باہر تھی، فریکچرز اتنے تھے کہ ریکور کرنے میں ابھی بہت ٹائم لگ جانا تھا لیکن وہ بچ گیا تھا، تو ٹھیک بھی ہو جاتا، ربیعہ نے کتنی ہی بار مشائم کو لپٹا کر اس کا ماتھا چوما تھا۔

''میری بیٹی کے آنے سے یہ خوشخبری ملی ہے۔'' ذوئل وہیں رومیل کے پاس تھا، گھر آیا تو وہ چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا، وہ لوگ کل سے آئے تھے تو ایک لمحہ آرام نہیں کیا تھا، سو ربیعہ نے سب کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا۔

☆☆☆

''یہ پہلی عید ہے جو ہاسپٹل میں منائی جا رہی ہے۔'' ذوئل نے شرارت سے کہا تو سب ہنس دیئے تھے، رومیل بھی مسکرایا تھا، وہ ابھی بیٹھ تو نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی بہت بہتر تھا، سب بہت خوش تھے، اس عید نے انہیں بے پناہ خوشیوں سے نوازا تھا، رومیل جاتے جاتے جیسے لوٹا تھا، اس پر مشائم کی طرف سے کل خوشخبری ملی تھی اور مشائم جو وہاں سب سے دور عید منانے کے خیال سے سخت افسردہ رہی تھی، یہاں تتلی کی طرح اڑتی پھر رہی تھی، عید کے چوتھے دن ذوئل نے واپسی کا اعلان کیا تھا۔

''اتنی جلدی؟ پلیز ذوئل ابھی نہیں، ابھی تو رومیل بھائی ٹھیک بھی نہیں ہوئے، انہیں ڈسچارج تو ہونے دو۔'' کتنی لجاجت تھی مشائم کے لہجے میں۔

''مجھے کام ہے وہاں بہت، میں اور نہیں رک سکتا۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' سہیل نے ایکدم بڑے بارعب لہجے میں کہا تھا، سب نے اور خصوصاً ذوئل نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، تم یہیں رہ کر اپنا کام سنبھالو ہم سب ہی ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔'' مشائم نے بے قراری سے ذوئل کو دیکھا مگر وہ تو یونہی ساکت کھڑا سہیل صاحب کو دیکھ رہا تھا۔

''آؤ میرے کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں۔'' وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا ان کے کمرے میں آیا اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا، ناراض تو نہیں مگر الجھا ہوا ضرور تھا، انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

''غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں مجھ سے بھی ہوئی لیکن میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں، میں نے بہت غلط کیا، اپنی ہی بھتیجی کا حق بیٹے کو دینے کی غلط حرکت کی اور بہت سخت سزا پائی، رومیل کے ایکسیڈنٹ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں، میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا، کہ آئندہ میری طرف سے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

ذوئل جان گیا تھا کہ اس کے انا پرست باپ کے لئے یہ سب کہنا کتنا مشکل تھا، انہوں نے یقیناً خود پر بہت جبر کر کے یہ کہا تھا۔

وہ آہستہ سے کہہ کر اٹھا اور ان کے پاس آ بیٹھا۔

''سوری میں نے بھی آپ کو ہرٹ کیا تھا، ویری سوری پاپا۔'' انہوں نے مسکرا کر اسے گلے لگا لیا۔

☆☆☆

''آخر کیا ہوا تھا کہ تمہیں یہ سب کرنا پڑا؟''

ثوبیہ نے ذوئل سے پوچھا تھا، وہ یوں سہیل کے ایک ہی بار کہہ دینے سے ذوئل کے رک جانے پر کھٹک گئی تھیں، ذوئل جانتا تھا کہ وہ ضرور پوچھیں گی، اس لئے پہلے سے جواب بھی سوچ رکھا تھا۔

''پاپا مجھے ناتجربے کار سمجھ کر مل کے معاملات میں بہت زیادہ مداخلت کرنے لگ گئے تھے، میں نے غصے سے وائنڈ اپ کر دیا۔''

''حد ہو گئی ہے ذوئل، یہ بھی کوئی بات تھی، اف کیا سوچتے ہوں گے سہیل بھائی۔'' انہوں نے بہت ہی افسوس و تاسف سے ذوئل کو دیکھا تھا۔

''یہ آج کی نئی نسل کسی قسم کی ڈسٹربنس یا روک ٹوک برداشت نہیں کر سکتی، بس ان کو فری ہینڈ دے دیا جائے پھر جو چاہے کرتے پھریں۔''

''کچھ نہیں سوچتے ہوں گے، آپ ایسے ہی نہ ٹینشن لیا کریں۔'' وہ محبت سے ان کے سر کے

ساتھ سر ٹکا کر بولا، وہ اس کے بالوں کو سہلا کر سیدھی ہو گئیں۔

''اب اپنے گھر چلنا چاہیے، یہاں کب تک رہیں گے۔''

''میں چاہ رہا تھا میں دوبئی کا ایک چکر لگا آؤں، کچھ کام بھی نمٹا آؤں گا اور مشائم کہہ رہی ہے اس کا بہت سا سامان سامان، آپ بھی دیکھ لیں، کچھ منگوانا ہے تو بتا دیں، میں لے آؤں گا۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔'' وہ تائید میں سر ہلاتی اس کے ساتھ لاؤنج میں چلی آئیں تھیں۔

☆☆☆

''تم کیا تاؤ سے ناراض ہو کر دوبئی شفٹ کر گئے تھے؟'' مشائم نے تنہا ہوتے ہی اس سے پوچھا تھا، اس کے اتنے صحیح اندازے پر وہ سچ مچ حیران رہ گیا تھا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''ظاہر ہے جیسے تم سے انہوں کہار کنے کے لئے اور تم فوراً رک بھی گئے، یہ تو پاگلوں کو بھی سمجھ آ جائے کہ تمہاری انہی کے ساتھ کوئی ناراضگی تھی مگر پھر بھی یہ ہے تو بدتمیزی اپنے والد کی بات کا کیا غصہ کرنا۔''

''ہاں ہے تو سوچنے والی بات کہ اپنے والد کی بات کا غصہ نہیں کرنا چاہیے اب بس تم یہ بات اپنے، میرا مطلب ہے ہمارے بچوں کو اچھی طرح سمجھا دینا۔'' وہ شریر ہوا، مشائم نے جواباً گھورا۔

''تو وہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔''

''اوہ۔'' اس نے غور سے مشائم کو دیکھا۔

''تو تم اسی لئے سب کی فرماں بردار بنی رہتی ہو۔''

''میں ہوں ہی ایک Gentle-person۔'' وہ جیسے اترا کر بولی، ذوئل کو ہنسی آ گئی۔

''کیا کہنے آپ کے مس اینجل۔''

اس میں کیا شک تھا کہ وہ نیک اور معصوم تھی کہ جس کے بارے میں برا سوچنا بھی پاپا کے گلے پڑ گیا تھا، وہ محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر لاؤنج میں لے آیا تھا، جہاں رومیل آج بہت بہتر حالت میں سب کے درمیان موجود تھا، خوشیوں کی چہکار بکھری ہوئی تھی، سب کے چہروں پر سچی خوشی تھی، جو کچھ بھی تھا فتور صرف سہیل کے دل میں آیا تھا اور کہیں کوئی فرق نہیں آیا تھا، رشتوں میں محبتوں میں رشتوں کو زندہ بھی انسان رکھتا ہے اور انہیں قتل بھی انسان ہی کرتا ہے، نفرت سے، نظر اندازی اور غلط فہمی سے، الحمدللہ کہ ان کے رشتے بھی بچ گئے تھے اور انسان بھی، جو کچھ بھی سہیل اور ذوئل کے درمیان ہوا وہ انہی دو کے درمیاں ہی ختم بھی ہو گیا تھا، ذوئل کے اندر کیسی آندھیاں چلیں، کیا کیا ان آندھیوں کی نذر ہوا کسی کو اس کا علم نہ ہو پایا، سو آج وہ ان خوشیوں بھرے لمحات میں خود بھی سچے دل سے شریک تھا اس دعا کے ساتھ کہ آئندہ ایسی کوئی خزاں اس ہرے بھرے چمن کا رخ نہ کرے گی انشاءاللہ۔

☆☆☆

تحریم محمود

الحدیث

"زکوٰۃ سے مال کی حفاظت"

ارشاد نبویؐ ہے کہ "اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ کے حضور میں عاجزی اور گریہ زاری سے استقبال کرو۔"

"جنگل ہو یا سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے۔"

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تب آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس کے بدلے میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔"

انہوں نے عرض کیا نہیں۔

"پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو پھر اس کی زکوٰۃ دیا کرو۔" (بحوالہ ترمذی شریف)

فوزیہ غزل، شیخوپورہ

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والے، رعب جمانے والے، دھمکیاں دینے والے، یہ بھول چکے ہوتے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں، انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں، ہر فعلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے۔

اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو، نصیب والے، قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین ہی رہتے ہیں۔

فرحین ملک، دھوریہ

فرمان رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"قابل رشک دو ہی آدمی ہو سکتے ہیں، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت عطا فرمائی اور وہ شب و روز اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ شب و روز اس کے حکم کے مطابق اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے۔"

فرح طاہر، ملتان

زندگی گزارنے کے بہترین طریقے

۱۔ اس طرح زندگی گزارو کہ جب تک تم زندہ رہو لوگ تم سے ملنے کے لئے بے قرار رہیں اور جب تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ تو تمہاری یاد میں آنسو بہائیں۔

۲۔ ان پھولوں کی طرح زندگی گزارو جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتے ہیں جو انہیں مسل کر پھینک دیتے ہیں۔

۳۔ پھولوں کی طرح اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دو، تم نے دیکھا نہیں کہ وہ مزاروں پر بھی سجتے ہیں اور سہرے کی لڑیوں میں بھی مسکراتے ہیں۔

نزمین بٹ، گوجرانوالہ

(حدیث مبارکہ)

۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

جب تم کسی کو دوست بناتے ہو تو اپنے دل میں قبرستان بنالو، تاکہ تم اس کی برائیوں کو دفن کرسکو۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دنیا میں سب سے غریب وہ ہے، جس کا کوئی دوست نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق وہی پورے کرسکتا ہے جو بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔

۴۔ مسائل کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔

کنول فریاد حسین، جلالپور جٹاں

حدیث مبارکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ کریں اور اس بات سے کہ ان پر بیٹھیں اور اس سے کہ ان پر گنبد (یا عمارت) بنائیں۔

سعدیہ عمر، سیالکوٹ

ذرا سوچیئے

☆ ایک ایسی غلطی جو آدمی میں عاجزی پیدا کر دے وہ اس کارنامے سے بہتر ہے جو غرور پیدا کردے۔

☆ اکثر لوگ اپنے بہترین دوستوں کی کمتری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

☆ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے اور معاف کردینا ملکوتی عمل ہے۔

☆ حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔

☆ میرے خیال میں موت تکلیف دہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی زندگی۔

☆ ہر چیز کو اس طرح دیکھو جیسے پہلی دفعہ یا آخری بار دیکھ رہے ہو پھر اس دنیا میں تمہارا وقت بہت شادمانی سے گزرے گا۔

☆ دل پر مصیبتیں مت ڈالو کیوں، دل پر مصیبتیں آنکھوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

رملہ نذیر ملک، دھوریہ

حدیث مبارکہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی شخص زبان سے بات کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اس سے کچھ نقصان بھی ہوگا، حالانکہ وہ اس کے سبب ستر سال تک نیچے آگ میں گرتا رہتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''خاموشی میں کئی حکمتیں ہیں لیکن خاموشی اختیار کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''خاموشی سب سے اونچی عبادت ہے۔''

فرح راؤ، کینٹ لاہور

علامات محبت

حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

''میں نے ساحل پر ایک نوجوان کو دیکھا، اس کا رنگ اڑا ہوا تھا جبکہ چہرے پر مقبولیت کے انوار اور قرب و محبت کے آثار دکھائی دے رہے تھے، میں نے اسے سلام کیا تو اس نے احسن انداز میں جواب دیا۔''

میں نے پوچھا کہ۔

''محبت کی علامت کیا ہے؟''

جواب دیا۔
"دربدر کی ٹھوکریں کھانا، لوگوں میں رسوا ہونا نیند نہ کرنا اور دربار گاہ الٰہی سے دوری کا خوف رکھنا۔"

نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

محبت

خدا کی ہے یہی پہچان شاید
کہ کوئی اس جیسا نہیں ہے
تقاضا ہے محبت کا کہے جا!
کوئی اس کے سوا کچھ نہیں ہے

شاہینہ یوسف، عمرکوٹ

سچے موتی

- تم اللہ کے ذکر میں دل لگالو سکون اطمینان تم میں لگالیں گے۔
- کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بادلوں کی طرح گرجتے ہیں اور سمندروں کی طرح بولتے ہیں مگر ان کی سوچ گندے جوہڑوں تک محدود ہوتی ہے۔
- گم شدہ چیزیں بالعموم وہیں ملیں گی جس جگہ سے گم ہوئی تھیں، سوائے محبت کے۔
- آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔
- کسی بھی مقام کے اونچے شجر پر ہم خوش کلامی کی سیڑھی کے ذریعے چڑھ سکتے ہیں مگر بد کلامی کی معمولی سی لغزش سے ہم دھڑام سے نیچے بھی گر جاتے ہیں۔
- اگر تم چاہو تو خیالات کو بدل کر زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔

افشاں زینب، شیخوپورہ

گر جو چاہو تو سنو

☆ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر کبھی اعتماد نہ کرو۔

☆ انسان کو اس کے اوصاف عظیم بناتے ہیں کیونکہ کوا بلند مینار پر بیٹھنے سے عقاب نہیں ہو جاتا۔

☆ قانون غریب کو پیتا ہے اور امیر قانون کو پیتے ہیں۔

☆ دوست کی ناکامی پر غمگین ہونا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کی کامیابی پر مسرور ہونا۔

☆ اگر تم ہنستے ہو تو تمام دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی لیکن اگر روتے ہو تو اکیلے روؤ گے۔

☆ نمک میں کوئی ضرور پراسرار تقدس موجود ہے کہ یہ ہمارے آنسوؤں اور سمندر میں بھی موجود ہے۔

☆ جو چیز پیچھے ہٹ جاتی ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

☆ محنت ہمارے ہاتھ میں ہے اور نصیب اللہ کے ہاتھ میں ہمیں اسی سے کام لینا ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

☆ اکثر جو مصائب امیروں کو درپیش ہوتے ہیں غریب ان سے محفوظ رہتے ہیں۔

علینہ طارق، لاہور

انداز ہمدردی

بس میں بہت زیادہ رش تھا ایک بزرگ سیٹ نہ ہونے کے باعث ڈنڈا پکڑے کھڑے تھے قریب ہی اک سیٹ پر ایک نوجوان کھڑکی پہ سر ٹکائے سو رہا تھا کنڈیکٹر نے اس خیال سے اسے جگانے کی کوشش کی کہ کہیں اس کا اسٹاپ نہ نکل جائے نوجوان آنکھیں کھولے بغیر بولا۔

"میں سو نہیں رہا ہوں، تم اپنا کام کرو۔"

"سو نہیں رہے ہو تو پھر اس طرح آنکھیں بند کیے کیوں بیٹھے ہو۔" کنڈیکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"میں بزرگوں کو کھڑے ہو کر سفر کرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

☆☆☆

عامرہ اینڈ عاشہ: کی ڈائری سے ایک غزل

جو خیال تھے نہ قیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
مری عمر بھر کی جو پیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
یہ خیال سارے ہیں عارضی، یہ گلاب سارے ہیں کاغذی
گل آرزو کی جو باس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نہ قبول میں، وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو میری طلب، میری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مری دھڑکنوں کے قریب تھے مری چاہ تھے میرا خواب تھے
وہ جو روز و شب میرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

فرحین ملک: کی ڈائری سے ایک نظم

وفا جب مصلحت کی شال اوڑھے
سرد رت کا روپ دھارے
دل کے آنگن میں اترتی ہے
تو پلکوں پر ستاروں کی دھنک مسکانے لگتی ہے
کبھی خوابوں کے ان چھوئے ہیولوں سے بھی
ان دیکھی سی، ان جانی سی خوشبو آنے لگتی ہے
کسی کے سنگ بیتے، ان گنت لمحوں کی زنجیریں
اچانک ذہن میں جب گنگناتی ہیں
نفس ک تار میں سناٹا یکدم چیخ اٹھتا ہے
تو یوں محسوس ہوتا ہے
ہوائیں سرگوشی سی کرتی ہیں
محبت کا تمہیں ادراک اب تو ہو گیا ہوگا؟
یہ بھی جو زخم دیتی ہے کبھی سینے نہیں دیتی
محبت روٹھ جائے تو، کبھی جینے نہیں دیتی

سباس گل: کی ڈائری سے ایک نظم

سفر میں شام سے پہلے
اگر
بے آس ہو جاؤ
کوئی جگنو، کوئی تتلی، کوئی بھی رنگ
اپنے پاس نہ پاؤ
تو
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا
اور
اپنا سفر آغاز کر لینا
تمہیں ہر موڑ پر رستہ صاف اور روشن دکھائی دے گا
دھنک کے ساتوں رنگ تمہارے گرد اک ہالہ بنائیں گے
تتلیاں اپنے پروں کا مخملی پن تمہارے ساتھ کر دیں گی
سفر کی سختیوں سے وہ تمہیں محفوظ کر دیں گی
بس
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا

فرح طاہر: کی ڈائری سے ایک نظم

''مجبوری''
بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں
اب کہ ہم نے سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں

پھر خیال آیا کہ
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

رملہ نذیر ملک: کی ڈائری سے ایک نظم
"شیشے کا"
اعتبار شیشے کا، امتحان شیشے کا
دیکھو کھیل مت کھیلنا شیشے کا
ان دنوں جہاں ہم ہیں ہم کو ایسا لگتا ہے
ہے زمین شیشے کی، آسمان شیشے کا
ٹوٹنا تو ہے آخر، ٹوٹنے سے کیا ڈرنا
پتھروں کی بستی میں کیا دھیان شیشے کا
ہم بھی کتنے سادہ ہیں، دھوپ سے بچاؤ کو
سر پہ تان رکھا ہے سائبان شیشے کا
شہر ہے محبت کا اور حیران ہوں میں
ہر مکین شیشے کا، ہر مکان شیشے کا
جز مرے بتاؤ تو اور کون دے سکتا
فصل بوئی پتھر کی اور لگان شیشے کا

کنول فریاد حسین: کی ڈائری سے ایک نظم
کوئی سورج جاگے میری دھرتی پہ
کچھ ایسا ہو یہ رات ڈھلے
کوئی ہاتھ میں تھامے ہاتھ میرا
کوئی لے کر مجھ کو ساتھ چلے
کوئی بیٹھے میرے پہلو میں
میرے شانے پر ہاتھ رکھے
آنسو پونچھ کر آنکھوں سے
رکے رکے لہجے میں کہے
یوں تنہا سفر بھی کٹتا نہیں
چلو ہم تم دونوں ساتھ چلیں

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک غزل
میں نے پایا ہے وہی جو تھیں آشائیں تیری
میرے آنچل سے لپٹی رہیں دعائیں تیری
گہرے پانیوں پہ جھکی آنکھیں میری سر شام
اور میری آنکھوں میں چھلکیں نگاہیں تیری
ایک ہم کو بھی راس نہ آئے تیرے موسم دنیا
ایک بے مہر بہت تھیں ہوائیں تیری!
صدیوں کی مسافت بھی رائیگاں ٹھہری
بڑھنے ہی نہ دیتی تھیں آگ صدائیں تیری
جانے والے نے وقت رخصت یہ بھی نہ پوچھا
قدم اٹھتے ہی کیوں آنکھیں بھر آئیں تیری
میں دشت کے سفر پہ کب تنہا تھی غزل
مجھ کو ہر گھڑی تھامے رہیں بانہیں تیری

زرمین بٹ: کی ڈائری سے ایک غزل
وہ جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سمندر، وقت، ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس پڑے کئی موسم
وہ گنگنائے تو باد صباء ٹھہر جائے
وہ ہونٹ ہونٹوں پہ رکھ دے دم آخر
مجھے گماں ہے آئی قضاء ٹھہر جائے
میں اس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

فرح راؤ: کی ڈائری سے ایک غزل
تجھے اظہار محبت سے اگر نفرت ہے
تو نے ہونٹوں کو لرزنے سے تو روکا ہوتا
بے نیازی سے مگر کانپتی آواز کے ساتھ
تو نے گھبرا کے مرا نام نہ پوچھا ہوتا
تیرے بس میں تھی اگر مشعل جذبات کی لو
تیرے رخسار میں گلزار نہ بھڑکا ہوتا
یوں تو مجھ سے ہوئیں صرف آب و ہوا کی باتیں
اپنے ٹوٹے ہوئے فقروں کو تو پرکھا ہوتا
یونہی بے وجہ ٹھٹکنے کی ضرورت کیا تھی
دم رخصت اگر یاد نہ آیا ہوتا
تیرا غماز بنا خود تیرا انداز خرام
دل نہ سنبھلا تھا تو قدموں کو سنبھالا ہوتا
اپنے بدلے میری تصویر نظر آ جاتی
تو نے اس وقت اگر آئینہ دیکھا ہوتا

حوصلہ تجھ کو نہ تھا مجھ سے جدا ہونے کا
ورنہ کاجل تیری آنکھوں میں نہ پھیلا ہوتا

نبیلہ نعمان: کی ڈائری سے ایک نظم

''کبھی کبھی''

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تیری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی

یہ تیرگی جو میری زیست کا مقدر ہے
تری نظر کی شعاعوں میں کھو بھی سکتی تھی
عجب نہ تھا کہ میں بے گانہ الم ہو کر
تیرے جمال کی رعنائیوں میں کھو رہتا
ترا گداز بدن، تیری نیم باز آنکھیں
انہی حسین فسانوں میں محو ہو رہتا
پکارتیں مجھے جب تلخیاں زمانے کی
تیرے لبوں سے حلاوت کے گھونٹ پی لیتا
حیات چیختی پھرتی برہنہ سر اور میں
گھنیری زلفوں کے سایہ میں چھپ کے جی لیتا

مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے
کہ تو نہیں تیرا غم، تیری جستجو بھی نہیں
گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو بھی نہیں
زمانے بھر کے دکھوں کو لگا چکا ہوں گلے
گزر رہا ہوں کچھ انجانی راہ گزاروں سے
مہیب سائے مری سمت بڑھتے آتے ہیں
حیات و موت کے پر ہول خار زاروں سے
نہ کوئی جادۂ منزل نہ روشنی کا سراغ
بھٹک رہی ہے خلاؤں میں زندگی میری
انہی خلاؤں میں رہ جاؤں گا کبھی کھو کر
میں جانتا ہوں میری ہم نفس مگر یونہی
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے

شاہینہ یوسف: کی ڈائری سے ایک غزل

ملے کیسے صدیوں کی پیاس اور پانی ذرا پھر سے کہنا
بڑی دلربا ہے یہ ساری کہانی، ذرا پھر سے کہنا
کہاں سے چلا تھا جدائی کا سایہ نہیں دیکھ پایا
کہ رستے میں تھی آنسوؤں کی روانی، ذرا پھر سے کہنا
ہوا یہ خبر سنائی رہے اور میں سنتا رہوں
بدلنے کو ہے اب یہ موسم خزانی، ذرا پھر سے کہنا
مکر جانے والا کبھی زندگی میں خوشی پھر نہ پائے
یونہی ختم کر لیں، چلو یہ کہانی، ذرا پھر سے کہنا
سمے کے سمندر کہا تو نے جو بھی، سنا پر نہ سمجھے
جوانی کی ندی میں تھا تیز پانی، ذرا سے کہنا

افشاں زینب: کی ڈائری سے ایک نظم

''میں گرہ میں باندھ کے حادثات''

نکل پڑا تیری کھوج میں
کہیں تارکول کی تھی سڑک
جہاں آگ بانٹتی دھوپ تھی
کبھی کچی راہ کی دھول میں
جہاں سانس لینا محال تھا
سر رزم جاں کبھی دل کے درد سے ہار کر
میں تو خانقاہوں پر مانگتا پھرا منتیں
کبھی رات رات دعاؤں میں بسر ہو گئی
کبھی قافلے میری آس کے کسی دشت شناس میں
کھو گئے
میرا پیرہن تھا پھٹا ہوا کہیں گرد گرداتا ہوا
میں ادھورے پن کے سراب میں
تجھے ڈھونڈتا پھرا در بدر
کسی اجنبی کے دیار میں
کوئی دکھ ملا کسی موڑ پر کوئی غم ملا کسی چوک پر
کسی راہگور کے سکوت میں کوئی درد آ کے ڈرا گیا
کبھی چل پڑا کبھی رک گیا کسی کشمکش کے غبار میں
مجھے کیا ملا تیرے پیار میں
میں گرہ میں باندھ کر حادثات
کہیں گم ہوا تیری کھوج میں

☆☆☆

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟
ج: تم کیا کر رہی ہو۔
س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟
ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔
س: اب بتا بھی دیں؟
ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔
س: آپ عیدالاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟
ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔
س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔
ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔
س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟
ج: میں خود آ جاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

فرح عامر ---- جہلم

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔
ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔
س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟
ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔
س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟
ج: پی جی ایام کی تلخی کو ہنس کے ناصر۔
س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟
ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔
س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیئے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟
ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

رضوان علی ---- رحیم یار خان

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟
ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور "گرل" کا بھائی آ جائے۔
س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟
ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔
س: سکون کی تلاش؟
ج: اپنے اندر تلاش کرو۔
س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟
ج: کون کہتا ہے۔

س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟
ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل اماں اللہ سے بھی کہہ رہے تھے۔

فائزہ قاسم ---- سکھر

س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: نمیں سی لانی بے قدراں نال یاری۔
س: کیا گئے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟
ج: گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے۔
س: کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو؟
ج: تاکہ گزری ہوئی باتوں پر کبھی خوش کبھی رنجیدہ ہوسکیں۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: دل آنے کے ڈھنگ ہیں۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں یا کلیاں؟
ج: کلیاں کیوں کہ انہیں ابھی کھلنا ہوتا ہے۔
س: آپ کو بھینس کے آگے بین بجانا کیسا لگتا ہے؟
ج: مجھے تو چین کی صرف بنسری بجانی آتی ہے۔
س: سلجھی ہوئی حسینوں اور الجھی ہوئی حسینوں میں کیا فرق ہے؟
ج: جو ایک سمجھدار انسان اور ایک ناسمجھ انسان میں ہے۔
س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟
ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع و عریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

نعیم امین ---- کراچی

س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا ع غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: تبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

نازیہ کمال ---- حیدرآباد

س: یہ زندگی تیرے بغیر کیسے کٹے گی؟
ج: جیسے اب تک کٹی ہے۔

☆☆☆

بلقیس بھٹی

خودکشی اور محرومی

ایک صاحب رنگین ٹی وی اور ڈی وی ڈی اٹھائے تیز تیز قدم اٹھاتے نہر کی طرف جا رہے تھے راستے میں ایک دوست نے دیکھا اور پوچھا۔
''کیا بات ہے، کدھر جا رہے ہو؟''
''خودکشی کرنے جا رہا ہوں۔'' ان صاحب نے جواب دیا۔
''مگر ان چیزوں کا کیا مطلب ہے؟'' دوست نے حیرانی سے پوچھا۔
وہ صاحب غصے سے چلائے۔
''ان ہی چیزوں کے ساتھ ڈوبوں گا، میری بیوی مجھ پر نہ سہی ان چیزوں پر تو محرومی کا ماتم کرے گی ناں۔''

یقین

وکیل، چور سے۔
''اب جبکہ میں نے تمہیں بری کروا دیا ہے تو یہ تو بتاتے جاؤ، کہ تم نے چوری کی بھی تھی یا نہیں؟''
چور۔
''عدالت میں آپ کی بحث سن کر مجھے یقین سا ہو رہا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی۔''
فرحین ملک، دھوریہ

''قطعہ''

کیا عجب شخص تھا محفل میں وہ آنے والا
وہ بھری بزم کو یوں لوٹ کے جانے والا
جانتے ہو میاں تہذیب اسے تم کہ نہیں
تھا وہی شخص میرے شعر چرانے والا
سباس گل، رحیم یار خان

مرغی کی دعا

ایک مرغی نے تین انڈے دیئے اور دعا مانگی کے بچے نیک نکلے چند دنوں بعد ایک بچہ نکلا جو نماز پڑھ رہا ہے پھر دوسرے دن دوسرا بچہ نکلا جو تسبیح پڑھ رہا تھا، تیسرے دن بچہ ہی نہ نکلا، دو دن اور گزر گئے آخر کار مرغی پریشان ہوگئی اور اللہ سے دعا مانگنے لگی، تب ہی انڈے سے آواز آئی امی جان! پریشان مت ہوں میں عتکاف پر بیٹھا ہوا ہوں۔
نرمین بٹ، گوجرانوالہ

ٹی وی

ایک آدمی گھر پہنچا تو دیکھا کہ ٹی وی ٹوٹا پڑا ہے اور اس کا بیٹا اس میں جھانک رہا ہے۔
باپ نے حیران ہو کر پوچھا۔
''ارے تم نے یہ کیا کیا؟''
بیٹے نے جواب دیا۔
''اس میں ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے باہر نکالو، اب میں نے ٹی وی توڑا ہے تو نجانے وہ کہاں چلا گیا ہے۔''

فون

ایک آدمی فون پر دوسرے آدمی سے۔
''آپ کون بول رہے ہیں؟''
دوسرا آدمی۔
''میں بول رہا ہوں۔''
''آپ کون بول رہے ہیں؟''

پہلا آدمی ادھر سے۔
''میں بھی میں بول رہا ہوں۔''
رملہ نذیر ملک، دھوریہ

پرانی کاریں

''دادو ماں، دادو ماں!'' چار سالہ اصغر نے بڑے تجسس سے اپنی دادی سے پوچھا۔
''جب کاریں پرانی ہو جاتی ہیں، گلنے سڑنے لگتی ہیں تو ان کو کیا کرتے ہیں؟''
''کچھ بھی نہیں۔'' دادی اماں نے سکون سے کہا۔
''وہ تمہارے دادا خرید لیتے ہیں۔''
فرح طاہر، ملتان

نظم

''تاکید''
سنو! زمیں زادے
ملک بوس کہساروں کے سفر پہ جاؤ
تو سفر طلب میں امان دل کھو نہ دینا
وہ خواب جو ابھی تیری پلکوں میں زندہ ہیں
انہیں ابھی تعبیر کا آئینہ مت دینا
وہ آرزوئیں جو ابھی تیرے من میں پوشیدہ ہیں
انہیں فقط احساسات کا پیرہن عطا کر دو
کہ یہ پیرہن امانت دل
اور خوبصورت جذبوں کا
سب سے بڑا امین ہے
فوزیہ غزل، شیخوپورہ

وجہ

ایک ٹریولنگ سیلز مین نے ایک بڑے کاروباری ادارے کے منیجر سے کہا۔
''میں آپ کو تمام ملازمین کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ کون شادی شدہ ہے اور کون کنوارا۔'' اس وقت ملازم وقفے میں کھانا کھانے باہر گئے ہوئے تھے۔

جب وقفہ ختم ہوا تو سیلز مین دروازے میں کھڑا ہو گیا اور اندر داخل ہونے والے افراد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اس نے جن ملازموں کو شادی شدہ بتایا، وہ واقعی کنوارے نہیں تھے۔
منیجر نے حیران ہو کر پوچھا۔
''آپ نے یہ اندازہ کیسے کر لیا؟''
سیلز مین نے جواب دیا۔
''شادی شدہ ملازمین جب کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے پائیدان پر پاؤں صاف کیے لیکن کسی بھی کنوارے نے اس سلیقے کا اہتمام نہیں کیا۔''
فرح راؤ، کینٹ لاہور

صحیح جواب

ٹیچر نے کلاس کے لڑکوں کو کلاس روم میں ہی بیٹھ کر مضمون لکھنے کے لئے موضوع دیا۔
''اگر مجھے دس کروڑ روپے مل جائیں تو میں کیا کروں گا؟''
سب لڑکے تیزی سے مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے لیکن سلیم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا، وقت ختم ہونے پر ٹیچر نے سب سے پیپرز جمع کیے تو سلیم نے سادہ کاغذ تھما دیے۔
''یہ کیا......؟'' ٹیچر نے غصے سے کہا۔
''سب لڑکوں نے دو، دو تین تین صفحوں کے مضمون لکھے ہیں مگر تم نے کچھ بھی نہیں لکھا، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔''
''سر! دس کروڑ روپے ملنے کے بعد میں یہی کروں گا۔'' سلیم نے اطمینان سے کہا۔
نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

یقین

یونیورسٹی کے ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے سے پوچھا۔
''جب مرد کسی لڑکی سے کہتا ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہے، تو کیا لڑکی

اس کی بات پر یقین کر لیتی ہے؟''
''ہاں...... بشرطیکہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا جھوٹا ہو۔'' دوسرے لڑکے نے جواب دیا۔
شاہینہ یوسف، عمر کوٹ

راز

مسز کاشف کا کہنا ہے کہ ''ان کی پیدائش کے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔''
''کیا آپ کو معلوم ہے وہ راز۔''
''کیوں نہیں! یہ راز ان کی تاریخ پیدائش ہے۔''
''میرے خیال میں یہ کہنا مشکل ہے، ابھی آپ کے کتے کو میری گاڑی نے کچل دیا۔''
''اُف...... ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ میرے ٹرک نے آپ کی گاڑی کو ٹکر مار کر کباڑا کر دیا ہے۔''

قوت گویائی

''اللہ کی قدرت بھی عجیب ہے، ایک گدھے کو گدھے نے دولتی ماری تو وہ بولنے لگا۔''
''اچھا...... مگر قوت گویائی واپس لانے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔''
''وہ کیا؟''
''وہ یہ کہ بیوی کو میکے بھیج دیا جائے۔''

تاثیر مسیحائی کی

آپریشن ٹیبل پر مریض کو دیکھتے ہوئے سینئر سرجن نے نئے سرجن سے کہا۔
''آپ نے یہ کیا آپریشن کیا ہے؟''
نئے سرجن نے چونک کر جواب دیا۔
''کیا اس کا آپریشن کرنا تھا، میں نے تو اس کا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے۔''
علینہ طارق، لاہور

شریفانہ طریقہ

ایک شخص نے اپنے پڑوسی سے پوچھا۔
''آج کل خالد صاحب نہیں آ رہے، وہ خیریت سے تو ہیں؟''
''آپ کو معلوم نہیں، انہیں کار چرانے کے الزام میں تین سال کی سزا ہو گئی ہے۔'' پڑوسی نے بتایا۔
''کمال ہے۔'' ان صاحب نے حیرت سے کہا۔
''خالد صاحب بھی بڑے بے وقوف آدمی ہیں، انہیں بھلا ایسی کیا آفت آ پڑی تھی کہ کار چرانے چل دیئے، کار حاصل کرنے کے لئے شریفانہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تھے؟ بھئی قسطوں پر کار لے لیتے اور قسطیں ادا نہ کرتے۔''
شائل وہاب، کراچی

☆☆☆

''اعتزاز''

کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر مبشرہ انصاری کا ناولٹ ''ان لمحوں کے دامن میں'' اس ماہ شائع نہیں ہو سکا، اس ناولٹ کی اگلی قسط اگست میں شائع کی جائے گی۔

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ
میں سوچتی ہوں محبت عجب دھوکا ہے
جو مل نہ سکے کبھی اس کی آس رہتی ہے
جسے پا نہ سکیں اس کا دھیان رہتا ہے
جو بجھ سکے نہ کبھی ایسی پیاس رہتی ہے

....

لوگوں کے ہنر اپنا دکھایا بھی بہت ہے
جا جا کے اس میں نے منایا بھی بہت ہے
سچ پوچھو تو پیارا بھی بہت لگتا ہے دل کو
وہ شخص کہ دل جس نے دکھایا بھی بہت ہے

....

میرے ہونٹوں پہ مہکتے نغموں پہ نہ جا
میرے سینے میں کئی طرح کے غم پلتے ہیں
میرے چہرے پہ دکھاوے کا تبسم ہے مگر
میری آنکھوں میں اداسی کے دیے جلتے ہیں
رملہ نذیر ملک ---- دھوریہ

صدیوں سے انسان یہ سنتا آیا ہے
دکھ کی دھوپ کے آگے سکھ کا سایہ ہے
جھوٹ تو قاتل ٹھہرا اس کا کیا رونا
سچ نے بھی انسانوں کا خون بہایا ہے

....

خود اپنے ہی اندر سے ابھرتا ہے وہ موسم
جو رنگ بچھا دیتا ہے تتلی کے پروں پر
ہم جو ہنس ہنس کر سب سے ملتے ہیں
خود سے مل کر بہت اداس ہوتے ہیں

....

جب کانچ کی کنواری عمروں کو مٹی میں رل جانا ہے
تو کیوں رضا یہ عمر بھر کے میلے اچھے لگتے ہیں
فرح طاہر ---- ملتان

اگر ہو سکے تو کرو خود میں کشش پیدا
ہر کسی کو حسرت سے دیکھا نہیں کرتے
ہر شخص نہیں ہوتا ہر شخص کے قابل
ہر شخص کو اپنے لئے پرکھا نہیں کرتے

....

شبنم کے آنسو پھول پر یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں میری بھیگی ہوئی چہرہ تیرا اترا ہوا
برسات میں در و دیوار کی ساری تحریریں مٹی
دھویا بہت مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا
سباس گل ---- رحیم یار خان

کیا وقت آ پڑا ہے یہ ہم سے نہ پوچھیے
ہم لوگ کب رسول و خدا کے غلام ہیں
کچھ اس طرح بڑھی ہیں یہاں خود پرستیاں
ہم لوگ صرف اپنی انا کے غلام ہیں
عامرہ اینڈ عائشہ ---- حویلی بہادر شاہ

اور بات کہ لب چشم پوش ہو جائے
کچھ تو غم اسے بھی ہمارے حال کا تھا

....

محبتوں میں بھی قائل تھی لب نہ کھولنے کی
جواب ورنہ میرے پاس ہر سوال کا تھا
کنول فریاد حسین ---- جلالپور جٹاں

حدوں کی ضد سے تو کر آزاد مجھے
دل میں بسایا ہے تو آنکھوں میں اتار مجھے
میرے جذبوں میں ہے پاکیزگی
تو جس رشتے سے چاہے پکار مجھے
فرحین ملک ---- دھوریہ

ظفر اس بھیڑ میں گم ہی نہ ہو جاؤں کہیں میں
جدھر سارے کے سارے ہیں ادھر ہونے سے ڈر لگتا ہے

....

گھر سے نکلی تو خبر بن جائے گی آپس کی بات
جو بھی قصہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے
آسمان سبز گوں پہ اک تارا، اک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو، یہ خوشنما منظر تو ہے

....

راز ہستی کچھ نہیں اکثر یہ دیکھا گیا ہے
بے خبر ہنستے رہے، یا خبر روتے رہے
عمارہ ----- ملتان

ٹوٹ جائیں نہ کہیں ضبط کی خواہش میری
نہ کر میرے ہمسفر اس قدر آزمائش میری
گہنا گیا میرے روپ کا جادو بتا مجھے
یا پھر دل سے کم ہونے لگی چاہتیں میری
ڈاکٹر زاہد جاوید ----- وہاڑی

کبھی فرصتیں جو نصیب ہوں
چلے آنا مرے پاس تم
ہیں ادھورے کتنے معاملے
میری ذات سے تیری ذات تک
فراح راؤ ----- کینٹ لاہور

آئینہ گر تجھے معلوم نہیں ہے شاید
لوگ محروم خدوخال ہوئے جاتے ہیں

....

توڑ دیتا ہے بدن لذت اشیاء کا خمار
لوگ مر جاتے ہیں بازار سے گھر آتے ہوئے

....

پہلے شکوہ تھا، یہاں رونق بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں
سب کے ہاتھوں میں یہاں زہر پیالہ ہے مگر
کوئی سچ بولنے کے واسطے تیار نہیں
نبیلہ نعمان ----- گلبرگ لاہور

ہم لوگ تو خوشبو کی طرح ہیں ترے اطراف
ہم سادہ دلوں سے تو سیاست نہیں کرنا
میں خود کو میسر نہیں آیا ہوں ابھی تک
تم سے بھی نہ مل پاؤں تو حیرت نہیں کرنا

....

چلیے وہ شخص ہمارا تو کبھی تھا ہی نہیں
دکھ تو یہ ہے کہ تمہارا بھی نہیں ہو سکتا
دنیا اچھی بھی نہیں لگتی ہم جیسا کو سلیم
اور دنیا سے کنارا بھی نہیں ہو سکتا
شاہینہ یوسف ---- عمر کوٹ

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ سوار کرتے

....

یہ میری نظر کی بلندیاں تجھے کس مقام تک لے گئیں
وہ تمہارے قدموں کی دھول تھی مجھے کہکشاں کا گماں ہو
دنیا میں اس کا کوئی خریدار نہیں
میں بیچتا ضرور جو بکتا میرا نصیب

....

لذت گناہ میں جس نے جنت بھی ہار دی
میرے وجود میں اسی آدم کا خون ہے
انشاں زینب ---- شیخوپورہ

ایک نیا راستہ نکالا ہے
ہم نے منزل سے خود کو ٹالا ہے
ہم ہواؤں سے خواب پکڑیں گے
ہم نے نظروں سے جال ڈالا ہے

....

آنکھوں کا رنگ، بات کا لہجہ بدل گیا
وہ شخص ایک شام میں بدل گیا
شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ
منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

....

امجد ہماری بات وہ سنتا تو ایک بار
آنکھوں سے اس کو چومتے تعزیر جو بھی تھی
علینہ طارق ---- لاہور

میرا دامن تو صاف تھا لیکن
شہر سارا خلاف تھا لیکن
ایک پری کی مجھے بھی چاہ رہی

....

کبھی تو روئے گا وہ بھی کسی کی بانہوں میں
کبھی تو اس کی ہنسی کو زوال ہونا ہے
ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے

....

ٹوٹا تو ہوں مگر ابھی بکھرا نہیں فراد
میرے بدن پر جیسے شکستوں کا جال ہے
عاصمہ سلیم ---- ملتان

خاموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

....

وہ کچھ سنتا تو میں کہتا، مجھے کچھ اور کہنا تھا
وہ پل بھر کو جو رک جاتا، مجھے کچھ اور کہنا تھا
غلط فہمی نے باتوں کو بڑھا ڈالا یونہی ورنہ
کہا تھا کچھ وہ سمجھا کچھ مجھے کچھ اور کہنا تھا

....

شیشہ جاں کو مرے اتنی ندامت سے نہ دیکھ
جس سے ٹوٹا ہے یہ آئینہ وہ سنگ اور ہی تھا
خلق کی جھیجی ہوئی ساری علامت اک سمت
اس کے لہجے میں چھپا تیر و تفنگ اور ہی تھا
نبیہ طارق ---- کراچی

زیست کرنے کے سب انداز سے ازبر تھے
مجھ کو مرنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا شاید
خاک اڑاتے ہوئے بازاروں میں دیکھا سب نے
میں کبھی گھر سے نکلتا بھی نہیں تھا شاید

....

کئی کتابیں تھیں دیمک نے جن کو چاٹ لیا
بہت سے لفظ تھے ایسے کہ جو پڑھے نہ گئے

....

غم بیاں کرنے کو کوئی اور ڈھنگ ایجاد کر
تیری آنکھوں کا یہ پانی تو پرانا ہو گیا
نازیہ عمر ---- پشاور

آپ کتنے اچھے ہیں آپ کتنے پیارے ہیں
آپ کو بتاؤں کیا آپ ہی کے بارے میں
خواب، شعر اور نغمہ کون خوبصورت ہے
دلکشی بتائے کیا دلکشی کے بارے میں

....

بے اعتبار وقت پہ جھنجلا کے رو پڑے
کھو کے کبھی اسے تو کبھی پا کے رو پڑے
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر کبھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے

....

جہاں بھی ملتا ہے وجہ ملال پوچھتا ہے
جو حل طلب ہیں ابھی وہ سوال پوچھتا ہے
عجیب دشمن جاں ہے کہ وار سے پہلے
وہ مجھ سے میرے بچاؤ کی چال پوچھتا ہے
معکنون شاہ ---- لاہور

بدلا یوں رنگ آپ نے حیرت زدہ ہوں میں
گرگٹ کو مات دے گئی فطرت جناب کی
ہر ایک کے لئے نہ کھلا رکھ اسے قتیل
یہ دل ہے ایک گھر اسے بازار مت بنا

....

عجیب رنگوں میں گزری ہے زندگی اپنی
دلوں پہ راج کیا پھر بھی پیار کو ترسے

....

میں اس کو جانتا ہوں وہ جس کا نصیب ہے
کیسے اسے بتاؤں مجھے کیا نہیں ملا
وہ بھی بہت اکیلا ہے شاید میری طرح
اس کو بھی کوئی چاہنے والا نہیں ملا
شازیہ ثمن ---- جھنگ

وہ کھیل کھیل میں ہوتا گیا بہت محتاط
ہنسی ہنسی میں ہم اپنے حواس کھو بیٹھے
سمندروں کے سفر میں تمہیں یہ کیا سوجھی
ہمارے جیسا ستارہ شناس کھو بیٹھے

☆☆☆

ہرے بھرے کباب

اشیاء

- پودینہ — چار گٹھی
- بیسن — ایک کپ
- ہری مرچ — دس عدد
- ہرا دھنیا — ایک گٹھی
- نمک — حسب ذائقہ
- ثابت دھنیا بھنا ہوا — ایک چائے کا چمچہ
- پیاز — ایک عدد
- ٹماٹر بڑے سائز کے — دو عدد
- تیل — ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب

پودینے اور ہرا دھنیا کو صاف کر کے پتے الگ کرلیں اور انہیں دھو کر باریک کاٹ لیں، پیاز، ٹماٹر اور ہری مرچ کو باریک کاٹ کر اس آمیزے میں نمک، ثابت دھنیا اور بیسن ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں، جب یہ سخت آٹے کے پیڑے کے مانند ہو جائے تو اس کو ایک بڑے رول کی شکل دے دیں، اب ایک دیگچی میں پانی گرم کریں اور اس کے اوپر چھلنی رکھ کر اس پر رول رکھ دیں، کچھ دیر اسے بھاپ میں سخت ہونے دیں، اس کے بعد اس کے سلائس کاٹ لیں، کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں اور میں سلائس ڈال کر گولڈن براؤن کرلیں، مزے دار ہرے بھرے کباب تیار ہیں املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

یوگرٹ مٹن

اشیاء

- بکرے کا گوشت دھولیں — ایک کلو
- دہی — ایک پاؤ
- پیاز باریک کاٹ لیں — دو عدد
- ادرک، لہسن پیسٹ — دو کھانے کے چمچ
- ہری مرچ درمیانی سائز کی — آدھا کپ
- نمک — حسب ذائقہ
- گرم مصالحہ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
- تیل — آدھا کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تلیں، گوشت، نمک اور ادرک لہسن پیسٹ ڈال دیں، دو منٹ تک بھون کر تقریباً چار گلاس پانی گوشت میں ڈال کر گلنے کے لئے چھوڑ دیں، (اگر پانی خشک ہو جائے اور گوشت نہ گلے تو تھوڑا پانی اور ڈال دیں) آدھی ہری مرچ گرائنڈر میں پیس لیں، جب گوشت گل جائے تو دہی پھینٹ کر اس میں ملا دیں اور ساتھ ہی پسی ہوئی ہری مرچ بھی ملا دیں، جب دہی کا پانی بھی خشک ہو جائے تو باقی کی ثابت ہری مرچوں کے درمیان میں کٹ لگا کر گوشت میں ڈال دیں، ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ پکائیں، جب تیل اوپر آ جائے تو اوپر سے پسا ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں، مزے دار یوگرٹ مٹن تیار ہے، روغنی نان اور سلاد کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

جہانگیری سیخ کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کچری پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سونٹھ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیاز باریک کٹی ہوئی	دو کھانے کے چمچے
ثابت دھنیا کوٹ لیں	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کاجو باریک چوپ کرلیں	تین کھانے کے چمچے
خشخاش پیس لیں	ایک چائے کا چمچہ
دیسی گھی	حسب ضرورت
ناریل پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
بیسن	دو کھانے کے چمچے
دہکتا ہوا کوئلہ	ایک عدد

ترکیب

ایک پیالے میں قیمہ، ادرک، لہسن پیسٹ، کچری پاؤڈر، سونٹھ، گرم مصالحہ پاؤڈر، پیاز، ثابت دھنیا، نمک، لال مرچ کا پاؤڈر، خشخاش، ناریل پاؤڈر اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں، جس طرح آٹا گوندھتے ہیں اس طرح گوندھ لیں، اس کو بیس منٹ کے لئے رکھ دیں، پھر درمیان ڈبل روٹی یا پیاز کا چھلکا رکھ کر کوئلہ رکھیں، دو تین قطرے دیسی گھی ٹپکا کر ڈھک دیں۔

اب اس قیمے کو سیخوں پر سیخ کباب کی طرح چڑھا کر دہکتے کوئلے پر سینک لیں، دیسی گھی کا بگھار لگا کر سرونگ ڈش میں نکال لیں، پراٹھوں یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

منگولین گوشت

اشیاء

گوشت	آدھا کلو
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ

سوس بنانے کے لئے:۔

مرغی کی یخنی	چوتھائی کپ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
چلی سوس	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور	ڈیڑھ چائے کا چمچہ

(تمام اشیا مکس کرلیں)

ہری مرچ	آٹھ عدد
لہسن کے جوئے	چار عدد
ثابت لال مرچ	آٹھ سے دس عدد
ثابت سیاہ مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا

ترکیب

مرغی کی یخنی میں سویا ساس، سرکہ، چینی سوس، چینی اور کارن فلور ڈال کر مکس کر کے سوس تیار کرلیں۔

کڑاہی میں دو چمچے تیل گرم کریں، اس میں لال مرچ ڈال کر کڑکڑائیں اور گوشت، گرم مصالحہ پاؤڈر، سویا ساس اور سرکہ ڈال کر تقریباً پانچ منٹ کے لئے فرائی کریں، دوسری کڑاہی میں تھوڑا سا تیل ڈالیں، اس میں ہری پیاز، سیاہ مرچ اور چینی ڈال کر پکائیں، جب سارا مصالحہ بھون جائے تو گوشت ڈالیں اور ساتھ ہی سوس بھی ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کرلیں سادہ ابلے

ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

کابلی چنے کے کباب

اشیاء

کابلی چنے ابلے ہوئے	آدھا کلو
آٹا	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
سفید تل	تین کھانے کے چمچے
تیل	فرائی کے لئے

ترکیب

چنے اچھی طرح ابال کر میش کر لیں، اس میں آٹا، نمک، لال مرچ، سیاہ مرچ پاؤڈر، ہری مرچ، زیرہ اور تل ڈال کر مکس کر لیں، ہاتھ سے گول کباب بنائیں، تیل گرم کر کے کبابوں کو ہلکا فرائی کر کے دونوں طرف سے گولڈن کر لیں کیچپ اور کھٹی میٹھی املی سوس کے ساتھ سرو کریں۔

ہنٹر بیف

اشیاء

بیف	ڈیڑھ کلو
دار چینی	چار اسٹکس
ثابت سیاہ مرچیں	تین چائے کے چمچے
لونگیں	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں رس نکال لیں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
قلمی شورہ (کالا نمک)	دو کھانے کا چمچے
دیسی گڑ	تین کھانے کے چمچے

ترکیب

بیف کو کانٹے سے اچھی طرح گود لیں، دار چینی، ثابت سیاہ مرچیں، لونگ، سفید زیرہ، نمک، قلمی شورہ اور دیسی گڑ ملا کر مصالحہ کو اچھی طرح پیس لیں، اس کے بعد لیموں کا رس اور پسا ہوا مصالحہ گوشت پر لگا کر چار سے پانچ دن کے لئے فریج میں رکھیں اور روزانہ گوشت کو گود لیں، چار پانچ منٹ کے بعد تین کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، تیار ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے سلائس کاٹ لیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

شکار پوری کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
لونگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
جاوتری	ایک چٹکی
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن	چار کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
ہری مرچ	آٹھ عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ادرک	ایک بڑا ٹکڑا
لہسن	دس جوئے
پیاز	دو عدد
کشمش	دس عدد

ترکیب

ایک برتن میں قیمے کے ساتھ لونگ، دار چینی، چھوٹی الائچی، جاوتری، سرخ مرچ، لہسن، ادرک کا پیسٹ اور نمک ملا کر گلا لیں اور ٹھنڈا کر لیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد پیس کے ان کی چھوٹی چھوٹی گیندیں بنا لیں، کشمش سمیت باقی ہرا مصالحہ پیس کر ان گیندوں میں بھر لیں اور انڈے

میں ڈبو کر تل لیں، پودینے کی چٹنی اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

سفید گوشت

اشیاء

مٹن درمیانے پیس	ایک کلو
پیاز	دو عدد
لہسن، ادرک	۱/۲ چمچہ
لونگ	آٹھ عدد
دار چینی	ایک بڑا ٹکڑا
کالی مرچ	پندرہ دانے
نمک	حسب ضرورت
ہری مرچ	چار عدد
تیل	ایک کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں اور اس میں گوشت ڈال کر اس کی بو ختم کر لیں، تقریباً پانچ منٹ کے وقفے سے اس میں چار گلاس پانی ڈال دیں، پیاز کے چار چار ٹکڑے کر لیں، ہری مرچ، نمک، لہسن، ادرک، لونگ، دار چینی اور کالی مرچ گوشت میں ڈال دیں، تیز آنچ پر دس منٹ پکائیں، پھر آنچ ہلکی کر لیں اور دیگچی پر وزن رکھیں، تقریباً دو گھنٹے پکنے دیں۔

مزے دار سفید گوشت تیار ہے، سادہ پلاؤ اور شامی کباب کے ساتھ نوش فرمائیں۔

آلو کوفتہ بوٹی بریانی

اشیاء

قیمہ	250 گرام
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا کٹا ہوا	ایک چوتھائی کپ
ہری مرچیں کٹی ہوئی	تین عدد
زیرہ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
پیاز کٹی ہوئی	ڈیڑھ کپ
سیلا چاول	آدھا کلو
گوشت کی بوٹی	250 گرام
آلو	دو سے تین عدد
تیل	ایک کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک چوتھائی کپ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پسا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچہ
زرد رنگ	دو چٹکی

ترکیب

قیمہ کو چوپر میں پیس کر نمک، مرچ، ہرا دھنیا، زیرہ پاؤڈر، پیاز باریک کر کے لہسن ادرک کا پیسٹ اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کر لیں اور کوفتے بنا لیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز سنہری کر لیں، نمک لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ثابت گرم مصالحہ، لہسن، ادرک پیسٹ اور دہی ڈال کر بھونیں، کوفتے ڈالیں، پانچ منٹ بعد ابلی ہوئی بوٹیاں اور آلو بھی ڈالیں اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں، آلو گل جائیں تو ہری مرچیں، ہرا دھنیا، گرم مصالحہ ڈالیں۔

دیگچی میں چاولوں کی آدھی مقدار ڈالیں، کوفتے، بوٹی، آلو مصالحہ ڈال کر باقی چاول ڈالیں اور زعفرانی رنگ ڈال کر دم پر لگائیں، آلو کوفتہ بوٹی بریانی تیار ہے سرو کریں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

جولائی کے شمارے کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

وطن عزیز میں اس وقت ایک عجیب صورت حال ہے حالات اس قدر الجھے ہیں کہ جتنا بھی سوچیں کوئی دل کو تسلی دینے والا جواب نہیں ملتا بے یقینی اور مایوسی کی اس فضا میں پاکستان کرکٹ ٹیم بے مثال کامیابی وہ بھی حریف ملک کو ہرا کر ایک خوش کن خبر ہے ایک طویل مدت کے بعد پاکستان کو ایک بڑی کامیابی نصیب ہوئی اور ایک بار پھر رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں پاکستان کے نام کے ساتھ ولڈ چیمپئن کی گونج ہر طرف سنائی دی اس کامیابی سے عالمی سطح پر پاکستان کا امیج بہتر بنانے میں مدد ملے گی، پوری قوم نے بڑے خوش و خروش سے اس جیت کا خیر مقدم کیا، ویسے بھی ہم ہر جذبے اور احساس کا پوری شدت سے اظہار کرنے کے عادی ہیں اس جیت نے ثابت کر دیا کہ صلاحیت کے معاملے میں ہمارے نوجوان کسی سے کم نہیں، جب بھی ان کو موقع ملتا ہے یہ خود کو منوا لیتے ہیں، اگر مناسب مواقع میسر آئے تو دوسرے شعبوں میں بھی وہ اپنی کارکردگی کی بنا پر پاکستان کا نام روشن کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے آپ خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط ہمیں ہماری بہت ہی پیاری سی مصنفہ قرۃ العین رائے کا (جو کہ طویل عرصے سے غائب تھیں حنا کے منظر نامے سے) شیخو پورہ سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

بہت عرصے بعد آپ سے آدھی ملاقات ہو رہی ہے اور آپ اتنی اچھی ہیں کہ اس کا گلہ بھی نہیں کرتی، کیا حال ہے آپ کا؟

خط لکھنے کی وجہ انوشہ ریحان کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا تھا جنہوں نے میری تحریر پسند کی، تبصرہ کیا اور مجھے یاد رکھا ڈیئر یہ آپ کی تعریف ہے جس نے مجھ سے یہ افسانہ لکھوا لیا جو میں ارسال کر رہی ہوں۔

زندگی کچھ ذاتی وجوہات کی بناء پر بے حد مصروفیت کا شکار ہے لیکن انشاء اللہ فوزیہ جی آپ سے ناول کا وعدہ انشاء اللہ ضرور پورا کروں گی اللہ ہم سب کو آسان اور پرسکون زندگی جینے کی توفیق عطا فرمائے، انوشہ ڈیئر اس افسانے پر بھی اپنی رائے ضرور بتانا میں منتظر رہوں گی شکریہ۔

قرۃ العین رائے خوش آمدید، آپ کی کمی میرے ساتھ ساتھ سبھی قارئین نے بھی محسوس کی ہم جانتے ہیں کہ آپ جاب کی وجہ سے کس قدر بزی رہتی ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جب بھی فرصت ملی آپ بھاگی آئیں گی حنا کی دنیا میں او دیکھ لیں ایسا ہی ہوا نہ، آپ کے ساتھ ہم انوش

ریحان کی بھی مشکور ہیں جن کی وجہ سے آپ نے ہمیں یاد تو کیا، ناول کا شدت سے انتظار ہے جلدی بھیجوئیں ہم منتظر ہیں شکریہ۔

اور یہ خط بھی ہمیں ایک پیاری مصنفہ ثناء کنول کا لودھراں سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے پیاری سی مبشرہ انصاری آپ کی تحریر مجھے بہت بہت پسند ہے اسی تحریر میں ہے تو نہ کسی اور ڈائجسٹ میں پڑھی اور نہ ہی کسی اور لکھاری نے لکھی بہت مبارک ہو اتنی پیاری تحریر لکھنے پر پڑھ کر بہت مزا آتا ہے، عرشیہ راجپوت، بشریٰ سیال، سویرا فلک، آپ کو پہلے عید مبارک پھر اتنی اچھی تحریریں لکھنے کی مبارک تینوں نے زبردست لکھا، عرشیہ راجپوت زبردست یار زور قلم اور زیادہ۔

تمثیلہ زاہد، تحسین اختر، رمشا احمد، عزہ خالد، چاروں نے زبردست لکھا، اتنی پیاری تحریریں لکھنے پر شاباش، اس بار ٹائٹل بس ٹھیک ہی تھا، سارے اسٹاف کو عید مبارک اور ان کو بھی جو صرف پڑھتے ہیں اور تبصرہ نہیں کرتے۔

ثناء کنول خوش آمدید آپ کی تحریروں کی نسبت آپ کا تبصرہ انتہائی مختصر رہا، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کرو شکریہ۔

فریدہ فری ایک عرصے بعد لاہور سے تشریف لائی ہیں وہ اپنی محبتوں کا اظہار کچھ یوں کررہی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

آج اور میگزین کے ساتھ حنا بھی منگوایا ماشاء اللہ حنا اتنا صحت مند لگا نظر نہ لگے، سب سے پہلے میں نے حنا میں لکھنا شروع کیا تھا ایک تو اس میں خط کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، میں حنا کو بھولی نہیں تھی بے حد بیمار بھی رہی اور اب کچھ ٹھیک ہوں اب دل کیا کہ حنا میں تبصرہ کروں حنا کے لکھنے والوں کی تو بات ہی کیا ہے اس قدر اچھے اور معیاری افسانے اور ناولٹ لگے ''ان لمحوں کے دامن میں'' اور ''محبت نام ہے جس کا'' بہترین تحریریں تھیں، مبشرہ انصاری جی خوش رہو تم تو بہترین لکھنے والی ہو، مکمل ناول پڑھ کر مزا آ گیا۔

''عشق سفر کی دھول'' اور تمثیلہ زاہد ''نئے خواب خوشنما'' یار کیا لکھتی ہو افسانے بھی بے حد اچھے لگے۔

''خالی دل، بکھرنے سے ذرا پہلے، زرہ بے نشان'' حنا کے دستر خوان کیا بات ہے، سب پکوان لذیذار لگے، تھوڑا تھوڑا سب کھالیا۔

فریدہ جی خوش آمدید دل و جان سے آپ کو اس محفل میں اگرچہ آپ ایک طویل ترین عرصے کے بعد اس محفل میں تشریف لائی ہیں لیکن محبتوں کا عالم وہی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت کاملہ عطا کرے آمین، حنا کی تحریروں پسند کرنے کا شکریہ اپنی محبتوں اور رائے سے نوازتی رہیے گا آپ کے مشورے اور تجاویز ہمارے بے حد اہم ہوتے ہیں ان کی روشنی میں ہم حنا کو خوب سے خوب تر بناتے ہیں، اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور محبتوں سے نوازتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

یہ خط ہمیں صوفیہ کوثر کا راولپنڈی سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

کسی ماہنامے میں خط لکھنے کا یہ میرا پہلا موقع ہے مجھے ہمیشہ سے ڈائجسٹ پڑھنے کا بہت شوق رہا ہے، وہ چاہے سردیوں کی لمبی راتیں ہوں یا سردیوں میں یا گرمیوں کی لمبی دوپہر ہو، جب ہر طرف سناٹے کا راج ہوتا ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ماہنامہ حنا بہت زبردست ماہنامہ ہے، مکمل ناول سے لے کر ناولٹ افسانے تک سب لاجواب ہوتے ہیں، سب رائیٹر بہت اچھا لکھتے ہیں اور مستقل سلسلے بھی سب اچھے ہوتے ہیں، حاصل مطالعہ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے کیونکہ مجھے شعر و شاعری سے لگاؤ ہے، اس لئے دو سلسلے تو میرے فیورٹ ہیں، بیاض اور میری ڈائری سے، اس ماہ میں کہانیوں پر تبصرہ نہیں کر پاؤ گی، کیونکہ حنا بہت لیٹ ملا، آئندہ ماہ سے مکمل تبصرہ کروں گی، امید کرتی ہوں آپی آپ میرا خط شائع کریں گی۔

آپی میں نے آپ کو ایک افسانہ بھیجا تھا پلیز اس کا بھی بتا دیجئے گا۔

صوفیہ کوثر خوش آمدید اس محفل میں آپ کی حوصلہ افزائی کے لئے آپ کا خط شائع کر رہے ہیں زیادہ اچھا ہوتا ہے آپ حنا کی تحریروں پر اپنی رائے دیتی رہیے گا، آپ کا افسانہ مل گیا ہے قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

ضلع چکوال سے محمد عاطف خان نے حنا کی تحریروں پر اپنی رائے بھیجی ہے وہ لکھتے ہیں۔

ماہنامہ سے تعلق پانچ سال سے ہے مجھے حنا میگزین بہت پسند ہے اور آپ کی خوبصورت محفل میں، پہلی بار شرکت کر رہا ہوں ناول لکھنے اور پڑھنے کا شوق بچپن سے ہے۔

سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' بہت پسند ہے آپی ام مریم بہت اچھا لکھتی ہیں، میری آپ سے ریکوئسٹ ہے کہ مجھے بھی ناول لکھنے کی اجازت دیں، مجھے خود پر اعتماد ہے کہ میں بہت اچھا لکھ سکتا ہوں پلیز مجھے اجازت دیں مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے میں نے پہلے بھی بہت خطوط لکھے ہیں آپ کو شاید وہ آپ تک نہ پہنچ سکے، پلیز میری امید کو نہ توڑیئے گا میں بہت امید سے خط لکھ رہا ہوں۔

بھائی محمد عاطف حنا کے لئے آپ کی محبتوں کا شکریہ، ہم آپ سے معذرت خواہاں ہیں آپ یقیناً بہت اچھا لکھتے ہوں گے مگر کہ حنا میں صرف لکھاری بہنوں کی تحریریں شائع کی جاتی ہیں، آپ کی تحریر شائع نہیں کر سکتے شکریہ۔

☆☆☆

''سانحہ ارتحال''

ہر دلعزیز مصنفہ شبانہ شوکت کے شوہر طویل علالت کے بعد 16 رمضان کو قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں۔

انا للہ وانا علیہ راجعون

دکھ کی اس گھڑی میں ادارہ حنا شبانہ شوکت کے ساتھ ہے، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔